پیامِ ہدایت

قرآن و معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی مجالس

حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید محمد تقی نقوی

پرنسپل جامعہ مخزن العلوم الجعفریہ شیعہ میانی، ملتان

پیشکش

العارف اسلامک فورم

الزہراء پبلشرز جیوانی گارڈن (عامل کالونی) سولجر بازار، کراچی

786/1727
NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

پیامِ ہدایت

قرآن و معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں

تربیتی مجالس

337

حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید محمد تقی نقوی

پرنسپل جامعہ مخزن العلوم الجعفریہ، شیعہ میانی، ملتان

پیشکش

العارف اسلامک فورم

ناشر

الزہراء (س) پبلشرز

۶۔ جیوانی گارڈن، عامل کالونی، سولجر بازار، کراچی۔

✪ کتاب کا نام	:	پیام ہدایت
✪ مولف	:	حجۃ الاسلام علامہ سید محمد تقی نقوی
✪ ناشر	:	الزہرا(س) پبلشرز کراچی
✪		۶۔جیوانی گارڈن، عامل کالونی سولجر بازار کراچی
✪ پیشکش	:	العارف اسلامک فورم
✪ تعداد	:	۱۰۰۰
✪ اشاعت اوّل	:	۲۰۰۵ء/رجب ۱۴۲۶ھ
✪ اشاعت دوّم	:	۲۰۰۵ء/شوّال ۱۴۲۶ھ
✪ اسٹاکسٹ	:	خراسان بک سینٹر

۱۲۔سنیعہ آرکیڈ، بریٹو روڈ، سولجر بازار، کراچی

انتساب!

الامام منتظر ولی العصر علیہ الصلواۃ والسلام (عجل اللہ فرجہ الشریف) کے نام، جن کے ظہور پرُ نور سے کرہ ارض پر ظلم و بربریت کی بیخ کنی اور عدل و قسط کی بالادستی ہوگی، کیونکہ عدالت خود منتظر قائم آل محمدؐ اور جہاں در منتظر عدالت ہے۔

اور

شہید قائد حجۃ الاسلام علامہ سید عارف حسین الحسینی رضوان اللہ علیہ کی روح پرفتوح کے نام، جو اپنے خون کے آخری قطرے تک افکار محمدؐ وآل محمدؐ کے احیاء کیلئے سرگرم عمل رہے اور اسی راہ حق میں اپنے جد بزرگوار امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی طرح شہادت کو کامیابی سے تعبیر کیا۔

اور

عظیم استاد، بے مثال مربّی، مشفق و مہربان والد گرامی حضرت علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ کی روح مقدسہ کے نام، جنہوں نے اپنی پوری زندگی آئمہ اطہارؑ کے اہداف مقاصد اور معارف کی نشرواشاعت اور فرزندان قوم کو عالم و فاضل بنانے میں وقف کردی اور اپنے عمل و کردار سے ایسی مثالیں قائم کردیں جو صدیاں گذرنے کے بعد بھی مینارہ نور رہیں گی۔

پیش لفظ

الرَّحْمَانُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (سورۃ الرحمٰن آیت ۱ تا ۴)

وہ خدا بڑا مہربان ہے اس نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا ہے۔

پروردگار عالم کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسان کو حیوان ناطق (بولتا ہوا صاحب حیاۃ) قرار دیا تا کہ وہ اپنی بات کو منتقل کر سکے اور اس نے اسے بیان و نطق کا علم اور اس کی صلاحیت عطا کی ہے ورنہ شاید دیگر مخلوقات پر انسان کی برتری ثابت نہ ہو پاتی اور اس کی اہمیت کا اندازہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ جہاں آپ نے فرمایا !

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي

(سورۃ طٰہٰ آیت ۲۵ تا ۲۷)

اے میرے پروردگار میرے سینے کو کشادہ، میرے امر کو آسان اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے،

یقیناً اگر بیان عمدہ اور جاذب ہو تو مخاطبین بغیر متاثر ہوئے نہیں رہتے اور اگر یوں کہا جائے کہ آج کی دنیا میں جس اسلحہ سے جنگ اور تضارب افکار کا مقابلہ ہو رہا ہے وہ یہی بیان و زبان اور خطابت کا اسلحہ ہے اور سب سے بڑا میڈیا بھی اسی کو کہا جاسکتا ہے، یہ اسلحہ جو چاہے حاصل کر سکتا ہے یعنی باطل بھی بیان اور خطابت کے ذریعے اپنے باطل پیغام کو عام کر سکتا ہے کہ جسے سننے والے حق محسوس کریں لیکن صاحبان حق و عدالت کے پاس یہ اسلحہ کئی گنا مار کے ساتھ چلتا ہے یعنی اگر دس ناحق بیان کرنے والے اپنے باطل پیغام کو منتقل کر چکے ہوں تو ایک حق پرست خطیب ان کی محنتوں پر اپنی حق و صداقت کی وجہ سے پانی پھیر سکتا ہے۔

شاید آج کی دنیا میں یہی وجہ ہو کہ انقلاب اسلامی ایران کی آواز کو فضائی راستوں سے (ڈش وغیرہ) روک رکھا ہے دنیا بھر کی بے ہودہ آوازیں آپ بآسانی سن سکتے ہیں اسلام کے خلاف

استعمال ہونے والے نظریات و دلائل بآسانی دیکھ اور سن سکتے ہیں لیکن حق و صداقت کی ایک آواز کو بھاری محسوس کرتے ہوئے روک رکھا ہے اور یہ اسلحہ جسے جہاد اسلامی میں ایک خاص مقام حاصل ہے انبیاء کرام، آئمہ اطہارؑ اور بزرگان دین کا ہتھیار رہا ہے جہاد باللسان کی یہ مثال تاریخ کے صفحات پر بکھری پڑی ہے اس انداز جہاد نے کہاں کہاں کامیابی عطانہیں کی فرعون ونمرود کو اسی اسلحہ نے شکست دی، یہودی پادریوں کو مادرِ جناب عیسٰیؑ علیہ السلام، حضرت مریم علیہ السلام نے اسی اسلحہ سے شکست دی قریش کے رئیسوں کو رسول اکرمؐ نے اسی اسلحہ سے شکست دی مولائے کائنات علی علیہ السلام کی جہاد باللسان کی بہترین صورت نہج البلاغہ کی صورت میں موجود ہے پھر واقعہ کربلا میں مدینہ تا کربلا امام حسین علیہ السلام نے قدم بہ قدم اسی جہاد باللسان سے حقانیت اسلام کو ثابت کیا اور بعد از شہادت امام حسین مظلوم کربلا جناب زینب بنت علی علیہ السلام نے ستون سلطنت اموی کو لرزا کر کے رکھ دیا۔ البتہ یہ جہاں ماضی کی طرح آج دشمن کی اصطلاح میں تضارب، نقص امن اور جذباتیت جیسے عناوین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایسے صاحبان جہاد کو خاص نظروں میں رکھا جاتا ہے۔

اسی لئے رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا!

اَفْضَلُ الجِهَادِ کَلِمَۃُ حَقٍ اَمَامَ سلطانٍ جائرٍ

ظالم حکمران کے آگے حق بات کرنا افضل و بہترین جہاد ہے۔

خدا ہمیں بھی ایسے مجاہدوں میں سے قرار دے جو جہاد باللسان کے ذریعے دینی معاشرے کی تشکیل میں مصروف عمل ہیں اسی فکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے ایک مخلص اور متدین جوان نے میری تقاریر کو صفحہ تحریر پر لا کر مجھے شرف بخشا کہ سننے کے بعد مومنین کے مطالعہ میں بھی قرار پائیں کیوں کہ جس جہاد کا ذکر ہم کر رہے ہیں وہ خوش قسمتی سے ہمارے شیعی معاشرے میں مذہب کا حصہ بن چکا ہے ہمارے یہاں اپنے مرحوم کو ایصال ثواب کرنے کا بہترین ذریعہ مجلس عزاء ہے جہاں خطیب اپنے علم و فکر کے ثمرات کو قدرت بیان سے پیش کرتا ہے اور محرم و صفر

کے علاوہ سارا سال محافل و مجالس آئمہ علیہم السلام میں ان پاک ہستیوں کی تعلیمات کو خطابت کے ذریعے عام کرنا ایک سنت حسنہ اور تسکین روح کا بہترین وسیلہ ہے۔

یہ بات ہر ذی شعور اور ملّت کے ذمہ دار، سنجیدہ، مہذب ، دیندار اور متین افراد کے علم میں ہے کہ باطل قوتوں کی مکمل منصوبہ بندی کے تحت مکتب اہل بیت اور مقاصد و اہداف کربلا میں انحراف پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ مکتب اہل بیت جو اپنی حقانیت، پاکیزگی اور مدلل انداز وطرز عمل سے نشان صراط مستقیم ہے اس کو کمزوری، کجی اور تصادم کا شکار کیا جاسکے تاکہ مکتب اہل بیت اور مقاصد کربلا کے اثرات دیگر مذاہب پر مرتب نہ ہوسکیں اور عوام ظلمت سے نور حق کی طرف نہ آنے پائیں۔

اسی لئے آپ بخوبی اس طرف متوجہ ہوسکتے ہیں کہ کس طرح سے مکتب اہل بیت کی مجالس کو دنیا سے وابستگی رکھنے والے افراد باطل قوتوں کے لئے محسوس یا غیر محسوس طور پر استعمال کررہے ہیں اور یہ افراد کس انداز سے مکتب اہل بیت میں تحریفات، ابہامات ، بدعات اور مختلف قسم کے فتنوں کو ایجاد کررہے ہیں کبھی توحید، رسالت، امامت، ولایت کی غلط تشریح اور کبھی تشہد جیسے طے شدہ امور میں لوگوں کو فضائل کے نام پر رخ دکھا کر گمراہ کررہے ہیں بلکہ اسی گمراہ کرنے کی فیس اور ہدیہ بھی گمراہ ہونے والوں سے وصول کررہے ہیں۔

اسی طرح قیام امام حسین علیہ السلام ، واقعات کربلا اور مصائب خاندان تطہیر میں اسقدر تحریفات ہوچکی ہیں کہ ان معصوم و مظلوم ہستیوں کی طرف ان کا منسوب کرنا توہین معصوم قرار پاسکتی ہے۔ بہت کم یہ بتایا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کن مقاصد کیلئے مدینہ سے نکلے تھے عوام الناس کو فقط فضائل و مناقب سننے، مصائب پر گریہ و بکاء کرنے اور ماتم داری تک محدود کردیا گیا ہے روح مقصد و مشن حسین ابن علی علیہ السلام کی طرف توجہ نہیں دلائی جاتی اور نہ ہی تزکیہ نفس کو اہمیت دی جاتی ہے۔

لوگوں کو رلانے کیلئے اور زیادہ سے زیادہ گریہ و بکاء کرانے کیلئے ایسے واقعات پڑھے جاتے

ہیں جن کا کربلا تا شام رونما ہونے والے واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔

علمائے کرام ، بزرگان اور زعمائے ملت نے اپنی بساط کی حد تک اصلاح معاشرہ کے حوالے سے اور معاشرے تک دین کے بارے میں حقیقی معلومات منتقل کرنے کیلئے اپنے کردار کو ادا کیا اور واضح کیا کہ کربلا جس پر ہم لاکھوں روپے خرچ کرتے اور اپنی زندگی کو وقف کرتے ہیں اسکے حقیقی مقاصد کیا ہیں ؟ امام حسین علیہ السلام نے کن مقاصد کیلئے اپنے رفقاء کی قربانی پیش کیں ؟ اور کن مقاصد کیلئے بنت زہراء نے کوفہ و شام کی تکالیف کو برداشت کیا تھا ؟

علماء کرام نے جس کردار کو ادا کیا وہ آسان نہ تھا اس سلسلے میں انہیں مختلف الزامات، تہمتوں اور مشکلات سے دوچار کیا گیا مگر انہوں نے اپنی عزت وحرمت سے زیادہ مکتب اہل بیتؑ کی عزت و حرمت کو مقدم رکھا۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہمارے والد بزرگوار استاذ العلماء ،زین الاتقیاء حجۃ الاسلام علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی، علامہ سید محمد یار شاہ نجفی، علامہ سید صفدر حسین نجفی، علامہ سید محبّ حسین شاہ صاحب، علامہ حافظ سیف اللہ جعفری ،علامہ سید محمد دہلوی، علامہ مفتی جعفر حسین طاب ثراھم پر رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کی طرح مکتب اہل بیت کے دفاع کیلئے ثابت قدم رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

ہمارے والد بزرگوار استاذ العلماء علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے عقیدہ توحید کے حقائق کو آئمہ معصومین کے افکار کی روشنی میں واضح کیا اور عقیدہ توحید کی محافظت کیلئے آل محمدؐ کی بے مثال قربانی سے عوام الناس کو روشناس کرایا تاکہ کوئی شیطان صفت شخص شیعیان اہل بیت کے صحیح عقائد پر اپنی چرب زبانی سے حملہ آور نہ ہوسکے اور مشرکانہ خیالات کو تشیع بنا کر پیش کرنے کی سازش میں کامیاب نہ ہو۔

زیر نظر کتاب کو تحریری اسلوب میں منتقل کرنے اور شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مکتب اہل بیت کی تعلیمات اور قیام امام حسین علیہ السلام کے مقاصد سے وہ لوگ بھی روشناس ہوں اور

معرفت حاصل کر سکیں جن تک ہماری آواز نہیں پہنچ سکی اور آخر میں تمام صاحبان علم و دانش سے اپیل ہے کہ انسان خطا کار ہے اگر وہ ان بیانات میں کسی خطا یا غلطی پر آگاہ ہوں تو مطلع کر کے شکریہ کا موقع دیں اور ہمارے حق میں دعاء خیر کریں۔

رب العزت ہر اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں کامیابی عطا کرے اور سب کو مغفرت و شفاعت سے سرفراز فرمائے۔بحق سید الانبیاء والمرسلین و آله الطاهرین

صلوات اللّٰه علیهم اجمعین

والسلام،

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۵

سید محمد تقی نقوی ابن علامہ سید گلاب علی شاہ نقویؒ

جامعہ مخزن العلوم الجعفریہ، شیعہ میانی، ملتان پاکستان۔

تقدیر پر کردار کی تاثیر

حضرت عمار یاسرؓ اور حضرت اویس قرنیؒ کا کردار

تقدیر انسانی :

رب کائنات کا اس ارض پر انسان کو بسانے کا پروگرام بنا تو اس نے اقوام اور فرد فرد کے لئے بھی سنتیں قائم کیں جس بات کو ہم تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہر ایک کے لئے تقدیر لکھ دی گئی ہے اور ہر ایک اس کا پابند رہتا ہے نیز تقدیر انسان پر غالب رہتی ہے۔ اس نکتہ کے حوالے سے قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیا انسان اسقدر مجبور ہے کہ وہ اپنے نفع اور ضرر میں کوئی عمل دخل نہیں رکھتا اور اس کا اس میں کوئی کردار شامل نہیں ہوتا، یا پھر تقدیر میں بھی انسان کا عمل دخل ہوتا ہے اور اس کا اپنا کردار بھی اس میں موثر ہے؟

معاملہ اس سلسلے میں عجیب و غریب ہے اللہ اپنے فیصلوں کا تذکرہ بھی کرتا ہے اور فرماتا ہے! یہ فیصلہ اس طاقتور ہستی کا ہے جو عزیز بھی ہے اور علیم بھی ہے عزیز کے معنی غالب اور علیم کے معنی عالم۔

خداوند عالم نے فرمایا:

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (سورۃ انعام آیت ۹۶)

ترجمہ: یہ اس صاحبِ عزّت و حکمت کی مقرر کردہ تقدیر ہے۔

یعنی وہ ایسی غالب قدرت رکھنے والی ہستی ہے کہ جب وہ فیصلہ کر دیتا ہے تو پھر وہ مغلوب نہیں ہوتا غالب ہی رہتا ہے اس کا فیصلہ عملی ہو کر رہتا ہے، کوئی اس کے فیصلے کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسی لئے وہ اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پوری کائنات مل کر بھی اس کے فیصلے کو رد نہیں کر سکتی۔ اللہ وہ وحدہ لاشریک ہستی ہے جسے کبھی بھی مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہر شئے پر غالب ہے۔

اس لئے وہ اپنا تعارف معذور و مجبور ہستی کے طور پر نہیں کراتا، وہ اپنے بیان

میں کبھی یہ تذکرہ نہیں کرتا کہ میں فلاں وجہ سے مجبور ہو گیا تھا! وہ خدا وند عالم ہو ہی نہیں سکتا جو کسی وجہ سے مجبور ہو سکے۔ پوری کائنات اگر چاہے کہ خدا وند عالم کو شکست دے تو واضح ہے کہ کائنات کی وحدت بھی خدا وند قدوس کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ۔

یہ نہیں کہ خدا وند عالم کے پاس طاقتور اسلحہ ، لشکر ، فوج اور اس قسم کا سامان موجود ہے جس کے بل بوتے پر وہ غالب ہے بلکہ حقیقت میں اللہ کا ارادہ ہی ہر شئے پر غالب ہے۔ وہ تقدیر بنانے والا اور فیصلوں کو نافذ کرنے والا ہے۔ اس کے فیصلے شکست نہیں پا سکتے۔

خدا وند عالم نے فرمایا!

اے انسانو! میں تمھارے بارے میں جو فیصلے کرتا ہوں وہ تمھارے کردار کو دیکھ کر کرتا ہوں، کردار کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہوں، قرآن میں ہے کہ یہ وہ کچھ ہے جو تمھارے ہاتھوں سے تم نے کمایا ہے۔

خدا وند عالم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُمَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

(سورۃ رعد آیت ۱۱)

ترجمہ :اللہ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے تبدیل نہ کریں (اللہ خود بخود اسے تبدیل نہیں کرتا)

اگر ہم اپنے بارے میں بھلائی چاہتے ہیں تو خدا وند عالم فرماتا ہے کہ تم اپنے بارے میں خیر کی بنیاد رکھو تو میں تمھارے ساتھ خیر کا فیصلہ کروں گا اور اگر تم اپنے بارے میں شر کا فیصلہ کرو گے تو میرا فیصلہ بھی تمھارے بارے میں شر والا ہو جائے گا اور تباہی تمھارا مقدر بن جائے گی تم اپنے کردار کو میرے فیصلوں میں موثر سمجھو۔ یہ نہ سمجھو کہ تم کسی اور کردار کو انجام دیتے رہو گے اور میں تمھارے بارے میں کسی اور قسم کا فیصلہ کروں گا۔ خداوند عالم نے اس سلسلے میں قرآن حکیم میں تعمیری انداز اپنایا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

قَدۡخَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ

کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۳۷)

ترجمہ:

تم سے پہلے مثالیں گزر چکی ہیں اب تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

جب آپ زیارات کے لئے کسی بزرگ یا معصوم کے روضے پر جاتے ہیں، تو آپ کو اس بزرگ و محترم شخصیت کے دشمنوں، مخالفین اور مکذبین کے کردار کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔

کربلا میں اگر آپ جائیں گے اور شہدائے کربلا کو سلام عقیدت پیش کریں گے تو آپ کو ان بدبختوں کو بھی یاد کرنا چاہئے جو حسینیت کے دشمن تھے، جو وہاں یزیدی کردار کے مالک تھے، وہ لوگ رسولؐ اکرم کے فرامین کو جھٹلانے والے تھے جبکہ حضرت امام حسین ابن علیؑ ان فرامین کے امین تھے۔

اسی طرح آپ شام کی طرف جائیں تو آپ حضرت آدمؑ کے دور کی نشانی بھی پائیں گے تو دوسری طرف ہابیل و قابیل کے نشانات بھی پائیں گے۔ دیکھیں گے کہ ایک ایسی ہستی تھی جسے ختم کر دیا گیا اور دوسرا ایسا بدبخت جس نے قتل کیا تھا یعنی قاتل کا تذکرہ بھی ہے اور مقتول کا ذکر بھی۔

داستان حضرت عمار یاسرؓ:

اگر آپ مقام رقّہ کی طرف جائیں کہ جہاں حضرت عمار یاسرؓ اور حضرت اویس قرنیؓ کی زیارات موجود ہیں، دمشق سے کافی فاصلے پر انکی بہترین یادگار ہے اس میدان جنگ کی جو نہر فرات کے کنارے حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب اور افواج شام کے درمیان ہوئی

تھی ایک طرف شامی فوجی تھے اور دوسری طرف امیرالمومنینؑ کی افواج تھیں، اس جنگ کا نام جنگ صفین ہے۔ جنگ صفین کا میدان ہے جہاں حضرت عمار یاسرؓ اور حضرت اویس قرنی مدفون ہیں۔ حضرت عمار یاسر مکہ مکرمہ میں مسلماں ہونے والے لوگوں میں سے ہیں جب رسولؐ اکرم مکہ میں تھے تو یہ پورا خاندان ایمان لایا تھا۔ حضرت عمارؓ اس وقت نوخیز جوان تھے آپ کے والد حضرت یاسرؓ اور والدہ حضرت سمیّہ بھی شہادت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔ انکی والدہ اس زمین پر رسولؐ اکرم پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے شہید ہونے والی خاتون تھیں، جن کو ایمان بالرسول کی بناء پر درجہ شہادت ملا ۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کیسا مومن خاندان تھا۔ جو لوگ مکہ میں ایمان لائے ان کے ایمان کی عظمتوں کو سلام کرنا پڑتا ہے۔ حالات انتہائی ناسازگار، دشمن انتہائی سخت۔ ان کے ہاتھ میں طاقت بھی موجود تھی کہ وہ بے چارے مسلمانوں کو تنگ کرسکیں اور مسلمان سزاوں کو برداشت کرنے کے باوجود، محمد رسولؐ اللہ کے کلمہ پر برقرار رہ سکیں یہ کوئی آسان منزل نہیں تھی۔

عمار یاسرؓ پر تشدد:

ابوجہل جیسے دشمن نے حضرت عمار یاسر پر اتنا تشدد کیا کہ بالآخر حضرت عمارؓ یاسر سے وہ جملہ رسولؐ اکرم کے خلاف کہلوا لیا گیا جو تشدد کرنے والے کہلوانا چاہتے تھے۔ جس کی گواہی قرآن مجید دیتا ہے، اس کے بعد انھیں چھوڑ دیا گیا۔ اور پھر رسولؐ اکرم کی خدمت اقدس میں زاروقطار روتے ہوئے آئے، رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کیا بات ہے؟ کیوں رو رہے ہو؟ عمار نے کہا کہ یا رسول اللہ انھوں نے مجھ سے وہ بات کہلوا دی جو مجھ سے کہلوانا چاہتے تھے، رسولؐ اکرم نے کہا وہ جملہ جو انھوں نے تجھ سے کہلوایا آیا وہ زبان پر تھا یا پھر دل سے بھی؟ عمارؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ !یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں دل سے آپ کا مخالف ہو جاؤں !میں نے تشدد کی مجبوریوں کی وجہ سے زبانی طور پر مخالفت کا جملہ کہہ دیا تھا، پھر رسولؐ اکرم نے فرمایا! جب بھی ایسا موقع آئے تو بے شک ایسا جملہ کہہ دینا بشرطیکہ تیرا دل میرے مخالف نہ ہو تیرا دل ایمان بالرسول پر مطمئن ہو۔ اسی کو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اور مذہب اہل بیتؑ میں

ایسے جملے کو تقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمار یاسرؓ اور تقیہ:

جب تم ڈرو، گھبرا جاؤ، تشدد ہونے لگے یہاں تک کہ حالات اس نہج پر پہنچ جائیں کہ اب تمھارے لیے جان بچانا اس کے بغیر ممکن نہ رہے، تو اس وقت اگر تمھیں مخالفت اسلام و نبی پر مشتمل جملہ بھی کہنا پڑے تو کہہ سکتے ہو البتہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اس طرح اسلام میں ایک باب بابِ تقیہ کے عنوان سے کھلا جس کا آغاز عمار ابن یاسرؓ کے ذریعہ ہوا۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

یہی عمارؓ ہیں جو رسول اکرمؐ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرماتے ہیں اور اس کے بعد مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر ہوتی ہے اور اس سلسلے میں حضرت عمار یاسر کا روشن کردار ہے، مسجد نبوی کو پتھر کی اینٹوں سے بنایا جا رہا تھا اور بظاہر پتھر ڈھیر کی شکل میں دور فاصلہ پر پڑے ہوئے تھے اور انھیں وہاں منتقل کرنا تھا جہاں مسجد نبوی کی تعمیر کی بنیاد رکھنی تھی۔ حضرت رسولؐ اکرم نے اپنے تمام اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ آؤ ان پتھروں کو بنیاد والی جگہ پر منتقل کر دیں۔ اس موقع پر اصحاب پر شدید بھوک مسلط تھی مدینہ کوئی خوشحال شہر نہ تھا، اقتصادی نکتہ نگاہ سے وہاں روزی کے زیادہ وسائل موجود نہ تھے، تھوڑی بہت کاشت کھجوروں کی ہوتی تھی اور جب مہاجرین کی بہت بڑی تعداد رسولؐ اکرم کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئی تو روزی کے ذرائع اور کم ہو گئے اور پھر مہاجرین پر بہت مشکل وقت آ گیا، کبھی کھانے کے لیے کچھ ملتا اور کبھی نہیں۔ مدینہ کے انصار کے یہاں کچھ بچ جاتا تو وہ اصحاب الصفہ تک پہنچا دیتے اور مسلماں کھا کر خدا کا شکر ادا کرتے۔

لطف اندوز منظر:

ہم بھی ایسے مسلمان ہیں یا نہیں؟ یہ سبق آموز باتیں ہیں، اگر ہم پر مشکل اقتصادی دور آ جائے تو کیا دین کو چھوڑ دیں گے؟ کیا اسلام کو چھوڑ دیں گے؟ وہ بھوکے لوگ ہیں کھانا کم

ہے اور رسولؐ اکرم نے حکم دیا کہ پتھر اٹھانا ہے، خود رسول اکرمؐ بھی ان کے ساتھ مصروف عمل ہوئے ان دنوں حضرت عمار یاسرؓ جوان تھے اس وجہ سے عمار یاسر دو دو پتھر اٹھاتے ۔ جبکہ دوسرے لوگ ایک پتھر اٹھاتے تھے وہ دوسرا پتھر اٹھانے سے پہلے کپڑے جھاڑتے، لیکن حضرت عمارؓ یاسر کو دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ وہ ایک کے بجائے دو دو پتھر اٹھاتے تھے اور انھیں مٹی جھاڑنے کی بھی فکر نہ تھی، ان کا پورا جسم مٹی کے غبار سے اٹا ہوا تھا اور اس منظر کا حضرت رسالت مآبؐ بھی جائزہ لے رہے تھے ۔ جب حضرت عمار یاسرؓ نے زور زیادہ لگایا تو تھوڑا سا تھک گئے اور ستانے لگے اور ایک مقام پر آ کر بیٹھ گئے۔اس وقت رسولؐ اکرم عمارؓ یاسر کی پشت کی جانب سے آئے اور ان کے سر پر سے مٹی صاف کرنا شروع کر دی۔ حضرت عمار یاسر کی وہ عزت جو انھیں رسولؐ اکرم کی طرف سے نصیب ہو رہی تھی رسولؐ اکرم کا خراج تحسین جو عمار یاسر کو مل رہا ہے۔ اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ بطور مثال ان کی جگہ اپنے آپ کو فرض کریں کہ آپ بیٹھے ہیں اور رسولؐ اعظم آپ کے سر پر سے مٹی جھاڑتے ہیں تو بتایئے آپ کی اندرونی اور نفسیاتی کیفیت کیا بنے گی؟ خوشی بھی اور رونا بھی۔

عمار یاسرؓ ایک طرف رو رہے ہیں اور دوسری طرف شرمندہ ہیں کہ میں کجا اور میرے ساتھ اس عظیم شخصیت کی شفقت کجا! حضرت رسولؐ اعظم کا اس طرح امتیازی سلوک صحابہ کو اس طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنا۔ اتنے میں عمار کو رسولؐ اکرم نے یہ جملہ کہا اے عمار! ایک باغی گروہ تجھے قتل کرے گا!

ماں کی اطاعت اور زیارت رسولؐ:

اس کے بعد اس دوسرے جلیل القدر صحابی کا تذکرہ ، ایک طرف ماں کی اطاعت اور دوسری طرف رسول اکرمؐ کی زیارت۔ یہ حضرت اویس قرنیؓ کا تذکرہ ہے جن کی مقدس ہستی تاریخ اسلام میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اویسؓ قرنی رسول اکرمؐ کی زیارت کے لئے گئے تھے البتہ ماں نے کہا تھا کہ تم وہاں زیادہ دیر نہیں رہو گے چونکہ رسول اکرمؐ مدینہ میں موجود

نہ تھے اس لئے زیارت نہ ہو سکی۔ اویسؒ قرنی کے واقعہ کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے وجود اقدس سے ملاقات و آپکی زیارت سے بہتر ہے کہ ماں کی اطاعت کی جائے۔ کیا یہ حکم فقط چودہ سو سال پہلے تھا یا اب بھی ہے؟ ہم کتنے اپنی ماں کے تابعدار ہیں یا اپنی زوجہ کی اطاعت کرتے ہیں؟ کہاں رسول کی زیارت اور کہاں بیگم صاحبہ کا ارشاد۔ ان چیزوں کا موازنہ کرنا چاہئے کیونکہ قصہ برائے قصہ نہیں ہوتا۔ برائے نصیحت ہوتا ہے۔

اب نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اویسؒ قرنی اپنی ماں کی تابعداری کرتے ہوئے رسولؐ اکرم کی زیارت کو چھوڑتے ہوئے مدینہ سے واپس چلے جاتے ہیں۔ جب رسولؐ واپس پلٹے تو رسولؐ اعظم کا جملہ یہ تھا کہ مجھے مدینہ کے اس مقام سے ایک مومن کی خوشبو آ رہی ہے ایک مومن کا نور دکھائی دے رہا ہے۔

مدینہ میں کتنے مومن بستے ہونگے ....؟۔ غور کیجئے کہ:

کچھ دیر ٹھہرنے والے مومن اویسؒ قرنی کو، رسولؐ اکرم یہ خراج پیش کر رہے ہیں کہ مجھے اس سے ایک مومن کی خوشبو آ رہی ہے! گویا رسول اکرم اپنے لحاظ سے خوشی اور رضا مندی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ اے اویس اگر تو نے میری زیارت پر اپنی ماں کی اطاعت کو ترجیح دی ہے تو میں تیرے اس اقدام سے راضی ہوں اور تجھے میری زیارت سے بھی زیادہ اجر ملا ہے پھر رسولؐ اکرم نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو وصیت کی کہ اویس تیری زیارت کریگا۔ وہ تیرے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوگا۔ اسے میرا سلام پہنچا دینا۔

اویس قرنیؓ اور جنگ صفین:

جب امیر المومنینؑ جنگ کے لئے صفین کی طرف جا رہے تھے تو ایک مقام پر رکے (حضرت کے دستے میں شرکت کے لئے دستے مختلف گاؤں اور دیہاتوں سے آ رہے تھے) اور فرمایا تھوڑی دیر بعد میرے لشکر میں شامل ہونے کے لئے ایک دستہ آئے گا جس کی تعداد ایک ہزار افراد پر مشتمل ہوگی نہ ایک کم اور نہ زیادہ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس جو حضرت امیر المومنینؑ کے چچا زاد اور شاگرد خاص بھی ہیں وہ کہتے ہیں میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ کیا ضرورت تھی اتنا پکا عدد بتانے کی۔ کیونکہ ایک کم ہوگیا یا زیادہ ہوگیا تو مسئلہ خراب ہو جائے گا۔ وہ کہتے ہیں میں اس قلبی کیفیت کا شکار تھا کہ اتنے میں دستہ آ گیا اور ہم اسے گننے لگے تو کل تعداد نو سو ننانوے تھی اوراس طرح ہزار کا عدد پورا نہ ہو سکا! اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے امیرالمومنینؑ سے کہا کہ عدد پورا نہ ہو سکا !؟ امیرالمومنینؑ نے کہا کہ خاموش رہو! اتنے میں دیکھا ایک تھکا ہوا، پھٹے کپڑے پہنے ہوئے شخص آیا اور کہا کہ یاامیرالمومنینؑ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، امیر المومنینؑ نے پوچھا کیا تو اویس قرنی ہے ؟اس نے کہا ہاں۔ مولا نے کہا کہ مجھے پاک پیغمبرؐ نے نوید دی تھی۔ اور تمھارے لئے سلام فرمایا تھا۔

اس سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟ نو سو ننانوے نے بھی بیعت کی تھی لیکن ان کی اتنی پذیرائی نہ کی گئی جتنی اویسؒ قرنی کی گئی ! کیونکہ ہر ایک کے ایمان کی منزل جدا اور قلب کی کیفیت الگ ہوتی ہے۔

تقدیر اور ظلم کا رواج:

اے انسان تیری تقدیر کچھ تیرے اپنے ہاتھ میں بھی ہے تو اپنی تقدیر بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے۔ اے ملت شیعہ خیر البریہ ! تجھے اس امر کی طرف توجہ کرنا چاہئے کہ اپنی انفرادی تقدیر کا مسئلہ ہو یا اپنی قومی و ملی تقدیر کا مسئلہ، اگر ہم اسے سنوارنا چاہتے ہیں اور اسے بگاڑ سے بچانا چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو اس راستے پر چلائیں جس سے ملت کو اللہ کی ذات خیر عطا فرماتی ہے۔

خدا وند عالم فرماتا ہے !

جس طرح ہر فرد کی مدت معین ہے اسی طرح ہرامت کی مدت معین

ہے۔ (القرآن)

عزتِ امت اور ذلتِ امت اس کے اپنے کردار پر موقوف ہے ۔ یہ دور سخت دور ہے کافر اور مشرک بھی آپ کے دشمن ہیں۔ اگر ہم ان ضابطوں اور اصولوں پر عمل کریں جن میں سنت خداوندی یہ رہی ہے کہ جو امت اس طریقہ کار پر عمل کرے گی، اللہ اس امت کی عزت میں اضافہ کرے گا اور اگر کوئی برعکس طریقہ کار پر چلے گی تو اس امت پر ذلتیں مسلط ہو جائیں گی۔

کوئی امت اپنے اندر ظلم کو رواج نہ دے اور باہم ظلم رائج نہ کرے، ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔ اگر کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنا رواج عام بن جائے تو پھر سمجھ لیں کہ وہ امت ظلم کے راستے پر گامزن ہوگئی ہے، اور جو قوم ظلم کے راستے پر گامزن ہو جائے زوال اس کا مقدر ہوتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے!

> اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی ذات تم پر اپنا عذاب نازل نہ کرے بلکہ رحمتوں کو نازل کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے اندر ظلم کو رواج نہ دو۔ خدا کی ذات کسی بستی کو اس طرح ہلاک نہیں کرتی کہ ان کے رہنے والے پاکیزہ اور اصلاح پر عمل کرنے والے ہوں اور اللہ اس پر عذاب نازل کر دے۔ (القرآن)

یعنی امن اس وقت ملے گا جب تمھارے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہ ہو۔ اگر ہمارے پاس امن نہیں ہے تو اللہ کے اس فرمان کے مطابق ہم کسی جرم کے مجرم ہو چکے ہیں، اگر ہم امن چاہتے ہیں تو ایسے مومن بنیں جن کے ایمان میں ظلم شامل نہیں ہے۔ ہمیں اپنے امور کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کسی کے حق میں ظلم تو نہیں کر رہے ؟ ہمیں اپنے طرز زندگی کا جائزہ لینا

چاہیئے۔ کیونکہ اگر زندگی ظلم پر مبنی ہو اور معاشرے کے معزز افراد بھی اسے انجام دینے لگیں تو اس طرح ظالمانہ رواج پھیلنے لگتے ہے، لوگوں میں دین سے انحراف پیدا ہوتا ہے اور لوگ اسے بھی دین سمجھنے لگتے ہیں !اور اگر یہ عام ہو جائے تو خدا پوری قوم پر عذاب نازل کرتا ہے۔لہٰذا ظلم نہ خالق کے حق میں کریں اور نہ مخلوق کے حق میں، اور نہ دشمنوں کے حق میں۔ اگر آپ اس سے بچیں گے تو گویا آپ اپنی ملت کی حفاظت کر رہے ہیں۔

اے علیؑ ولی اللہ پڑھنے والو ! تنہا نعرۂ حیدری پر اکتفاء نہ کرو تمھارے اندر جو چیزیں رائج ہیں انھیں حیدری رسم و رواج بناؤ۔ ان کو علوی رسم و رواج میں تبدیل کردو ۔ اگر تم دشمن خبیث کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرو، وحدت پیدا کرو اور اپنی عادات و اطوار کو ظلم سے محفوظ رکھو۔

ایک دوسرے کی معمولی معمولی باتوں کو اچھالنا۔ ہمیں اپنی پہاڑ جتنی بیماری اور برائی بھی نظر نہیں آتی جبکہ دوسرے کی رائی برابر بھی نظر آ جاتی ہے۔اور اسے اچھالا جاتا ہے !اس طرح تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب تفرقہ پیدا ہو تو وحدت ختم ہو جاتی ہے اور جس قوم میں وحدت ختم ہو جائے وہ قوم دشمن کے سامنے مغلوب ہو جاتی ہے۔

اس لئے آیئے اپنے آپ کو غیبت اور بہتان سے بچایئے ، عیبوں پر پردہ ڈالئے۔ عیب کو اگر آپ اصلاح کے طور پر بیاں کرنا چاہتے ہیں تو اس حد تک صحیح ہے لیکن زبان کے مزے اور چسکے کے لئے محافل میں بیٹھ جائیں تو یہ عمل نفرت پھیلانے کا باعث ہو گا۔

جس ملت کے دل ایک دوسرے کے قریب نہیں ہو سکتے وہ قوم کبھی بھی دشمن پر غلبہ پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ہمیں آپس میں ایک دوسرے کو برائیوں سے روکنے کی عادت ڈالنا چاہیئے۔

ملت شیعہ جعفریہ اور وحدت:

ملت شیعہ جعفریہ کو جتنی آج وحدت کی ضرورت ہے اس سے پہلے شاید اتنی نہ تھی۔ علی حیدر کرار کے ماننے والوں کے مقابلے میں کل کفر اپنا کامل محاذ بنا کر آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ اپنی پوری کوشش کر رہا ہے کہ اس ملت کو کسی طرح سے صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا مذہب کبھی بھی صفحہ ہستی سے نہیں مٹے گا فقط اتنا سوچنا ہے کہ کہیں ہم خود تو اپنے دین سے دور نہیں چلے گئے ؟ اگر ہم دور چلے گئے تو ہم مٹ جائیں گے مذہب زندہ ہے اور زندہ رہے گا لیکن ہمارا مٹ جانا ہمارے لئے عذاب ہو جائے گا۔

اس راستے پر چلیں جس میں انسان کی دنیا اور آخرت میں عزت ہو۔ یہ نہ سمجھیں کہ اسکا قانون بدل جائے گا اور اس کا دستور بدل جائے گا بلکہ اسکا قانون سب کے لئے ایک ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے !

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(سورۃ آل عمران آیت ۱۳۹)

اور حزن و ملال کا شکار نہ ہو جاؤ میں تمھیں نوید دیتا ہوں کہ بالادستی و غلبہ تمھیں حاصل رہے گا (ایک شرط کے ساتھ) کہ تم مومن بن کر زندگی گذارو۔ (القرآن)

ہماری آزادیوں کو سلب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ہمارے گرد حصار کو تنگ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لئے بیدار رہنے کی ضرورت ہے اور اپنی اندرونی کمزوریوں پر کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔

شہادتیں اور ملت جعفریہ کا فریضہ

صبر و شہادت:

بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ (سورۃ التکویر آیه ۹)

کہ انہیں کس گناہ میں مارا گیا ہے۔ شہادتیں اور بے دردانہ قتل عام کیوں ہو رہا ہے؟

اے خدا میرے لئے سب مصیبت آسان ہے کیونکہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔(امام حسین علیہ السلام)

اپنے قلب میں موجود اس ایمان پر نظر ڈالیں، شہادتیں پیش کریں مگر شکست نہ کھائیں کیونکہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ مصیبت و امتحان اس امت پر آنے والا ہے۔لیکن چودہ سو برس سے کربلا کو صبح و شام یاد رکھنے والو!

کربلا تم کو اس لئے بتائی، سمجھائی، سکھائی اور سنوائی گئی تھی تاکہ کل ہم پر کوئی سخت امتحان آئے تو علی اکبرؑ کو رونے والے شکست نہ کھائیں تو آج ضرورت اس امر کی ہے کہ صابر بنیں مگر بزدل نہ بنیں۔ بعض لوگ بسا اوقات صبر کے معنی بزدلی کے لینا شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ ہمیں کہنا چاہیے کہ ہم صبر کریں گے، لیکن شکست نہیں کھائیں گے بس ہمارا ایمان پختہ ہونا چاہیئے۔

ہر مومن کا فرض ہے اسے ماحول کا جائزہ لینا چاہیئے اور صورتحال پر نظر رکھنا چاہیے کیونکہ مومن کو سادہ لوح نہیں ہونا چاہیئے۔

شہدائے کربلا:

جب ہم زیارتِ وارث پڑھتے ہیں تو یہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوتی ہے پھر حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے خاندان اور شہدائے کربلا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور آخر

میں امام حسینؑ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد شہزادہ علی اکبرؑ اور ان کے بعد شہدائے کربلا کی بارگاہ میں نذارانۂ عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ سلام تم پر وہ جو ولایت کی مسند پر پہنچے۔ ان شہداء میں کون کون ہیں ان شہداء میں فقط بنی ہاشم کے شہداء کا تذکرہ نہیں کرتے کیا ان میں امتی شہداء بھی ہیں یا نہیں ان میں حضرت حر جیسا گناہ گار بھی شامل ہے یا نہیں؟ جو عاشورہ کی صبح تک یزیدی صف میں تھااور عاشورہ کی عصر کو اولیاء خدا میں شامل ہو گیا تھا۔

حدیث امام محمد باقرؑ اور بنی اسرائیل کے جادو گر:

امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے یہ سوال کیا تھا وہ کون لوگ تھے جب سورج طلوع ہوا تھا تو جہنمی تھے اور سورج غروب ہوا تو جنت پہنچ چکے تھے؟ فرمایا وہ جادوگر تھے جو موسیٰ ابن عمران کے مقابلے پر فرعون کی دعوت پر آئے تھے۔ مگر جب انھوں نے حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جادو کیا اور انھوں نے رسیوں کو پھینکا اور انکی رسیاں سانپ کی طرح حرکت کرنے لگیں اور جب حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو پھینکا، تو اس عصا نے اژدھا کی صورت اختیار کر کے ان سانپوں اور رسیوں کو نگل لیا۔ اور اس کے بعد وہ حیران و پریشان ہو گئے اور سجدے میں گر گئے۔ اور کہنے لگے ہم اس رب پر ایمان لاتے ہیں جو ہارون و موسیٰ کا رب ہے یہ کہہ کر سجدے میں گر گئے اور مومن ہو گئے۔ فرعون نے ان کو للکار کر کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر مومن ہو گئے!؟ انھوں نے کہا کہ اس جیسے پر ایمان لانے کے لئے تجھ جیسے کی ضرورت نہیں! فرعون نے کہا کہ میں تم کو قتل کردوں گا! ان مومنوں نے کہا کہ اب ہم نے ایسا ایمان پا لیا ہے کہ ہمیں موت کا خوف نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون نے انکو سزائے موت دے دی اور اس طرح وہ سورج ڈوبنے سے پہلے جنت میں پہنچ گئے۔ جبکہ شہدائے کربلا ایسی جنت میں پہنچے جہاں امام علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام انھیں سلام کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ قیامت تک جتنے اولیاء اللہ، صلحاء خدا اور ربانینِ الٰہی گزریں گے وہ سب تربت حضرت حر علیہ السلام پر کہیں گے السلام علیک

یا اولیاء اللہ۔ اللہ کی ولایت کے درجے پر پہنچنے والو! تم پر ہمارا سلام۔

شھدائے کربلا کی کامیابی:

ہمارا ایمان ہے کہ

یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَافُوْزَ مَعَکُمْ فَوْزًا عَظِیْمًا

کربلا کی ریت پر اپنے خون میں غلطاں ہو کر بے گور وکفن تین دن تک پڑے ہوئے لاشو! ہم بھی خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے کاش! ہم بھی تمھارے ساتھ ہوتے تو اسی طرح کامیاب ہوتے جیسے تم ہوئے تھے۔

کربلا والے کامیاب کیسے ہوئے جان بچا کر؟

نہیں بلکہ جان دی تو کامیاب ہوئے، سر کٹا یا تو کامیاب ہوئے اور لاشے تڑپے تو کامیاب ہوئے۔ کربلا میں ان کی خون آلود لاشوں کا منظر ان کی اپنی بیٹیوں نے خود دیکھا تھا۔ منظر کربلا ہماری آنکھوں کے سامنے ہے یا ہمارا دل جو کچھ مانتا ہے ایسا نہیں ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر ہم ان حالات سے پریشان کیوں ہوتے ہیں، کیا یہ ہمارے قلب و ایمان کی آواز ہے یا نہیں۔؟

کربلا والی کامیابی فقط تبرک کھانے سے نہیں ملتی، کامیابی یہ نہیں کہ دنیا کی ساری نعمت حاصل کریں اور (۸۰) سال کی عمر میں مر جائیں تو کامیاب کہلائیں۔

معرفت کربلا:

آج ہماری ملت گھبرائی ہوئی ،بے حوصلہ نظر آتی ہے، حالات و واقعات کی نزاکت کا جائزہ نہیں لیتے ہیں، نہ مجرم کو سمجھتے اور نہ ہی جرم کو! نہ شہادت کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کے فلسفہ کو! نہ کربلا کی معرفت میں کامیاب ہو رہے ہیں اور نہ ہی فلسفہ کربلا کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں!

﴿چند ٹکے عزاداری میں دینے سے انسان کربلائی نہیں بنتا بلکہ اپنا لہو کربلا کی راہ میں دینے سے کربلائی بنتا ہے﴾

اس بارے میں ہوسکتا ہے کچھ لوگ انھیں شک و شبہ کی نیت سے دیکھیں۔ وہ وقت آئے گا جب شمس قیامت طلوع ہو گا اور آپ کا شہید برادر کھڑا ہو گا شہزادہ علی اکبرؑ کے برابر میں۔ اس وقت آپ کو حسرت ہو گی اے کاش! ہم بھی مارے گئے ہوتے۔یاد رکھیں ان باتوں میں سادگی نہیں بلکہ سنجیدگی ہے۔

مودتِ آل محمدؐ کا جرم:

ہمارے شہید برادران، کس جرم میں مارے گئے۔ مارنے والوں کی نگاہ میں ان شہیدوں کا جرم کیا تھا؟ جرم فقط یہ تھا کہ علی ولی اللہ کی محبت دل میں تھی، کربلائی، حسینی، شیعہ، مومن، زہراءؑ کا غلام اور آل محمدؐ کے پیروکار تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے عزیز شہیدون کا جرم اور تھا بھی کیا؟!

یقیناًوہ اسی جرم میں مارے گئے ہیں اور اس جرم میں مارا جانا ذلت نہیں بلکہ عزت ہے۔ روزانہ ہزاروں لوگ مختلف دنیاوی مسائل میں مارے جاتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں، مگر کیا یہ فخر کم ہے کہ ہمارے شہید محبت حسین علیہ السلام میں مارے گئے ہیں۔

اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا!

مجھے سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب میرے کسی ماننے والے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس کا عیب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ فقط امام جعفر صادق علیہ السلام کا غلام ہے۔

اسی لئے صادق آل محمدؐ نے فرمایا۔

کُوْنُوْا لَنَازَیْناً وَلَا تَکُوْنُوْا عَلَیْنَا شَیْناً۔

ہمارے لئے باعث زینت بننا، باعث ننگ و عار نہ بننا۔

ثابت قدمی اور شہادت:

ہمارا مکتب اتنا پاک ہے جتنا خدا و اہل بیتؑ پاک ہیں اس لئے اس سلسلے میں کسی قسم کے شک و شبہ کا شکار نہ ہوں دل میں وسوسہ نہ آنے پائے، بس اتنا کرلو کہ دنیا کی محبت کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دو۔ ہمیں ہروقت شہادت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اے خدا! ہم گناہ گار ہیں، مگر تو ہمارے لئے شہادت کو پسند کر لے، اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی بات باعث عزت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عزت و عظمت کا راستہ ہے، اس راہ میں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے عصر جدید میں ایمان کو مضبوط و قوی کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ کمزور۔

جس طرح ہم عزاداری اور دین کے لئے ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں تو اہل بیت کی محبت میں راہ خدا کیلئے جان کا نذرانہ کیوں نہیں پیش کرتے! جان دینے کے لئے بھی اس جذبہ کا ثبوت دینا چاہیے تاکہ ہمارے ایمان کا گراف بلند ہو نہ کہ پست۔ اس دور میں ایمان کی قوت دکھانے کی ضرورت ہے۔

اے نوجوانو! خود بھی استقامت دکھاؤ اور اپنے بزرگوں کو بھی سنبھالو۔

اے بزرگو! اپنے نوجوانوں کو ہمت دو اور خود بھی استقامت دکھاؤ۔

یقین رکھو سارے نہیں مارے جائیں گے کسی میں اتنی جرات نہیں کہ تشیع کو ختم کر سکیں۔ یاد رکھو نہ یزید رہے گا اور نہ ابن زیاد، نہ اس کا ظلم رہے گا اور نہ اس کی جفا۔

نام رہے گا تو .... فقط حسین ابن علیؑ کا۔

گوشہ و کنار میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کم معرفت ہوتے ہیں وہ نہیں سمجھ پاتے کہ ہم کن حالات سے گذر رہے ہیں یاد رکھئے تھوڑی سی استقامت آپ دکھائیں پھر دیکھیں یزیدی فرار کیسے ہوتے ہیں۔

قصاص اور شهادت امیرالمومنینؑ:

خداوند عالم نے فرمایا:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۳)

جو کوئی بھی مظلوم مارا جائے ہم نے اس مظلوم کے وارث کو قتل کے بدلے قتل کا حق دیا ہے۔

انتقام شریعت میں جائز ہے ایسا نہیں کہ فقط معاف کرنا ہے۔

خدا وند عالم نے فرمایا!.

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ

(سورۃ بقرہ آیت ۱۷۹)

اے صاحبان عقل! قصاص میں تمھارے لئے حیات و زندگی ہے اور جب دیکھ لو کہ دین کی بقاء بغیر قصاص کے نہیں ہے تو پھر معاف نہ کرو بلکہ قصاص لیتے رہو۔

امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کا قاتل ابن ملجم لعنت اللہ علیہ جب گرفتار ہوا تھا اور وہ امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا، امام حسنؑ سے زیادہ قرآن کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اب آپ بتایئے امام علیہ السلام نے ابن ملجم کو معاف کیا تھا یا بدلہ لیا تھا۔؟

امیر المومنینؑ کی وصیت تھی، اگر معاف کرنا چاہو تو تمھاری مرضی اور قتل کرنا چاہو تو ضربت کا ایک وار چلانا۔ پھر امام حسنؑ نے اپنے پدر کے قصاص میں اس کو قتل کیا۔

کیونکہ امام سمجھتے تھے کہ اس وقت معاف کرنے کا اتنا فائدہ نہیں ہے جتنا قتل کرنے کا فائدہ ہے تو وقت کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ معاف کرنے میں اس وقت فائدہ

ہوتا ہے جب قتل کرنے والے میں توبہ کے آثار نظر آئیں۔

فضیلت کردار سے ھے ،
میثم تمارؓ اور ابن عباسؓ کی عظمت کا فرق

قلبِ قرآن:

سورہ یٰسین کو روایات کے مطابق قرآن کا دل کہا گیا ہے یہ قلب قرآن کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر قرآن کو ایک بدن کی حیثیت دے دی جائے تو قرآن کے جسم میں سورہ یاسین ایسے ہے جیسے انسان کے جسم میں دل۔ اور انسان جتنا اپنے دل سے محبت رکھتا ہے اتنا شاید کسی اور چیز سے محبت نہیں رکھتا بلکہ محبت رکھنے والی چیز دل ہی ہے کیونکہ دل ہو گا تو محبت و الفت ہو گی اور انسان متحرک ہو گا، دل کی حرکت بند ہو جائے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

شاید قرآن کے اس سورہ کو قلبِ قرآن کہنے کا مطلب یہ ہو کہ جب تک انسان اور انسان کے بدن میں سورہ یاسین کی تلاوت کی معرفت برقرار رہے گی، تو اس وقت تک انسان کے ایمان کو کوئی بیماری نقصان نہ پہنچا سکے گی، اور کوئی ایسا جراثیم انسان کی روحانی زندگی کو موت کی آغوش میں نہ لے جا سکے گا، جب تک کہ اس کے اندر سورہ یاسین سے انس، محبت، معرفت اور اس کے مفاہیم قلب و دماغ میں زندہ ہیں۔ تو اس وقت تک کوئی شیطان اس کو ورغلانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

قلب قرآن کا عجب انداز ہے اس کا آغاز ہوتا ہے قرآن کی قسم کے ساتھ۔ خدا وند عالم کی حکمت عجیب ہے کہ کبھی قرآن کی قسم کھا کر اور کبھی رسول کی قسم کھا کر ایک دوسرے کی عظمت پر مہریں لگاتا ہے۔ وہ جو قرآن کو مانے اور رسول کی صداقت پر یقین نہ کرے تو اس نے قرآن کے ساتھ منافقانہ سلوک کیا ہے ہر وہ شخص جو سر پر قرآن اٹھائے ہو تو اس پر فوراً یقین نہ کر لینا بلکہ دیکھنا اس کے قلب میں رسول کی معرفت کتنی ہے۔ اور اس کے کردار میں رسول کی

اطاعت کتنی ہے کیونکہ جھوٹے لوگ اپنے دنیاوی مفاد کو بچانے کے لیے قرآن کو قسم کا ذریعہ بناتے ہیں اور سر پر قرآن رکھ کر مال حاصل کرتے ہیں۔ اگر آپ قرآن کے نام پر کچھ دینا چاہتے ہیں تو ضروری نہیں کہ سر پر قرآن رکھوایا جائے بلکہ خود ہی اپنے مال کو وار دے۔ اور اللہ پر چھوڑ دے کہ رب العزت خود اس کے ساتھ نمٹ لے گا۔ فقہاء علماء اور اتقیاء لوگوں کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ جھوٹی قسم تو کجا سچی قسم سے بھی گریز کرتے تھے۔

نکتۂ دلنشین:

یہ امر ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ منبر پر آتے ہیں وہ نیچے والوں سے بہتر اور عظمت والے ہیں بلکہ روایات میں ہے کہ ایک عالم نے بیان کیا کہ اصفہان کے ایک بزرگ عالم دین تھے اور درس اخلاق دینے کے ماہر تھے ان کے اکثر دروس علم الاخلاق پر مشتمل ہوتے تھے ان کے ایک دوست نے دیکھا کہ وہ بزرگ رو رہے ہیں اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ روایت میں ہے کہ روز محشر ہو گا اور وہ لوگ جنت جا رہے ہوں گے جو میری نصیحت پر عمل کرتے تھے اور میرے جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں ہوا۔ جانے والے دیکھیں گے کہ یہ تو ہمارا استاد تھا۔ وہ عالم کہتے ہیں کہ میں نے جب سے یہ حدیث پڑھی ہے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ میرے لئے شرم کے ساتھ مر جانے کے لئے یہی کافی ہے۔

میری زبان سے متاثر ہونے والے جنت گئے اور میں اپنے آپ کو جہنمی سمجھوں۔ اس لیے اہل منبر کو کبھی بھی خود کو بالاتر نہیں سمجھنا چاہیے، نہ تقویٰ کے لحاظ سے اور نہ ہی پرہیزگاری کے لحاظ سے۔ وہ وقت کتنا سخت ہو گا جب کسی مدرسہ کا چوکیدار شفاعت کرے گا اس مدرسے کے پرنسپل کی۔

ابن عباسؓ اور میثم تمارؓ کی عظمت کا موازنہ:

عبداللہؓ ابن عباس علم قرآن وتفسیر کے علوم میں رسولؐ اکرم اور مولا علی علیہ السلام کے

بعد سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اور وہ ایسی شخصیت ہیں جن کو اہل سنت سید المفسرین کے طور پر پہچانتے ہیں علمی اعتبار سے بھی بہت بڑی شخصیت ہیں نبی ہاشم ہیں رسولؐ اکرم اور مولا امیر المومنین کے چچا زاد ہیں مولا کے دور میں گورنر بھی رہے اور دوسری شخصیت حضرت میثم تمارؓ کی ہے ہمارے معاشرے اور ماحول میں آپ کا تعارف ایک بزرگ عالم کی حیثیت سے نہیں کروایا گیا اور نہ ہی تفسیروں میں میثم تمارؓ کے اقوال بحیثیت مفسر قرآن درج ہیں۔ میثم تمار کوئی عرب خاندان کا چشم و چراغ نہ تھے قریشی بھی نہ تھے ہاشمی اور سید زادہ بھی نہ تھے بلکہ عجمی و امتی تھے۔

میثم اور کھجور کی دکان:

بازار کوفہ میں ایک چھوٹی سی ٹوکری لے کر کھجوروں سے روزی کماتے ہیں علمی اعتبار سے اتنی شہرت نہیں ہے مگر ان کی معرفت، ایمان اور مقام امیر المومنین علیؑ کی بارگاہ میں اتنا بلند ہے کہ جس حیثیت کے لائق آپ نے میثم تمارؓ کو سمجھا وہ حیثیت عبداللہ ابن عباس کو نہ دی۔ استاد ہو تو ایسا ہو کس کے ظرف میں کیا چیز ڈالنا چاہئے یہ ظرف اس مظروف کا اہل بھی ہے یا نہیں۔؟ اس تمار و کھجور فروش کو یہ مقام حاصل ہوا کہ امیر المومنین علیؑ اس کی چٹائی پر بیٹھ کر اس کی کھجوریں بیچتے تھے وہ علیؑ جو بستر نبی کی زینت اور مسند نبی کا حقدار ہے خدا جانے اسے میثم تمارؓ کی چٹائی کتنی اچھی لگی۔

میثم تمارؓ اور ابن عباسؓ کی گفتگو:

ایک مرتبہ میثم تمارؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ کی آپس میں گفتگو ہوئی عبداللہ ابن عباس سے میثم تمار نے کچھ آیات کی باطنی تفسیر بیان کرنا شروع کی عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ اے میثم تمار تم تو علم غیب کا دعویٰ کر رہے ہو میثم تمار نے کہا کہ پریشان نہ ہو اس تحریر کو نہ کاٹو مجھے آزما لو اگر سچ ثابت ہو جائے تو مان لینا۔ میثم تمار کا علیؑ ابن ابی طالب جیسے عالم علم لدنی کے سامنے اس قدر عظیم لیاقت والا ظرف تھا کہ ان باتوں کی لیاقت عبداللہ ابن عباسؓ کے قلب کو نہ

تھی۔

افراد میں فرق ہو سکتا ہے کیونکہ یہ فرق ہمیشہ سے ہے اور رہے گا۔

عید غدیر..........عید اللّٰہ:

عید غدیر کو عید اللہ الاکبر کہتے ہیں ولایت علیؑ کا نور اپنے سینوں میں رکھنے والوں کے لیے بہت بڑی عید ہے اور اس دن کے لیے آل محمدؑ کی طرف سے ایک ہدایت نامہ ملا ہے کہ اے مولا امیر المومنینؑ کے چاہنے والو ! روز عید غدیر ہر ایک دوسرے کے ساتھ عقد مواخاتؑ کرے۔ کچھ بھائی وہ ہیں جو خدا نے آپ کے بنائے ہیں اس لیے وہ بھائی بھی پیارے لگنے چاہئیں جو ہم ایمان کی وجہ سے اپنے بنالیں۔

خونی بھائی زیادہ پیارا ہے یا ایمانی بھائی۔۔۔۔۔؟

ولایت آل محمد :

ہمارے ایمانی بھائی ہونے میں ولایت محمد و آل محمدؑ اساس ہے حکم ہے جب روز غدیر آئے تم صدقہ دو، مبارک باد دو اور شکر خدا ادا کرو کہ تعریف ہے اس خدا کی جس نے علی امیر المومنینؑ کی ولایت کا شرف عطا فرمایا۔ اور جب ایک دوسرے کو مبارک باد دے چکو تو ایک مومن دوسرے مومن کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ایک دوسرے کے ساتھ عقد مواخات پڑھے اور کہے میں نے تجھ کو اپنا بھائی بنایا۔

اس لئے یاد رہے بھائی بننے کے بعد تم عدالت میں مقدمہ لے کر نہ چلے جانا کیونکہ جب دو مرلے زمین کی بات آتی ہے تو پھر کہاں گئی وہ محبت اور علیؑ والا ہونا۔ اور پھر ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ تک لاکھوں روپے خرچ کر کے نہ اس کا دل مطمئن ہو رہا ہے اور نہ ہی اس کا۔ تو کیا ان کے سلوک سے علیؑ ولی خوش ہوتے ہونگے۔ اور جب دونوں گھر سے نکل کر یا علیؑ مدد کہتے ہوں گے تو مولا دونوں کی وکالت فرماتے ہونگے۔؟

کیا یہ صحیح ہوگا کہ اہل ایمان کے درمیان طاغوت آ کر فیصلے کرائے اور جو حاکم وقت ان کو عدالت کی کرسی پر بٹھاتا ہے وہ بھی طاغوت اوراس کو بنانے والا بھی طاغوت ہوتا ہے اب جوبھی ان کے پاس اپنا حق لینے جاتا ہے اگر اسے حق مل جائے تب بھی وہ حق حرام ہوگا مگر یہ کہ اس کے پاس اورکوئی راستہ نہ ہو۔

اس لیے مومنین کو چاہیئے کہ شریعت محمدی اور فقہ اہل بیت کا سہارا لیں اور جب پتہ چل جائے کہ یہ چیز فلاں مومن کا حق ہے بفرمان امام صادق ؑ تو پھر اس میں کسی تھانے دار کو ملوث نہ کریں۔ اس لئے دنیا سے اتنی محبت نہ رکھیں جتنی تمھیں آل محمدؐ سے ہے۔

معاشرہ اور مجلس عزاء:

ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ اگر مجلس میں نعرے زیادہ لگیں اور شور شرابے زیادہ ہوں تو مجلس کامیاب اور خاموشی ہو تو ناکام۔ کیا آپ نے سنا کہ رسولؐ جب خطاب کرتے ہوں تو کیا نعرے لگتے تھے۔؟

علی امیرالمومنینؑ خطبے دیتے تھے تو نعرے لگتے تھے۔؟

بلکہ جب آپ خطبے دیتے تھے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر امنڈتا تھا توبہ کا جذبہ بیدار ہوتا تھا جو اثر قرآن کی آیات کا ہے وہی علیؑ کے بیان کا تھا۔

خداوند عالم نے فرمایا!

وہ لوگ جو مومن و متقی ہیں جب اللہ کے کلام کو سنتے ہیں تو ان کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

جب علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے تو اس لئے جو اثر قرآن کی آیات کا ہونا چاہیئے وہی علیؑ کے خطبات کا ہونا چاہئے مجلس کی اصل کامیابی یہ ہے کہ مجلس پڑھنے والے کے بیان کو سن کر کتنے لوگوں نے ہدایت پائی اور کتنے لوگ اپنے گناہوں کی طرف

متوجہ ہوئے۔

حقیقتِ خوفِ خدا:

خداوند عالم نے فرمایا!۔

اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ

(سورۃ یٰسین آیت ۱۱)

اے میرے پاک رسول تو ڈرا سکتا ہے تو اس کو جو میرے اس قرآن کی اتباع کرے اور خدائے رحمٰن سے اپنے پوشیدہ گناہوں کے سبب ڈرے۔

کیا ڈرا، کسی رحم کرنے والے سے جاتا ہے؟

اگر آپ کا استاد، والد اور افسر بڑا نرم دل و مہربان ہو آپ اس سے ڈریں گے یا اس سے جو بہت سخت ہو عام طور پر فطرت یہ ہے کہ ڈرا اس سے جاتا ہے جو مارنے والا ہو۔

خدایا! اگر تو نے ڈرانے کے لئے اپنا نام لینا تھا تو پھر اپنے رحمان ہونے کا تذکرہ تو نہ کر۔

اس لئے خداوندعالم اپنے سے ڈرنے کے لئے اس مفہوم کو بیان نہیں کرنا چاہتا کہ میں سزا دینے والا ہوں بلکہ میں حساب کرنے والا ہوں کیوں کہ میں محسن ہوں، میں رحم کرنے والا ہوں مجھ سے ڈرو کیونکہ اگر تم مجھ رحم کرنے والے سے نہ ڈرے اور گناہ سے خود کو نہ بچا سکے تو پھر عذاب دینے والے سے کیسے بچ سکتے ہو۔

خدا رحیم یا آل محمد:

علی امیر المومنینؑ بھی رحیم کی صفت سے متصف ہیں رسولؐ بھی رؤف کی صفت سے متصف ہیں محمد و آل محمدؑ کا ہر فرد معصوم و مقدس صفت رحم اپنے اندر رکھتا ہے کمال رحمت اپنے اندر رکھتا ہے اور اگر مقابلے میں یہ دیکھا جائے کہ خدا زیادہ رحیم ہے یا محمد و آل محمدؑ تو محمد و آل

محمدؐ نے ہمیں جو فلسفہ توحید سمجھانا چاہا ہے وہ یہ ہے کہ صفات خدا محدود نہیں ہے خدا کی رحمت اس کے غضب سے بھی زیادہ ہے وہ پہلے رحمت کرتا ہے اور بعد میں غضب کرتا ہے عذاب دینے پر اتنا مطمئن نہیں جتنا بخش دینے پر ہے وہ نہیں چاہتا کہ میں اپنی مخلوق کو جہنم میں ڈالوں وہ چاہتا ہے میں اس کو جنت بھیجوں مگر یہ مخلوق بدبخت ہے جو خدا سے خود کو اتنا دور کرتی ہے کہ جہنم کی مستحق بن جاتی ہے۔

رسولؐ اکرم نے فرمایا!

اے علیؑ! اگر تیرا کوئی دشمن نہ ہوتا تو خدا جہنم کو پیدا نہ کرتا۔

خدا سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اس ڈر میں تقویٰ ہے تقویٰ انسان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر آپ کے دل میں علّی ولّی اللہ والا نور موجود ہے تو ہمیں اپنی کامیابی کے لئے اس فارمولے کو بنیاد بنانا چاہئے تھا جو ہمیں علّی ولّی نے دیا تھا۔

امیر المومنین علیؑ اور ان کے شیعوں کی کامیابی

لسانِ وحی

ہمیں فخر ہے اور سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اس فرمان کو سن کر جس میں لسان وحی نے ، اس زبان نے جو "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ" (سورہ نجم، آیت ۳) کی سند رکھتی ہے اور کسی مسلمان کے لئے جرأت نہیں کہ محمدؐ رسول اللہ پڑھنے کے بعد کہہ سکے کہ زبان وحی سے جو کلمہ بر آمد ہوا ہے وہ وحی نہ تھا اس لئے کہ جس نے محمدؐ رسول اللہ پڑھ لیا تو پھر اس کا ایمان اس امر کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ رسول کے فرمان کو دو حصوں میں تقسیم کرے اور کہتا پھرے یہ وحی ہے اور یہ وحی نہیں ہے۔ بغیر امتیاز مکاتب کے ہر مسلمان کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ رسولؐ کی زبان سے کلام خدا صادر ہو تو وحی ہے اور الفاظ حدیث بر آمد ہوں تو بھی وحی ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن وحی ہے حدیث وحی نہیں۔

جو کچھ رسولؐ نے کیا ، جو کچھ رسولؐ نے فرمایا اور جو کچھ رسولؐ کے سامنے ہوا اور آپ نے اس پر تنقید نہیں کی اور اس پر رضا مندی کا اظہار اپنی خاموشی سے کر دیا تو اسے ماننا پڑے گا، رسولؐ کا ہر قول بھی حق ہے رسولؐ کا ہر فعل بھی حق ہے اور رسولؐ کے سامنے کی گئی ہر ایسی بات اور کام جس سے رسولؐ ناراض نہ ہوں وہ بھی حق ہے اصل میں یہ ترجمانی ہے اصول فقہ کے اس ضابطے کی جو علماء اپنی کتب میں لکھتے ہیں۔

سنت رسولؐ:

فقہ کے اہل فن اسکویوں بیان کرتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے فعل رسولؐ ایک قول رسولؐ اور ایک تقریر رسولؐ۔ یہ تینوں حدیث کا درجہ رکھتے ہیں رسولؐ کی تقریر اصطلاحی طور پر رسولؐ کے بیان کو نہیں کہتے۔ بلکہ رسولؐ کی تائید کو کہتے ہیں یعنی رسولؐ کے سامنے کوئی کام ہو اور رسولؐ اس پر اعتراض نہ کریں اس کام کو بھی حدیث کی حیثیت دی جاتی ہے جو کچھ رسولؐ کہتے،

کرتے اور تائید کرتے ہیں یہ سب کچھ وحی کی تائید ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ رسولؐ بولیں اور وحی کی تائید نہ ہو۔ رسولؐ کچھ کریں اور اس پر وحی کی سند نہ ہو کم از کم کسی مسلمان کو اس کی اجازت نہیں۔

اسی زبان وحی سے یہ الفاظ صادر ہوتے ہیں"یا علی انت و شیعتک هم الفائزون" اے علیؑ تو ہی کامیاب ہونے والی ہستی ہے اور وہ بھی کامیاب ہونگے جو تیرے شیعہ ہیں۔

شیعہ علیؑ اور کامیابی:

یعنی اے علیؑ جو تیرے شیعہ میں سے نہیں ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اب سب سے پہلا نکتہ یہ واضح ہو رہا ہے کہ لفظ شیعہ سے، کہ کس کا شیعہ۔ لفظ شیعہ اس معنی میں کہ علیؑ کا شیعہ۔ یہ لفظ شیعہ علیؑ کسی زبان پر نہیں آیا اگر آیا تو اس زبان پر جس پر وحی نازل ہوئی ہے اور جب زبان وحی نے کہا شیعہ۔ تو گویا لفظ شیعہ بھی زبان وحی ہو گیا۔ کوثر سے دھلی ہوئی زبان سے لفظ شیعہ بر آمد ہوا تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو گیا ہم قیامت تک یہ چیلنج کرتے رہیں گے کہ لوگو! تم نے بھی اپنے مذہبوں کے نام رکھے ہیں اگر کوئی ہے جو اپنا نام وحی سے نکال کر دکھائے ہم فقط یہ جانتے ہیں لفظ شیعہ خدا نے چنا۔ اپنے پاک رسول پر نازل کیا۔ اور اس رسولؐ نے علیؑ کو سامنے رکھا اور کہا اے علیؑ کامیابی تیرے قدم چومے گی اور تیرے شیعہ کے قدم چومے گی۔ آج کے ماحول میں یہ بات انتہائی قابل اطمینان ہے اور جب چاروں طرف سے اس لفظ کو گالیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ پہلے اللہ کی وحی کو گالی دے رہا ہے اور پھر ہمیں۔ اس لئے کہ ہم نے اپنا نام نہیں رکھا انتخاب کرنے والا خدا ہے اعلان کرنے والا رسولؐ خدا۔

ہمارے مذہب کے تقدس کی انتہاء ہے کہ ہم کسی کو امام نہیں مانتے مگر اس کو جس کا انتخاب خدا کرتا ہے، اعلان رسولؐ کرتا ہے اور ماننا ہمارا کام ہے۔

مولود کعبہ:

عجیب ہے یہ مناسبت کہ کعبہ کے دامن میں جب حضرت فاطمہ بنت اسد ایک پاکیزہ بچے کو جنم دیتی ہیں بالآخر تالا نہیں کھلتا اسی چابی کے ساتھ جس سے ہمیشہ کھلتا تھا پورا ماحول پریشان ہے۔ حضرت ابوطالب کی زوجہ دیوار شق ہونے کے بعد اندرون کعبہ چلی جاتی ہیں دیوار بند ہوئی سوائے دروازے کے اور کوئی راستہ نہیں۔

فرض کریں ایک عورت دیوار کے ساتھ کھڑی ہو اور وہ ہلنے لگے تو فطرت کا تقاضہ کیا ہے؟ بھاگنے لگے گی یا نہیں؟ اگر ایسا نہ کرے تو پھر بھی مذمت کی جائے گی حیران ہیں ہم اس بات پر کہ دیوار ہلتی اور شق ہوتی ہے مگر یہ خاتون ڈرنے کے بجائے آگے کی طرف جاتی ہے۔ شیر کی بیٹی ہے اور شیر خدا کی ماں ہے حضرت فاطمہ بنت اسد آپ کو خدا نے کیا شرف عنایت کیا ہے کہ آپ کے باپ کا نام بھی اسد ہے اور بیٹے کا نام بھی اسد۔

جس طرح منصوبہ بنوا کر خدا نے حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈلوایا اور اسی طرح مادر حیدرؑ کو بھی بتلا دیا ہو گا اس لئے مادرِ حیدرؑ کا خانہ کعبہ میں جانا خدائی منصوبے کے سوا کچھ نہیں اگر اس پر کسی کو یقین نہ آئے اور شک کرے کہ حضرت ابو طالبؑ کا ایمان ثابت کرو معلوم نہیں آپ کے یہاں ایمان کس بات کا نام ہوتا ہے۔

خوش قسمتی:

ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں امام بھی وہی ملا جس کو خداوند عالم نے منتخب کیا ہمارے مذہب کا نام بھی اللہ نے چنا اور رسولؐ نے اس کا اعلان کیا اگر کوئی سب وشتم کرتا ہے گالیاں نکالنے والے علیؑ ابن ابیطالب کو گالیاں دیتے رہے اور علیؑ کو مٹا نہ سکے بلکہ کس قدر عجیب ہے کہ اگر پورے ہزار مہینے تک منبر پر امام جمعہ اپنے مقتدیِ نمازیوں کے سامنے اس شخصیت کے خلاف ہرزہ سرائی کرے اور جو نمازی بچپن سے اس شخص سے تبراسنیں جس کے پیچھے وہ نماز پڑھتے ہیں تو اس کے بعد اس شخص کی حیثیت عوام الناس میں کیا ہونی چاہئے کیونکہ یہ پروپیگنڈہ

کوئی معمولی چیز نہیں ہوتا ہے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے آج کے دور میں خواتین کے سروں سے جو چادریں اتاریں جا رہی ہیں وہ اسی پروپیگنڈوں کی وجہ سے ہے۔ اگر لوگ ایک برائی کو مسلسل دس سال اچھائی کے طور پر دکھاتے رہے ہوں تو لوگ اسے اچھا سمجھتے ہیں۔

مگر حیرانی کی بات ہے ایک ہزار مہینے یعنی (۸۰) سے زائد سال تک علیؑ پر تبرا ہوتا ہے مگر بالآخر آپ نے دیکھا تھوکنے والوں کا لعاب دہن ان کے اپنے منہ پر گرا اور شمس امامت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ چمک رہا ہے۔

عظمت امیر المومنین :

ایسا نظر آتا ہے رسول اکرمؐ نے بھی پوری کوشش کی کہ میری ساری زندگی علیؑ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے گذر جائے۔ احادیث مختلف حوالوں سے بیان کرنا، کبھی گھر میں، کبھی گھر کے باہر، کبھی مسجد اور کبھی جنگ، ہر وقت رسول کی زبان علیؑ علیؑ کرتی نظر آتی ہے۔

ایک مرتبہ انسؓ ابن مالک رسولؐ اکرم کے ساتھ مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور رسولؐ کہتے ہیں اس وقت دروازے سے جو داخل ہو گا وہ امیر المومنینؑ ہو گا اور امام المتقینؑ ہوگا۔ اور انس کہتے ہیں میں سوچنے لگا فلاں آ جائے میں کسی اور کا سوچ رہا تھا اور رسولؐ کچھ اور بیان کر رہے تھے اتنے میں دیکھا علیؑ ابن ابیطالب داخل ہو رہے ہیں۔ انس کے سامنے اس فضیلت کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ علیؑ کو مانے نہ مانیں مگر ہو سکتا ہے انس کے توسط سے مان لیں۔

قتل عمار اور باغی گروہ:

اور دوسری طرف حیران کن امر کہ رسولؐ فرماتے ہیں اے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ یعنی عمار کے قاتل کا باغی گروہ سے ہونے کو سمجھانے کے لئے اور علیؑ کے مقابلے میں

آنے والی فوج کے باطل ہونے کا اعلان کرنے کے لئے۔ گویا رسولؐ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ میں علیؑ کو مثل آفتاب چمکتا ہوا لوگوں کے سامنے چھوڑ جاؤں گا لیکن جب تعصب کی پٹیاں لوگوں کی آنکھوں پر بندھ جائیں گی تو آفتاب کی چمک انھیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہ ہو سکے گی پس عمار کی شکل میں حق کا چھوٹا سا چراغ بھی جلاتا جاؤں گا کہ شاید اس کی وجہ سے حق کو سمجھ لیں۔ اور آپ تاریخ صفین کا جائزہ لیجئے ایک طرف علیؑ اور دوسری طرف امیر شام ہے تلواروں پر تلواریں چل رہی ہیں اور شام والے سمجھ نہیں رہے کہ حق پر کون ہے؟ اور سامنے علی موجود ہیں اور جب عمار یاسر مارے جاتے ہیں تو کہتے ہیں رسول نے فرمایا تھا عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا عجب ہے علیؑ کے سامنے ہونے سے تمھیں اپنا بغاوت پر ہونا سمجھ نہیں آتا جب عمار یاسر شہید ہو گئے اب سمجھ آ گئی۔ رسولؐ جانتے تھے کہ کینہ اور عداوتِ علیؑ، کچھ لوگوں کو اس حد تک پہنچا دے گا کہ وہ بدبخت، علی امیر المومنینؑ کے مقابل کھڑے ہونے سے بھی نہیں سمجھیں گے کہ ہم باطل پر ہیں۔ اور جب عمار کی شہادت کی خبر فوجِ شام میں پھیلی تو سب سوچنے لگے کہ رسولؐ نے کہا تھا کہ اسے باغی گروہ قتل کرے گا گویا کہ ہم باغیوں میں سے ہوئے اس لئے امیر شام نے لوگوں کی صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے کہا کہ ہم نے کہاں عمار کو قتل کیا ہے قتل اس نے کیا ہے جو اسے میدان میں لایا تھا۔ کبھی کبھی یہ منظر ہمیں بعض سادہ لوگوں میں نظر آتا ہے اگر حق و باطل کا معرکہ ہو اور کوئی حق پرست اس معرکہ میں شہید ہو جائے تو سادہ لوگ کہتے ہیں ان کا قائد انھیں اس مقام پر کیوں لے گیا تھا ؟۔ عجب ہے ان کا فلسفہ مارنے والے سے نفرت نہیں بلکہ لے جانے والے پر اعتراض ہے۔

اس موقع پر مولا امیر المومنینؑ نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا کہ لے جانے والا ہی مارنے والا ہوتا اور قاتل قتل کرنے والا نہیں ہوتا ہے تو پھر جواب دیجئے حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل کون ؟ اس لئے رسولؐ اکرم جہاں ہدایت کے لیے بڑے سے بڑا انتظام کرتے ہیں وہاں چھوٹے انتظام

سے بھی غافل نہیں ہوتے۔ جہاں ہدایت کے آفتاب کو روشن کرتے ہیں وہاں چراغ کو بھی روشن کرنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔

علیؑ کا سب سے پہلا شیعہ کون ؟

علیؑ تو ہیں امام و پیشوا۔ سب سے پہلا شیعہ کون؟ جس نے اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے کردار انجام دیا۔ اس لحاظ سے علیؑ کی سب سے پہلی شیعہ حضرت فاطمہ الزہراؑ ہیں جب رہبر ہو علیؑ اور کوئی دشمن رسولؐ کے مشن پر حملہ آور ہو تو علیؑ کی رہبری میں جو اسلام کی حفاظت کے فریضے کو انجام دے تو وہ معصوم ہو یا غیر معصوم دونوں علیؑ کے شیعہ ہیں۔ بعد از رسولؐ کچھ ایسے اقدامات تھے جو علیؑ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن حضرت زہراؑ نے ایک خاتون کے طور پر اسلام کے تحفظ کے لیے علیؑ کے شیعہ کا کردار انجام دیتے ہوئے ان اقدامات کا آغاز کیا اور اس موثر اقدام کے بدلے اسلام حقیقی کا پرچم بلند ہے۔ اور رہے گا۔

احساس ذمہ داری:

شیعہ علیؑ ہونا بہت بڑی عزت و عظمت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے اس سلسلے میں گھبرایئے نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور آج دشمن ہمارے خلاف اپنے منصوبوں ، مکاریوں اور سازشوں کا آغاز کرنے لگا ہے تو گھبرایئے نہیں کیونکہ کل رسولؐ کی معصومہؑ بیٹی اپنے دور میں اپنے بابا کے دین کے تحفظ کے لئے کسی بھی ظلم کا مقابلہ کرسکتی ہے اور کہہ سکتی ہے کہ مجھ پر وہ مصائب پڑے کہ اگر دنوں پر پڑتے تو سیاہ رات میں بدل جاتے۔ تو ضروری نہیں کہ ہمیں دین کے تحفظ کے فریضے میں راحت و آرام ملے بلکہ مصیبتوں، تکلیفوں، زحمتوں اور مصائب کا مقابلہ ہمیں بھی کرنا پڑے گا۔ تب جا کر رسولؐ کے دین کے فریضے میں کامیابی ہوسکتی ہے۔

حضرت سیدہ نساء العالمین نے جس عظمت کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو ادا کیا ہے اور

آپ اگر یہ اقدامات نہ کرتیں تو آج ہمارے لئے دین حق کی تصویر اس طرح نمایاں نہ ہوتی اور اسلام حقیقی محفوظ نہ ہوتا۔

حکومت عدل جہانی:

خداوند عالم نے آپ کو رزق دیا ہے یاد رکھئے اس میں کچھ حصہ حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا بھی ہے جو کہ ہمارے اموال میں موجود ہے۔

حضرت حجتؑ ابن الحسن العسکریؑ حکومت عدل جہانی کو قائم کریں گے اور پورے عالمؑ پر عدالت کی حکمرانی ہوگی اس عادل حکمران کا انتظار مہمان کی شکل میں نہ کیجئے بلکہ میزبان کی شکل میں کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور خیال کریں کہ وہ جب آئیں گے تو وہ خود ہی سب کچھ کریں گے۔

جو انتظامات حکومت عدل جہانی کے لئے کرنا ہے ہمیں اس کی زمین کو آج ہی سے ہموار کرنا ہو گا آج سے اس کے فریضہ کو انجام دینا ہے کیونکہ اچانک سے معجزہ نہیں ہو جائیگا۔اگر ہم ظلم کے عادی ہوئے، ہم بے نمازی ہوئے، بے روزہ ہوئے، ہمارے رزق میں حلال وحرام کی کوئی پرواہ نہ رہی، ہماری سوچوں پر حق و باطل کے امتیازات واضح و نمایاں نہ ہوئے اور ہم حق کو بھی مانتے گئے اور باطل کو بھی مانتے گئے حرام بھی کھاتے گئے اور حلال بھی کھاتے گئے ۔حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر اپنی زندگیوں کو غلطیوں کا عادی کرتے رہے تو عین ممکن ہے کہ جب اعلانِ ظہور امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف ہو تو شاید ہم کھسک جائیں۔

یہودی مدینہ منورہ میں آکر آباد ہوئے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آخر الزمان نبی آئے گا وہ اس کے انتظار کے لئے مدینہ میں آباد ہوئے۔ اور جب نبیؐ اکرم تشریف لائے تو سارے یہودی مخالف ہو گئے ۔ کیونکہ دنیا داری ان پر غالب آ چکی تھی اور رسولؐ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ اسی بناء پر پیغمبر گرامی قدر کو جنگ خیبر لڑنا پڑی اور اس سے قبل واقعہ بنی قینقاع اور بنی

نظیر پیش آیا۔ اور رسولؐ کے حکم سے بنی قینقاع کے تمام مردوں کو تہ تیغ کرا دیا گیا۔ اس لئے یہ باتیں معمولی نہیں ہیں ہمیں اس خطرہ کو محسوس کرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو امام منتظر المھدیؑ تشریف لائیں اور ہماری عادتیں ہمیں امامؑ کے تعاون سے گریزاں رکھیں۔ فقط انسان کا امام کی آمد پر عقیدہ رکھنا کافی نہیں ہے بلکہ مفہوم امامت کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

انتظار الفرج اور حب الدنیا:

اس انتظار کے پاؤں میں حبّ الدنیا زنجیر بنتی ہے اور یہ باتیں انسان کے جسم میں زنجیریں ڈالتی ہیں پھر ہوتا یہ ہے کہ امام بلاتے رہتے ہیں اور انسان جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔اس لئے دوستوں ہم اپنے اس عہد کو دھرائیں جو ہم زیارت وارث میں ادا کرتے ہیں۔

يَا لَيْتَنَا كُنَّا مَعَكُمْ فَنَفُوْزَ مَعَكُمْ (زیارت عاشورہ)

اے کاش ! ہم بھی کربلا میں ہوتے جس طرح آپ کامیاب ہوئے ہم بھی کامیاب ہوتے۔

شہدائے کربلا کو کامیابی ہوئی یا نہیں ؟ سر کٹا کر یا بچا کر ؟

معلوم ہوا سر کٹ جاتا ہے تو انسان پھر بھی کامیاب ہوتا ہے اور جب خواتین اس کو پڑھیں گی اور کہیں گی وہی جملہ کہ اے کاش ! ہم بھی کربلا میں ہوتیں تو کامیاب ہوتیں۔

تو خواتین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بھی سر کٹوا دیں۔ بلکہ خواتین کے لئے یہ مفہوم ہے کہ اے کربلا والی خواتین ہم بھی اسی طرح کامیاب ہو جاتیں جس طرح تم کامیاب ہوئیں۔ جس طرح تم نے اپنے جوانوں اور بھائیوں کے لاشے دیکھے اور صبر کیا، اپنے شیر خواروں کو گلوگیر دیکھا اور صبر کیا اور اس کے بعد وہ مرحلہ بھی آیا کہ آخری وارث کی کربلا سے یہ صدا آنے لگی

"ھل من ناصر ینصرنا............"

علم محمد و آل محمد اور حب علیؑ

امیر المومنین کا نور اور عدل کا قیام

حضرت آدم اور ملائکہ کا تقابل علم:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورة حدید آیت ۲۵)

بے شک ہم نے بھیجا ہے اپنے سارے رسولوں کو بینات کے ساتھ اور ہم نے ان رسولوں کے ساتھ کتاب کو بھی نازل کیا ہے اور ہم نے حق و باطل سے جدا کرنے والا میزان بھی نازل کیا ہے تا کہ لوگ عدالت کے قیام میں کامیاب ہوں۔

اس مختصر آیت میں خداوند عالم نے کتنی وسیع گفتگو کی ہے ایک رسول کا تذکرہ نہیں، کسی ایک نبی یا امام کی روانگی کا تذکرہ نہیں بلکہ ہم نے اپنے سارے رسولوں کو بھیجا۔ اور ہم نے رسولوں کو بینات سے آراستہ کیا۔

بینات کیا ھے ؟

بینات ان تمام کمالات سے تعبیر ہے جس سے اس نے اپنے تمام رسل اور انبیاء کو آراستہ فرمایا۔ حضرت آدم جو اولوالعزم انبیاء میں شمار نہیں ہوتے۔ وہ نبی ہیں مگر اولوالعزم نہیں ہیں مشہور ہے کہ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے ان میں سے تین سو تیرہ کو درجہ رسالت پر فائز کیا ان میں سے پانچ کو اولوالعزم کا مقام عطا فرمایا۔ اور جن پانچ کو اولوالعزم بنایا اور ان میں سے ایک ہستی کو سید الانبیاء و المرسلین قرار دیا۔

حضرت آدم نہ ان پانچ اولوالعزم میں ہیں اور نہ بظاہر ان تین سو تیرہ میں سے ہیں بلکہ درجہ نبوت پر فائز نبیوں میں سے ایک نبی ہیں مگر اس ایک نبی کو بھی خدا نے ایک ایسا کمال

عطا فرمایا کہ اس ایک کمال کے سامنے تمام ملائکہ سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہوئے۔

وہ علم جس میں حضرت آدم اور ملائکہ کا تقابل ہوا اور وہ ملائکہ جو پہلے بڑی اونچی بات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ (سورۃ بقرہ آیت ۳۰)

اے اللہ زمین پر تو اس کو جانشینی دینے والا ہے جو زمین میں فساد پھیلائے گا خون بہائے گا جبکہ ہم تو تیری تسبیحوں میں مصروف رہنے والی مخلوق ہیں اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ ہم تسبیح و تقدیس کرنے والوں کو خلافت کی منزل پر فائز کر نہ کہ اس آدم کو فائز کر جس کی نسل خون بہائے گی۔

لیکن خدا نے ملائکہ کی باتوں کا جواب کچھ اس طرح دیا۔

اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ (سورۃ بقرہ آیت ۳۰)

جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اور بالآخر خدا نے آدمؑ کو ملائکہ کے مقابلے میں کھڑا کر دیا اور کہا کہ مجھے ان اسماء کے بارے میں خبر دو تو ملائکہ جواب نہ دے سکے پھر حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ وہ ان اسماء کی خبر دیں اور جب انھوں نے خبر دی اور ملائکہ بے چارے ثابت ہوگئے تو اس وقت ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگے ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے اتنا ہی ہے جتنا تو نے عطا کیا ہے اس لئے جو کچھ تو نے آدمؑ کو عطا کیا ہے وہ بہتر و برتر ہے لہٰذا اس کے بعد ہم تیری درگاہ میں کسی قسم کی جسارت والی بات نہیں کرینگے۔

خداوند عالم نے فرمایا! تم سب آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے

سجدہ نہیں کیا۔

ایک کمال جو خدائے بزرگ و برتر نے حضرت آدم کو عطا کیا اس کمال کی عزت و عظمت اتنی بلند ہے کہ تمام ملائکہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اب ذرا غور کیجئے کیا مقام ہے حضرت آدمؑ کے مقابلے میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کا۔

حضرت آدمؑ نہ اولوالعزم میں اور نہ ہی تین سو تیرہ رسولوں میں تو پھر حضرت آدمؑ کو کیا نسبت ہے حضرت پیغمبر گرامیؐ قدر کے ساتھ۔

اور جب حضرت رسولؐ اکرم فرمائیں !

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا وَ مَنْ یَبْتَغِی الْعِلْمَ فَلْیَأْتِ مِنَ الْبَابِ

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہے تو وہ دروازے سے آئے۔ (حدیث رسولؐ)

وسعت مدینۃ العلم:

کوئی ہے جو مدینۃ العلم کی وسعتوں کو ناپ سکے اور کسی میں جرات، جسارت اور شہامت ۔ اگر کائنات کے سارے امتی جمع ہو جائیں اور سب امتی مل کر فقط آدمؑ کے علم کی وسعت کو سمجھنا چاہیں تو ہمیں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کائنات کے تمام امتی حضرت آدمؑ کے علم کی وسعتوں کو ناپنے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے تو پھر مدینۃ العلم کی وسعت کو کیسے ناپ سکتے ہیں اور جو مدینۃ العلم کی وسعتوں کو ناپ نہیں سکتا تو پھر وہ باب مدینۃ العلم کی وسعتوں کو بھی ناپ نہیں سکتا۔ کیونکہ مدینہ اور باب کی نسبت قلت و کثرت کی نہیں۔ کسی امر کو سمجھانے کے لئے تشبیہات ہوتی ہیں اور اس کے فہم کو ذہن کے قریب تر کرنے کے لئے۔

ہمارے یہاں کائنات میں کسی نکتے کو زیادہ روشن کرنے کے لیے تشبیہ اور استعارہ مفید ہوتا ہے رسولؐ اکرم یہاں کیا سمجھانا چاہتے ہیں کہ میں ہوں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ۔ وہ کون

سا امر ہے جو امت کے سامنے روشن کرنا چاہتے ہیں کیا یہ کہ میرے پاس بہت علم ہے اور اس میں سے علیؑ کے پاس کچھ تھوڑا سا ہے اگر رسولؐ قلت و کثرت کی مثال سمجھانا چاہتے ہیں تو پھر طرز یہ ہونا چاہئے کہ میں علم کا کوہ ہمالیہ ہوں اور علیؑ اس کا ایک ٹیلہ، میں علم کا سمندر ہوں اور علیؑ اس کا ایک حوض ہے۔

مگر رسولؐ نے اس قسم کی تمثیل نہیں دی بلکہ فرمایا میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے گویا رسولؐ اعظم یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میرے علم تک پہنچنے کا وسیلہ ہے علیؑ۔

جب مدینہ اور باب کا تناسب آپس میں آئے تو مدینہ تک پہنچنے کا وسیلہ دروازہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شہر میں پہنچنا چاہے اور وہ شہر فصیلوں میں گھرا ہوا ہو تو اس شہر میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا مگر تب داخل ہو سکتا ہے جب وہ دروازے کے راستے سے آئے اسی لئے رسولؐ نے اس حدیث کی تکمیل میں فرمایا! جس کو میرے علم کی ضرورت ہو وہ دروازے پر گدا کرے۔ اس سے کیا معلوم ہوا کہ مدینۃ العلم کے علم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کا وسیلہ علیؑ نہ ہو۔

مدینۃ العلم کو آپ جتنا بھی علم کا محور قرار دیں اور جس جس شعبہ ہائے علمی کا منبع قرار دیں اس مرکز علمی میں جتنے بھی قسم کے علوم موجود ہیں کیا یہ کہا جا سکے گا کہ کوئی علم ایسا ہے جس کا وسیلہ علیؑ نہ ہوں۔؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا جس علم کا شہر میں ہوں اگر میرا علم لینا چاہتے ہو تو میرے دروازے کے پاس آؤ۔ گویا رسول ضمانت دینا چاہتے ہیں بس اگر تم علیؑ سے پوچھو گے تو میرے علم کی کوئی ایسی بات نہیں جو علیؑ نہ بتلا سکے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علیؑ کامل وارث الانبیاء ہے علم تنہا وہ کمال نہیں جو انبیاء کو ملتا ہے علم کے علاوہ بھی کمالات ہیں جو انبیاء و مرسلین کو نصیب ہوتے ہیں جن کو لفظِ بینات نے گھیر رکھا ہے۔

حسین وارث انبیاء:

گویا ہم زیارت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے وارث ہونے کے حوالے سے یہ اقرار کرتے ہیں اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ بھی ان تمام کمالات اور علم کے وارث ہیں جس کے مالک حضرت آدمؑ اور دیگر انبیاء تھے:

السلام علیک یا وارث آدم صفوۃ اللّٰہ

السلام علیک یا وارث نوح نبی اللّٰہ

السلام علیک یا وارث ابراھیم خلیل اللّٰہ

السلام علیک یا وارث موسیٰ کلیم اللّٰہ

السلام علیک یا وارث عیسیٰ روح اللّٰہ

السلام علیک یا وارث محمدؐ حبیب اللّٰہ

السلام علیک یا وارث امیر المومنین ولی اللّٰہ

وراثت علم:

بس معلوم ہوا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ تو یہاں یہ فقط حضرت امیر المومنینؑ کی ذات تک مختص نہیں ہے بلکہ دراصل رسولؐ یہ کہنا چاہتے ہیں میں علم کا شہر ہوں اور میرا ہر وارث امامؑ اس کا وارث ہے۔ منصب امامت میں آپ کے کمالات کی وراثت ہے۔

کوئی ایسا دن نہیں گزرا جس میں رسولؐ اکرم نے علیؑ ابن ابی طالب کے کسی نہ کسی فضائل کو بیاں نہ کیا ہو گویا محسوس ہوتا ہے کہ رسولؐ کی زندگی آل محمدؐ کے فضائل بیان کرنے میں وقف ہے۔

ایک دن رسولؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک صحابی مسجد میں ایک پرندہ کا گوشت بھنا ہوا لے کر آیا اور رسولؐ کی خدمت میں حاضر کیا اس کے بعد رسولؐ نے کہا کہ اے

خدا اس کو بھیج دے جو کائنات میں تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تا کہ وہ آئے اور اس گوشت کے کھانے میں میرے ساتھ شامل ہو جائے۔ سب کی نگاہیں دروازے کی طرف تھیں بس دیکھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں علیؑ حیدر کرار کی تشریف آوری ہوئی۔ اس طرح رسولؐ نے علیؑ کی ایک فضیلت کو آشکار کیا۔ کس نے بھیجا ہے اس ہستی کو؟ اللہ بھیج رہا ہے علیؑ کو۔ گویا کچھ تعلق تو ہے علیؑ کا خدا کے ساتھ۔

بغض علی امیرالمومنین اور محبت خدا و رسول:

کائنات میں خدا کو سب سے زیادہ محبوب علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ اگر کسی بدبخت کے دل میں علیؑ کا بغض ہو، علیؑ کی دشمنی اور پھر وہ خدا اور رسول سے یاری لگائے ناممکن ہے بلکہ اتنا ہی لعنت و تبرے کا طوق اس کی گردن میں آتا جائے گا کیونکہ اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جس کے دل میں علیؑ کا بغض ہو۔ وہ خدا سے بھی محبت رکھے جس کے دل میں علیؑ کی محبت نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں رکھ سکتا۔

کائنات میں سب سے بڑا نور ہے حب علیؑ۔

رسول اکرم نے فرمایا!

لوَ کانت البحار مدادا والا شجار اقلاما والملائکته کتابا والانس والجن حسابا ما احصوا فضائل علی بن ابی طالب.

(حدیثِ رسول)

سارے سمندر سیاہی بن جائیں، سارے درخت قلم بن جائیں، سارے ملائکہ لکھنے لگ جائیں، سارے جن حساب کرنے لگ جائیں اور چاہیں کہ علیؑ کے فضائل کو شمار کریں لیکن تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی مگر وہ علیؑ کے فضائل کو شمار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

بینات و حکمت:

جب علم بینات میں سے ہے تو حکمت بھی بینات میں سے ہے کیونکہ علم بغیر حکمت کے وہ فائدہ نہیں دیتا جو حکمت کے ساتھ دیتا ہے بعض اوقات بعض علماء اہل علم تو ہوتے ہیں مگر حکیم نہیں ہوتے، ان کے پاس حکمت موجود نہیں ہوتی اور جس کے پاس علم ہو حکمت نہ ہو تو پھر وہ ایسی باتیں کہنے لگ جاتے ہیں جو کہنے کی نہیں ہوتی وہ اپنے علم کا اظہار اس انداز سے کرنے لگ جاتے ہیں جس کا اظہار مناسب نہیں ہوتا۔

فرض کیجئے آپ کے پاس ایم اے والا علم موجود ہو اور آپ پرائمری کے طالب علموں کو پڑھانا شروع کر دیں۔ اور اب ذرا سوچئے بولنے والے ہوں علیؑ حیدر کرار اور سامنے بیٹھے ہوئے ہوں وہ جن کو کہہ رہے ہوں پوچھو پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو اور وہ پوچھیں میری داڑھی کے بال کتنے ہیں۔

ان لوگوں کے سامنے امیر المومنینؑ ان نکات کو روشن کریں تو کیسے کریں؟

ان بلند مقامات فکر کو بیان کرے تو کیسے کرے؟

اس وقت آئمہ ھدیٰ علیھم السلام کے لئے گفتگو کرنا بہت مشکل تھا اور یہی وجہ ہے آئمہ معصومینؑ نچلی سطح پر آ کر باتیں کرتے تھے۔ اور جب لو خداوند عالم سے لگاتے تھے تو انداز، انداز دعا و مناجات ہوتا تھا۔

اس لئے اے مومن!

صحیفۂ کاملہ اور نہج البلاغہ سے اپنے آپ کو جدا نہ رکھو۔ اعلیٰ ترین خزانے ہمارے پاس موجود ہیں اور کیا ہم سمجھتے ہیں کہ یہ خزانہ ہمیں OXFORD سے ملے گا اور CAMBRIDGE سے ملے گا اور اگر آپ علم کا نور چاہتے ہیں، تو پھر ہمیں یہ نور امیر المومنینؑ اور آئمہ طاہرینؑ کے کلام سے ملے گا۔

هُوَالَّذِیۡ بَعَثَ فِیالۡاُ مِّیِّنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰاتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ (سورة الجمعه آیت نمبر ۲)

اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو ان ہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

اسی لئے رسول اعظم نے فرمایا:

انا دار الحکمته و علی بابها

میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

کرامات اور معجزات بھی حکمت کے دائرہ کار میں آتے ہیں کسی کی ٹھوکر سے مردے کا زندہ ہو جانا، کسی کے عصاء سے دریائے نیل کا رک جانا، کسی کا عصاء اژدھا بن جائے، کسی کا ہاتھ ید بیضاء بن جائے، آگ گلزار ہو جائے، کسی کی چھری اپنے بیٹے کی گردن پر نہ چلے، کوئی ایک مورتی بنائے اور وہ پرندہ بن جائے کوئی ہاتھ پھیرے اور شفاء ہو جائے، کوئی دیوار پر ہاتھ رکھے اور وہ سونے کی بن جائے، کوئی انگلی کا اشارہ کرے چاند دو ٹکڑے ہو جائے اور سورج پلٹ آئے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں!

خدا وند عالم کے اسمائے اعظم ۷۳ ہیں اور ان میں سے ۷۲ خدا وندعالم نے ہم محمد و آل محمد کو دیئے ہیں۔ ان اسم اعظم میں سے ایک اسم اعظم حضرت آصف ابن برخیا کو ملا تھا اور اس ایک اسم اعظم کی مدد سے تخت بلقیس (سیکڑوں ہزاروں میل دور تھا) پلک جھپکنے میں حضرت سلیمانؑ ابن داود کی خدمت میں حاضر کیا تھا۔

نظام عدل:

خداوند عالم فرماتا ہے!

تمام انبیاء، مرسلین اور اماموں کو بینات اس لئے دیا ہے تاکہ لوگ
نظام عدل کو قائم کریں۔

کیا نظام عدل کا فریضہ وہ لوگ انجام دیں گے جو کافر، مشرک، منافق اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے؟

ان سب سے عدل کے قیام کی امید نہیں ہے۔

عدل کے قیام کی توقع کس سے ہے؟

فقط وہ جو محمد وآل محمد پر ایمان رکھتے ہیں اس کے علاوہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کی معرفت کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے اور اسلام کے احیاء کے لئے دین کو کس نے خون دیا، کس نے ہاتھوں میں رسن پہنے؟، دین کو دشمن کے گزند سے محفوظ رکھنے کے لئے کون زندانوں کی زینت بنا اور کون سرِ دار گیا، کس کے جوان لاشے تڑپے اور وہ کون تھے جنھوں نے قربانیاں دیں؟

احیائے اسلام کے لیے انھوں نے قربانیاں دیں جن کے سینوں میں حب علی امیر المومنینؑ کا نور موجود تھا۔

اب عدل کے قائم کرنے کی ذمہ داری کس پر محسوس کر سکتے ہیں؟

﴿عدل وہی قائم کرسکتا ہے جو خود ظلم کا خوگر نہ ہو نہ وہ جو ظلم کرے اور
دعویٰ کرے میں عدل قائم کروں گا....؟﴾

عدل کے کردار کا آغاز ظلم کے نظام سے بچنے سے ہوتا ہے اگر ہم قیام عدل کے

لشکر کے سپاہی بننا چاہتے ہیں تو پھر اپنے کردار کو ظلم سے پاک رکھنا ہمارا فرض ہو گا ہم خود حق خدا اور لوگوں کے حق میں ظلم کریں تو پھر اس طرح عدل کا قیام ہمارے بس کا روگ نہ ہوگا۔ اگر لوگ ایسے ہی عدل قائم کر سکتے ہوتے تو پھر شب عاشورہ مولا امام حسین علیہ السلام چراغ بجھا کر یہ نہ کہتے کہ جو زندگی بچانا چاہے وہ بے شک چلا جائے۔ مولا نے آزمایا تھا کہ جس کے دل میں ظلم کا ذرّہ بھی موجود ہے تو وہ میری اس قربان گاہ کے لائق نہیں ہے اور یہی بات حضرت امام العصر والزمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے سامنے بھی ہے کہ جن کا انتظار ہم اپنے لئے عبادت سمجھتے ہیں۔

امام معصومؑ نے فرمایا!

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کا انتظار تمام عبادات سے افضل عبادت ہے۔

آپ یہ عبادت کس وقت کرتے ہیں؟

اگر ہم ہر وقت کرتے ہیں تو گویا ہم ہر وقت سب عبادتوں سے افضل عبادت کر رہے ہیں۔ مگر یاد رکھئے نماز جیسی عبادت بھی طہارت، کپڑوں کے پاک ہونے اور ان کے حلال ہوئے بغیر صحیح نہیں ہوتی تو جو نماز سے بھی افضل عبادت ہے کیا اس کی کوئی شرط ہے یا نہیں؟

ہم اپنی بہن کا حق کھا جائیں اور کہیں ہم انتظار کر رہے ہیں اور افضل عبادت کر رہے ہیں؟ اپنے ہمسائے کو روزانہ تنگ کریں، باپ کی توہین کریں، ماں کی بے عزتی کریں، رزق میں حلال و حرام کی پرواہ نہ کریں، شراب خور ہمارے دوست ہوں، حرام خوروں کے ساتھ بیٹھنا میری عادت ہو، میری آنکھیں نامحرموں کو تاڑتی ہوں اور ہم کہیں افضل عبادت میں ہیں۔

اے شیعیان علی المرتضی!

ان دھوکوں سے نکل آؤ جو ہم اہل منبر میں سے کچھ نے آپ کو دیا ہے اور ان کو حوصلہ بھی آپ لوگوں نے دیا ہے۔ ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے کہ نظام عدل کے قیام کی کتنی بڑی

ذمہ داری علیؑ ولی اللہ کے ماننے والوں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ دوسروں سے کوئی توقع نہیں وہ نیزے اور تیر برسانے والے۔ انھوں نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے جنازے کو تیروں سے نہیں بخشا۔ یہ نہ سمجھئے کہ بد عملی محبت علیؑ کے ساتھ جائز ہے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ بد کرداری کا جو از حب علیؑ سے مل جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب محبت علیؑ دل میں ہے حرام و حلال کی پرواہ کی کیا ضرورت ہے اس شخص کے دل میں حب علیؑ نہیں ہے جو حب علیؑ کو معصیت خدا کا جواز سمجھتا ہے۔ ہمارے مقدمات اور کیس ان عدالتوں میں نہیں ہونے چاہئیں جنھیں امام عادل نہیں سمجھتے اگر کوئی آپ کے ظلم میں پس کر عدالتوں کا سہارا لے تو پھر یاد رکھئے اس کا جرم بھی آپ کی گردن پر ہے۔

اگر آپ نے امام کے فرامین کے بر خلاف مقدمہ کیا ہوا ہے تو لاکھ دعا مانگیں قبول نہیں ہوگی کیونکہ حرام دعا قبول نہیں ہوتی اگر آپ مقدمہ جیت بھی جائیں تو یہ نہ سمجھیں کہ مجلس میں ہونے والی دعا کے صدقے میں مقدمہ جیت گئے، نہیں تم کسی شیطان کی مدد سے جیتے ہو تمھیں محشر میں معلوم ہوگا کہ تم نے حرام میں کس کس کی مدد حاصل کی تھی۔

آج میراثیں چیخ رہی ہیں جنازے پڑھائے جاتے ہیں مگر میراث کے مسائل کوئی نہیں پوچھتا۔ کیا سارے شیعہ میراث کے اتنے عالم ہو گئے کہ انھیں پتہ ہے کہ کس کا کتنا حق ہے اور اگر چند آدمی پوچھتے ہیں تو بعض لوگ حق چھیننے کے لئے تاکہ بہن اور بھائیوں کو نہ دیں۔

قیام عدل اور ظلم:

یاد رکھئے ظلم کی عادت جتنی بڑھتی جائے گی آپ عدل کے لشکر سے باہر ہوتے چلے جائیں گے اگر آپ چاہتے ہیں امام زمانہؑ کے لشکر میں شامل ہوں تو پھر اپنے آپ کو ہر قسم کے ظلم سے پاک رکھیں۔

نماز کا نہ پڑھنا ظلم ہے یا نہیں؟

اگر ظلم ہے تو کس کے حق میں ؟ خداوند عالم کے حق میں۔

بندے پر خدا کا حق ہے کہ وہ خدا کے گھر کا حج کرے اور نہ کرے تو ظلم ہے گویا اس نے حق خدا میں ظلم کیا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے بینک بیلنس اور گھروں کی پڑتال کریں۔ زندگی کی ضروریات اور واجبات کی ادائیگی کے بعد ایک لاکھ کی بچت موجود ہے تو پھر دیر نہ کیجئے اللہ کے اس حق کو جلد ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کا خمس ادا کریں۔ اور اگر اس قدر مال موجود ہے کہ حج واجب ہے تو جلدی سے حج کو جائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا!

جو شخص حج واجب ہو جانے کے بعد مر گیا اور حج نہ کیا تھا اب
چاہے وہ مجوسی ، نصرانی اور یہودی ہو کر مرے۔

لوگ کہتے ہیں یہ سخت حدیث ہے جبکہ یہ حدیث متفقہ ہے سوائے اس مولوی کے جسے دولت کی ہوس لگی ہوئی ہے جو تمھیں لوٹتے ہیں اور جمع کرتے ہیں مگر پھر بھی حج پر نہیں جاتے۔

امیر المومنین اور عدل:

دین کو بچانا کوئی معمولی بات نہ تھی، عدل کو برقرار رکھنا کوئی آسان بات نہ تھی اگر یہ عدل معمولی بات ہوتی تو علیؑ حیدر کرار اپنے بھائی عقیل ابن ابی طالبؑ کے سامنے لوہے کو تپا کر آگے نہ کرتے اور جب عقیل نے کہا کہ بھائی مجھے آگ سے جلاتے ہو۔ جواب میں کہا کہ اپنے آپ کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہو اور میرے لیے آخرت کی آگ کی پرواہ نہیں کرتے میں تجھے کیسے لوگوں کا حق دے دوں۔ ہم علیؑ حیدر کرار جیسے سراپا عدل کے غلام ہیں اس لئے ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیئے۔

داستانِ ابوذرؓ اور سلمان فارسیؓ کا
فکری جائزہ اور توسل کا حقیقی مقصد

سورۃ الفاتحہ:

سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی خصوصی و نرالی شان رکھنے والی سورۃ ہے اس سورۃ کے متعلق خداوندعالم نے یہ پسند فرمایا ہے کہ ہر مسلمان ہر روز اسے دس مرتبہ تلاوت کرے۔ خوش بخت ہے وہ انسان جو اپنے پروردگار کی منشاء کے مطابق روزانہ نماز میں اس سورۃ کی دس مرتبہ تلاوت کرتا ہے مگر فقط اس سورۃ میں الفاظ کا دہرانہ اور کلمات کو اپنی زبان پر ادا کرنا، اسی پر اکتفا کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ انسان ادراک کرے اور سمجھے کہ میرا مالک جس سورۃ کو دس مرتبہ دہروانا پسند فرماتا ہے اس کلام کی روح کیا ہے، حقیقت کیا ہے، اس میں کون سا جوہر موجود ہے جو اسے اس لائق بنا دیتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ اربوں انسان ہر روز اس سورۃ مبارکہ کو پڑھتے ہوئے نظر آئیں اور اللہ کے عرش پر ان آیات کی آواز مسلسل پہنچتی رہے۔

جب کبھی ہم اس نکتے پر سوچتے ہیں کہ رب العزت نے پانچ نمازوں کے اوقات کا جو سلسلہ بنایا ہے اس کو سامنے رکھئے، پھر اس کے بعد سورج کے طلوع وغروب کا جو ہر ہر علاقے کے حساب سے فرق ہے اس کو بھی مدنظر رکھئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی اس زمین پر صبح کا وقت ایک ہی وقت میں نہیں ہوتا بلکہ ایک حصہ پر صبح ہوتی ہے تو اس کے بعد کرہ ارض کے دوسرے حصے پر شام ہوتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

قبلہ رخ ہونے کی اہمیت :

رمضان میں اوقات کے حوالے سے اس کو سمجھنا بہت آسان ہے کہ جو عموماً روزے کے چارٹ شائع ہوتے ہیں۔ ہر شہر سے دوسرے شہر کا کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہوتا ہے اور یہ فرق بتلا رہا ہے کہ طلوع صبح ہر شہر میں مختلف ہے اور یہ ایک کے بعد ایک ہے۔ پوری زمینِ خدا پر طلوع، زوال اور غروب کا فرق اور جب انسان اس فرق کو سامنے رکھتا ہے مثلاً صبح کی نماز لاہور

میں پڑھی جا رہی ہے تو اس کا وقت کراچی میں نہیں ہوا اور ایک کے بعد ایک وقت آگے بڑھتا جاتا ہے اور اس طرح نماز بھی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ایران میں ابھی اذان صبح ہی نہیں ہوئی ہوتی اور ہماری نمازیں تک ختم ہوچکی ہوتی ہیں۔ جب اس فرق کو سامنے رکھئے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ گویا ہر وقت اللہ کی زمین پر نماز پنجگانہ کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پوری دنیا ایک ہی وقت میں نماز پڑھ رہی ہے کیونکہ صبح کا وقت فرق کرتا ہے تو اس لحاظ سے معلوم ہوا مثلاً جاپان میں جس وقت صبح کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت ہمارے پاس تو آدھی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح زوال وغروب کا فرق۔

نماز پنجگانہ کی تقسیم رب العزت نے کچھ اس طرح تقسیم کی ہے کہ گویا اللہ کی زمین پر ہر وقت نماز پڑھی جا رہی ہے اور ملائکہ نماز کے ورد کی آوازیں آسمان کی طرف منتقل کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے کہ

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ (سورۃ فاطر، آیت ۱۰)

عرش کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں طیب کلمات۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ نے ایک مقام بیت اللہ کے لئے منتخب کیا ہے اور اسے پوری دنیا کا بیت اللہ (قبلہ) بنادیا۔

اب نماز پڑھنے والا جہاں بھی کھڑا ہے وہ کس طرف ہے۔ مشرق، مغرب، شمال و جنوب..........؟

کیونکہ وہ ایسے نکتے پر ہے کہ جغرافیائی حوالے سے مکہ مکرمہ کے محل وقوع کو دیکھ لیں گے کہ اس قبلہ کے مشرق ومغرب میں بھی زمین ہے اور شمال وجنوب میں بھی آبادی ہے اور کوئی سمندر میں ہے اور اگر فضا میں بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔تو پس اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ہر وقت زمین پر نماز ادا کی جارہی ہے اور ہر وقت صف بستہ مومن ایک نکتے کی طرف رخ کرکے

نماز پڑھ رہے ہیں۔

مسجد میں جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو ہمارے سامنے دیواریں ہیں اور اس حوالے سے یہ صفیں یہاں بندھی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ اگر چہ دیواریں اٹھ جائیں یا کوئی ایسی نظر رکھنے والی ہستی موجود ہو کہ جس کیلئے دیواریں رکاوٹ نہ بنیں، جیسے مسجد الحرام میں چاروں طرف لوگ گھومے ہوئے ہیں، ایک نکتے کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں یہی منظر اللہ کی پوری زمین پر ہے اب ذرا لطف لیجئے کہ اللہ نے یہ عبادت ایسی بنائی ہے کہ نماز کی ساخت، احکام اور اس کے فرائض کو اس شکل میں تشکیل دیا ہے کہ ذہن چاہے کسی بھی سوچ کا ہو مگر ایک نماز، ایک قبلہ، ایک رخ، تمام مسلمانوں کو ایک نکتہ وحدت کی طرف مجتمع ہونے کا پیغام دیتا ہے۔

فلسفہ صراط مستقیم :

سورۃ الفاتحہ حقیقتاً دعا ہے، اللہ نے اس سورۃ میں ہمیں جو حاجات سکھائی ہیں یہ کبھی پوری بھی ہو رہی ہے یا نہیں ؟ اس سورۃ میں اللہ نے جو حاجت منگوانا پسند کی ہے، وہ کوئی ایسی عجیب حاجت ہے کہ وہ کبھی چھوٹنے میں آتی نہیں، اس کی ضرورت ہم سے جدا نہیں اور نہ اس کا کبھی خاتمہ ہوتا ہے۔

اور وہ حاجت کون سی ہے ؟

اے اللہ ہمیں ہدایت فرما صراط مستقیم کی۔

اگر شیعہ یہ کہے کہ میں جب مذہب اہل بیتؑ پر آ گیا ہوں جانشین رسول اکرمؐ کو امام برحق تسلیم کرلیا ہے۔ صراط مستقیم پر آ چکا ہوں اور ہدایت مجھے مل چکی ہے پھر میں یہ دعا کیوں مانگوں۔ مگر خدا فرماتا ہے ہر روز دس مرتبہ مانگو کیونکہ دس مرتبہ تو واجب ہے مگر مستحب کتنا ہے کیونکہ مستحب سمیت اکاون رکعات بنتی ہیں اور پھر کچھ نماز حاجت اور پھر نماز آیات۔ بعض علما نے لکھا کہ جب ہم ڈھونڈنے نکلے تو تین سو قسم کی نمازیں ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئے۔ ہماری سطح فکری اتنی سادہ نہیں ہونی چاہئے کہ اہل بیتؑ کی ولایت کو تسلیم کرلیا، توحید، نبوت اور امامت

کا ایمانی اظہار کرلیا تو ہمیں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟

خداوندعالم کا بار بار منگوانا بتاتا ہے کہ اتنا مطمئن نہ ہو تمھیں قدم قدم پر ہدایت کی ضرورت ہے اور قدم قدم پر پھسلنے کا خطرہ ہے کیونکہ ہمیں قدم قدم پر ہدایت کی ضرورت ہے اور مل بھی چکی ہے تو استقامت کی ضرورت ہے اور پھسل گیا تو جہنم میں جائے گا۔ کیونکہ بات کو فقط عقیدے تک محدود نہ رکھیں۔ اگر عمل میں کوئی غلطی ولغزش لاحق ہوگئی تو یہ لغزش تمام کاوشوں کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔

یزید ملعون کی فوج جو کربلا میں کھڑی تھی وہ بھی اذانیں دیتی تھی، جو امام حسین علیہ السلام کی طرف تیر برسا رہے تھے۔ انہوں نے بھی توحید سے ظاہراً انکار نہیں کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدم قدم پر لغزش کا امکان موجود ہے۔

اسی سلسلے میں معصومین علیھم السلام نے ہمیں بہترین دعائیں تعلیم فرمائیں ہیں:

اَللّٰهُمَّ لا تکلِني اِلٰى نفسِي طَرفَةَ عَينٍ اَبَداً

”اے میرے پروردگار مجھے میرے نفس کے حوالے نہ چھوڑنا،

ایک لمحے کے لئے بھی ہمیشہ۔“

کیونکہ بہت بڑا عذاب الٰہی ہے کہ خدا کسی سے اپنی مدد اور توفیق کو واپس لے لیتا ہے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اب تو جان اور تیرا کام جانے اور جب کوئی اپنے نفس کے حوالے ہوجاتا ہے اس کے بعد گمراہی ہی گمراہی ہے۔ اس کے بعد ہدایت کا کوئی تصور نہیں۔ ہر لمحے اور موڑ پر ہمیں خداوندعالم کی مدد اور توفیق کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ہمارا گذارا نہیں مگر کیا کریں ہماری تو صورتحال ہی کچھ عجیب ہے۔

غیر ذمہ دارانہ بیانات:

مجلس ومحافل عموماً اس راستے پر چل نکلی ہیں کہ ان بے چارے مومنوں کو ان کے اللہ سے جدا کیا جائے جس کی گفتگو سنیں بالاخر یہ نتیجہ دے کر جاتا ہے گویا کہ مقابلہ لگا ہوا ہے کبھی

نبیؐ کا اللہ کے ساتھ، کبھی علیؑ کا خدا کے ساتھ اور کبھی حضرت زہراؑ کا اللہ کے ساتھ اور جو سخت سے سخت مقابلہ بنا کر آتا ہے اس کو محافل میں زیادہ واہ واہ کی جاتی ہے۔ بعض ذاکرین حضرت زہراؑ کے اس کردار کو بیان کر کے اپنی ماؤں اور بیٹیوں کو یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ ہماری بیٹیاں اپنے مہر کے مسئلے پر اپنے باپ سے جھگڑا کریں کیونکہ ہماری مائیں اور بیٹیاں کبھی مہر کے مسئلے پر بولتی ہی نہیں بلکہ وہ تو چاہتی ہیں کہ ان کو شریف گھر ملنا چاہیے۔

جبکہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو تھا ہی نہیں اور اللہ کہے کہ میں علیؑ و فاطمہؑ کا عقد عرش پر کردیا ہے اے رسولؐ آپ فرش پر کردیں اور حضرت زہراؑ مہر کے مسئلے پر رسولؐ سے جھگڑا کریں۔ دین کا بیڑا غرق کرنے میں معاون نہ بنو۔ وہ ظالمین اہل بیتؑ کی اس طرح توہین کر رہے ہیں اور یہ بدبخت اہل بیتؑ کی اس طرح توہین کر رہے ہیں۔ ان مجالس امام حسینؑ کو رسم نہ بناؤ بلکہ اپنے فرض کا ادراک کرو، اپنے فرائض کو سمجھو۔

مجالس عزاء ذکر محمد و آل محمدؐ میں مصائب پڑھنا کوئی رسم نہ ہونا چاہیے۔ فضائل پڑھنا کوئی عادت نہیں ہونا چاہیے۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور اگر وہ مقصدیت سے دور ہوجائے تو فضول و بے کار ہوجاتی ہے اور جو فضول ہوجائے وہ عبادت نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمیں کچھ پتہ نہیں ہے کس موڑ پر موت آنے والی ہے۔ ان حالات کا درد ہوتا ہے بانیانِ عزاء اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ فقط مجالس کرا کے اور واہ واہ کر کے خوش نہ ہوجاؤ کیونکہ ایسے اقدام کو عبادت نہیں کہتے۔

مجھے گردن سے پکڑ لیں اگر میں دین کی توہین کروں کیونکہ توہین برداشت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر تمہارے سامنے کوئی قصہ پڑھا جائے اور کوئی پڑھنے والا اماموں کی توہین کرے تو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہوسکتا ہے۔ چہ جائیکہ ہمارے یہاں ایسا ہونے لگے۔ ہم مجبور ہیں اس فرض کو ادا کریں کیونکہ کل روز قیامت ہمیں بھی جواب دہ ہونا ہے۔

قربت خداوندی:

معاشرے کو اللہ سے کبھی توڑا نہیں جاسکتا اور قوم کو اللہ سے دور کرنے کی سازش کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ روح عبادت ہے کہ قربۃً الی اللہ۔ ہر عبادت چاہے مجلس، عزاداری، مسجد، خیرات اور ہر دینی احکام و نیکی قربت کی نیت سے ہونی چاہئے اور جہاں قربت نہ ہو وہاں نہ مسجد، مسجد ہے اور نہ امام بارگاہ، امام بارگاہ اور نہ عزاداری، عزاداری ہے، جہاں قربت ختم وہاں عبادت ختم۔

سوچیں وہ کون سا طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان اللہ کے تقرب کے راستے پر چلے؟ وہاں اللہ کے ساتھ مقابلے والی باتیں نہیں ہوتیں۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ان توہین آمیز باتوں کو برداشت کیونکر کیا جاتا ہے؟ یا رسول اللہ اگر آپ علیؑ سے شادی کر رہے ہیں تو پانچ درہم حق مہر معین کردیں، میں راضی ہوں مگر اللہ شادی کرارہا ہے، اپنے خانہ زاد کی لہٰذا مجھے یہ چاہئے اور وہ چاہئے! ہمیں سمجھ نہیں آتی یہ کیا فرق ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے!؟

ہمارا عقیدہ کیا ہے کہ علیؑ کی شادی رسولؐ اکرم کرا رہے تھے یا اللہ؟ اگر کہیں اللہ کرارہا ہے رسولؐ نہیں کرا رہے تو پھر اللہ اور رسولؐ جدا ہیں اور اگر کہیں رسولؐ کرا رہے ہیں اللہ نہیں تو اس سے بھی اللہ اور رسولؐ میں جدائی!

آج چودہ سو سال بعد ہم مومنوں کو پتا ہے مگر حضرت بتولؑ کو نہیں معلوم! ہم معاشرے کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ جب خالق و رازق کا مسئلہ آتا ہے تو چودہ خالق ہیں، چودہ رازق ہیں! معلوم نہیں کتنے خداؤں کا تعارف کروانا چاہتا ہے یہ ذاکر اور خطیب!؟

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(سورۃ بقرہ، آیت ۲۱)

لوگوں تم پر فرض ہے عبادت کرو اس رب کی جو تمہارا خالق ہے اور تم سے پہلے والوں کا بھی۔

ہم اپنے اسی رب کی عبادت کرتے ہیں جو ہمارا خالق ہے یا پھر کسی اور کی؟ اگر خالق

چودہ ہیں تو ہم عبادت کس کی کریں اور چودہ کی عبادت کریں تو پھر لا الہ الاّ اللہ کدھر جائے گا؟

نہ جانے یہ لوگ معاشرے کو کدھر لے جا رہے ہیں۔ اس طرح کی باتیں بھی ہو رہی ہیں اور ماشاء اللہ سب خوش ہو رہے ہیں اور اگر کوئی ناخوش ہے تو وہ بے چارہ ہے کہ میں کیا کروں میں تو اکیلا ہوں میں کچھ کروں گا تو میرے ساتھ کیا ہوجائے گا ؟ اگر آپ ایسا کریں گے تو وہ کافر دشمن غالب آجائے گا۔ وہ اپنی مرضیاں کرے گا اور تم کہو گے میں کیا کروں میں تو اکیلا ہوں!! بالآخر اسلام کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور ہم سب میں سے ہر ایک ''کیا کروں'' کے چکر میں پڑے رہیں گے!!

آخر کہیں تو جہاد واجب ہوتا ہے یا نہیں۔ جہاد بالسیف، جہاد باللسان، ہاتھ، زبان و تلوار سے بھی جہاد کرنا ہوتا ہے۔ اگر آپ ہاتھ و تلوار نہ بھی اٹھائیں مگر اس معاملے میں زبان استعمال کرنا تو حرام نہیں ہے؟!

اس لئے تشیع کو بدنام کرنے کی ہر سازش کا مقابلہ ہم پر واجب ہے کچھ لوگ ہیں جو علیؑ اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے بارے میں نرمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

یاد رکھئے اے دوست ! اِدھر سے وہ غلط کہے گا اُدھر سے وہ غلط کہے گا اور آہستہ آہستہ ہماری بساط حق کو لپیٹ دیا جائے گا۔ جبکہ حضرت امیر المومنینؑ نے ساری زندگی توحید کی سربلندی کے لئے وقف کی ہے۔ تلوار اگر میان سے نکال کر چلائی ہے تو خدا کے لئے اور اگر تلوار میان میں رکھ کر صبر کی ڈھال سے مقابلہ کیا ہے تو اللہ کے لئے۔

کیا آپ نے علیؑ کی یہ تعریف سنی ہے یا نہیں؟

جنگ خندق اور امیر المومنین :

جنگ خندق میں عمر ابن عبدود نے اپنے لعاب دہن کو حضرت امیر المومنینؑ کے اوپر پھینکا اور یہ بات حق ہے یا نہیں کہ علی امیر المومنینؑ اس کے سینے سے کود کر دور چلے گئے اور جب پوچھا گیا کہ یا علیؑ آپ نے جلدی سے تلوار کیوں نہ چلائی، کیوں سینے سے کود کر دور چلے گئے۔

تو علیؑ نے کیا جواب دیا............؟

جب اس نے میری توہین کی اور لعاب دہن پھینکا تو میرے غصے میں اضافہ ہوا۔ یہ میری ذاتی توہین کا غصہ تھا۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ میری تلوار جو خالصتاً اللہ کے لئے چل رہی تھی اور میرا غصہ خاص خدا کے لیے تھا اس میں میرے ذاتی غصے کی آلائش شامل حال نہ ہوجائے۔ حضرت علیؑ المرتضی نے اس اقدام اور اس باریک ترین فرق کو اپنے ماننے والوں کے سامنے روشن کیا،

کیا درس دینے کے لئے............؟

اگر علیؑ کود کر نہیں جاتے تو علیؑ اپنے اوپر اتنا بھی کنٹرول کر سکتے تھے کہ اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے اسے قتل نہ کرتے، بلکہ اس کو اللہ کی عداوت کی وجہ سے قتل کرتے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ مولا امیر المومنینؑ سینے سے اتر کر دور جا کر کھڑے ہوں تب وہ اپنے اور اللہ والے غصے میں فرق کر سکیں، نہ علیؑ حیدر کرار پھر بھی قادر ہے اللہ والے غصے کو اپنے مقام پر محفوظ کر سکیں اور اقدام فقط للّٰہیت کے لئے کرے مگر علیؑ ایسا کر بھی دیتے تو دنیا کے سامنے واضح نہ ہوتا۔ نہ کوئی سوال کرتا اور نہ علیؑ کو جواب دینے کا موقع ملتا اور نہ یہ باریک ترین فرق دنیا کے سامنے روشن ہوتا۔ بس علیؑ کود کر دور جا کھڑے ہوئے تا کہ میں کائنات کو سمجھا سکوں کہ نفسانی غصہ اور ہوتا ہے اور الٰہی غصہ اور ہوتا ہے جو اپنی ذوالفقار کو چلانے میں بھی للّٰہیت کے فرق کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔

﴿ ذرا بتایئے علیؑ کا شیعہ اس قسم کی باتوں کو کیوں برداشت کرے جبکہ اس سے علی امیر المومنین کے کردار، نظریات اور تعلیمات پر ضرف لگ رہی ہوں؟ ﴾

کوئی نہیں ہے جو توحید کے ان باریک پہلوؤں کو اجاگر کر سکے سوائے سید الموحدین علی حیدر کرار، نبی اکرمؐ اور ان کی اولاد طاہرین علیھم السلام کے۔

معرفت ولایت، وسیلہ برائے معرفت توحید:

اے شیعیان علیؑ امیر المومنین!

تمہارا تو طرہ امتیاز ہی معرفت توحید ہے، معرف ولایت وسیلہ ہے معرفت توحید کا۔ معرفت نبوت وسیلہ ہے معرفت توحید کا۔ پڑھیے، قرآن مجید میں خداوند عالم کہتا ہے: ڈھونڈو اللہ تک پہنچنے کے لیے وسیلہ (القرآن)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ

(سورۃ مائدہ، آیت ۳۵)

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچے کا وسیلہ تلاش کرو۔ کس کی طرف جانے کے لیے وسیلہ؟ اللہ تعالیٰ کی طرف۔

معلوم ہوا میرے یہاں تقرب، مقام اور بلندی چاہتے ہو، عبودیت کی بلندی چاہتے ہو اور اعلی علیین کا سفر کرنا چاہتے ہو تو اب خود بخود نہ پہنچ سکو گے میرے ہاں بلندی اور تقرب تک پہنچنا چاہتے ہو تو وسیلے کو اختیار کرو۔

معصوم کہتے ہیں: وہ وسیلہ ہم ہیں۔

حقیقت وسیلہ:

دراصل اللہ نے ان معصوم ہستیوں کو وسیلہ بنایا ہے، وسیلہ بنانے کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

فقط روزی، صحت، تندرستی یا دنیاوی امور میں وسیلہ؟ یا روحانی ترقی میں بھی وسیلہ۔ اصل میں وسیلہ، معنویت، تقرب، روحانیت، عبودیت اور بلندی میں۔ انسان کا پستی سے بلندی کی طرف سفر کرنا۔ حضرت سلمانؓ کی طرف دیکھیے۔ ان کا فارس کے آتش کدے سے نکلنا اور منّا اہل البیتؑ تک پہنچ جانا۔ سلمانؓ ایک عام مجوسی کے گھر پیدا ہونے والا بچہ تھا اور وہ جو کچھ بننا چاہتا تھا رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور وہ سکھاتے گئے اور سلمانؓ

فارسی عمل کرتے گئے۔

سلمانِ فارسیؓ نے وسیلہ پکڑا ہے یا نہیں؟

انہوں نے۔کتنے مربعے لئے ؟ کتنے سونے کے انبار جمع کئے ؟ کتنے اصطبل گھوڑوں سے بھر دیئے ؟ کیا آل محمدؐ ان امور میں وسیلہ نہیں ہیں ؟ یقیناً وہ وسیلہ ہیں اللہ کی بارگاہ میں۔ رزق میں اضافہ، صحت کا حصول، اولاد کا حصول، مشکلات کی حلاّلی، کیا یہ ہستیاں ان امور میں مشکل کشا نہیں ہیں ؟ مستجاب الدعوات نہیں ہیں ؟ یقیناً ہیں، کیا اللہ ان کے صدقے میں ہمیں یہ چیزیں نہیں دیتا ہے ؟ ایمان ہے کہ وہ یہ چیزیں دلوا سکتے ہیں۔

مگر حضرت سلمان فارسیؓ آپ نے یہ چیزیں کیوں نہ لیں ؟

سلمان فارسیؓ کہتے ہیں : میں نے اس سے اونچی چیز لے لی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں : میں نے اس در پر آ کر قلب خاشع حاصل کرلیا ہے۔ ایمان خالص اور علم نافع حاصل کرلیا ہے۔ اب مجھے دنیا کے انباروں کی کیا ضرورت ہے۔

ابوذر مہمان اور سلمان فارسی میزبان:

روایات میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کے یہاں ایک مرتبہ حضرت ابوذرغفاری مہمان ہوئے۔سلمان فارسی نے پانی میں سوکھی ہوئی روٹی کو بھگو دیا اور اسے نرم کیا اور اس کے بعد یہ کھانا ابوذر کے سامنے رکھ دیا۔ اسے دیکھ کر ابوذر کہتے ہیں کہ اگر تھوڑا سا نمک ہوتا تو اس چیز کا کھانا بہتر ہوجاتا مگر حضرت سلمان فارسی کے گھر میں نمک نہیں تھا۔

یاد رکھو اے علیؑ والو ! یہ دو وہ ہستیاں ہیں جو علیؑ کے دروازے پر بلند مقام رکھتی ہیں۔ حضرت سلمان فارسی نے یہ سن کر اپنا ایک برتن اٹھایا کسی کے یہاں گئے۔ اس برتن کو رہن رکھا اس کے بدلے نمک حاصل کیا۔نمک حضرت ابوذر تک پہنچایا۔ انہوں نے نمک اس بھگوئی ہوئی روٹی کے ساتھ کھایا۔

فارغ ہونے کے بعد کہتے ہیں : اے اللہ تیرا شکر ہے۔

جب ابوذر شکر ادا کر چکے تو سلمان فارسی بولے : اے ابوذر شکر تو اس وقت بھی ہوسکتا تھا جب نمک نہ ہوتا۔

اب کیا فائدہ ہوا کہ تو نے اپنے میزبان کا برتن گروی رکھوایا۔

محبت آل محمد کے اثرات:

یہ دروازۂ اہل بیتؑ کے اونچے درجے کے شاگردوں کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم مقام عمل میں اس منزل کو چھونے پر قادر نہیں ہو رہے کچھ سمجھنا، یقین حاصل کرنا اور عقیدے تک ان چیزوں کو لے جانا یہ ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ بالآخر حضرت سلمان فارسی کا الگ مقام ہے اور حضرت ابوذر غفاری کا الگ مقام۔

اے میرے دوست!

اب بتا ! خاندان تطہیر جنہیں اللہ نے ہمارا وسیلہ قرار دیا ہے، اس وسیلے کا مقصد فقط دنیاوی متاع، مال و زر میں ان ہستیوں کو وسیلہ بنانا ہے یا پھر عبودیت سے نکل کر درجہ ولایت تک پہنچنے کے لیے ان ہستیوں کو وسیلہ بنایا ہے۔ توسل کے مفہوم کو دنیا تک محدود کر دیا گیا ہے۔ یہ دنیاوی نعمات اتنی بلند چیز نہیں ہے، بہت پست ہیں۔ اس مقام سے جو اللہ نے اس وسیلے کو عطا فرمایا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ وہ دنیاوی امور میں بھی وسیلہ ہیں۔

لیکن وہ سلیقے سیکھیں کہ ہم دنیا کے خول میں گرفتار نہ رہیں بلکہ دنیا پیچھے رہ جائے اور ہم آگے نکل جائیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر ابوذرؓ وسلمانؓ تھے۔ اگر کبھی مولا امیرالمومنینؑ ، رُشید ہجریؓ ، حجر ابن عدیؓ ، میثم تمارؓ ، عمار یاسرؓ ، مالک اشترؓ اور قنبرؓ کو بتائیں کہ تمہیں فلاں مقام پر شہادت ملے گی تو وہ اگر ہمارے جیسا مومن ہو تو مولا کے پاؤں پکڑ لے کہ مجھے اس قسم کی مصیبت سے بچالیں۔

اب آپ بتایئے کہ شہادت سے بچنے کے لئے امام معصوم سے سفارش اس شخص کے درجے میں اضافے کی نشانی ہے یا تنزلی کی دلیل ؟

ہم نے کیا سمجھا ہے، مکتب اہل بیتؑ کے پروردہ کیا منظر پیش کر رہے ہیں؟

جب علی امیر المومنینؑ کسی شخص کو یہ خبر دیتے ہیں کہ تیرا آخری وقت اس انداز میں آنے والا ہے کہ تجھے اس درخت پر سولی دی جائے گی تو وہ کیا کرتا ہے؟ فوراً مشک میں پانی بھرتا ہے اور اس کھجور کے درخت کو سیراب کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں ایک عرصے بعد تمہارا ہمسایہ بننے والا ہوں۔

یہ انداز جو شاگردانِ مکتبِ حیدرکرار اختیار کر رہے ہیں
یہ علیؑ مولا کی تربیت کا اثر ہے یا نہیں؟

اگر مولا علیؑ امیر المومنین نے انہیں یہ تربیت دی ہوتی کہ جب بھی تمہارے لئے کوئی مقدر میں لکھی مشکل بیان کی جائے تو تمھیں میرے پاس آنا چاہیئے مولا آپ کی دعاؤں سے تو تقدیر بدل جاتی ہے۔ آپ دعا کیجئے ہمیں شہادت نہ ملے۔ ہمیں تڑپتی ہوئی اور سولی والی لاش نہ ملے۔ ہمارا آرام سے جنازہ اٹھ جائے اور کوئی کفن دینے والا ہو۔

کیا ہماری خواہشیں یہی ہیں یا نہیں؟

بلکہ وہ تو فرحت و شادمانی میں ہیں کہ ہمارے مقدر میں شہادت ہے۔ اے خدا! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے راستے میں قتل ہونے کی سعادت عطا فرما۔ یہ مکتب اہل بیتؑ کی تربیت ہے جو مکتب اہل بیتؑ کے پروردہ شاگرد ہیں۔ ان کی سیرت ہمارے سامنے واضح ہے ہم جب اس منزل پر پہنچتے ہیں کہ گورنر کوفہ گفتار علیؑ امیرالمومنین کی تکذیب کے لئے کہتا ہے کہ تیرے ہاتھ پاؤں تو کاٹ رہا ہوں لیکن تیری زبان کو نہیں کاٹ رہا ہوں تا کہ ان کی تکذیب ہو جائے تو وہ منبر دار پر علیؑ کے فضائل پڑھتا ہے خواہ ظالم میری زبان کو لگام دے یا کاٹ دے۔

﴿''زبان لگام دلوانے کیلئے سولی کے منبر پر چڑھ کر علی امیر المومنین کے فضائل پڑھنا اور ہے اور جیب گرم کرنے کے لیے پڑھنا اور ہے۔''﴾

فضائل خوانی:

آج سب سے زیادہ فضائل خواں وہ نظر آتا ہے جو سب سے زیادہ فیس لیتا ہے اور اس زمانے میں علیؑ حیدر کرار کا فضائل خواں وہ ہوتا تھا جو گردن کٹوانے کے لئے علیؑ ابن ابیطالب کے فضائل پڑھتا تھا اور جب اس قسم کا ماحول تربیت ملے گا، اس قسم کے پڑھنے والے ہوں گے۔ اس قسم کی مجالس ہوں گی تو معاشرہ اسی قسم کا تشکیل پائے گا کہ اگر کوئی شہید ہوگا تو وہاں کوئی شہادت پر فخر نہیں کرے گا بلکہ یہ کہے گا کہ فلاں نے اس کا بدلہ کیوں نہ لیا؟ اس کا جنازہ کیوں اٹھا؟ وہ کیا کر رہا ہے؟ یہ کیوں ہو رہا ہے؟

یعنی شہادت کو مصیبت سمجھنے والا معاشرہ، شہادت سے نفرت کرنے والا معاشرہ اور شہادت سے دل تنگ ہونے والا معاشرہ۔

تربیتِ کربلا:

یہ کربلا کے مکتب کی تربیت نہیں ہے بلکہ کربلا کے مکتب کی تربیت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو کہنا نہیں پڑتا بلکہ اصحاب خود کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے۔ امام حسین علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں بیعت کی رسی کو تمھاری گردن سے اتار رہا ہوں۔ چراغ گل کر رہا ہوں۔ جس کا جی چاہے جان بچانے کے لئے چلا جائے۔ اتنے میں ایک صحابی اٹھ کر کہتا ہے کہ یہ ایک زندگی ہے ستر مرتبہ ملے یا ایک ہزار مرتبہ زندگی ملے قربان تو ہوسکتے ہیں مگر اے رسولؐ کے لعل تجھے چھوڑ نہیں سکتے۔

معاشرے کی تربیت کی ذمہ داری علماء، ذاکرین اور بیان کرنے والوں کے ذمہ تھی مگر انہوں نے اس ذمہ داری کو نبھایا نہیں۔ اب ہم اس معاشرے سے کس طرح کی توقع کرسکتے ہیں، جس کے تربیت دینے والے بزدل ہوں، وہ بھاگتے ہوئے نظر آئیں، جو افراد درگاہِ امام حسینؑ میں جان دینے کو سعادت نہ سمجھتے ہوں۔ ان کو ماننے والوں سے کیا شکوہ ہوگا۔ ہمیں بہت

قسم کے صدمے سہنا ہیں، مختلف قسم کے جملے سننا ہیں ہم کیا کریں ایسے معاشرے میں جن کی تربیت دینے والے ایسے ہیں! جیسے تربیت دینے والا نالائق شاگردوں میں پھنس جائے تو شکوہ کس بات کا؟ برسائیں! جو تیر برسانا چاہتے ہیں ہمیں کسی کی بات کا شکوہ نہیں۔

انقلاب اسلامی اور نعمت خداوندی:

ایرانی عوام اگر اس طرح کی شکایت کرتی تو انہیں امام خمینی رضوان اللہ علیہ جیسی بابرکت شخصیت نصیب نہ ہوتی۔ ایرانی عوام شہادتوں سے تنگ آجاتے تو ایران کو اسلامی انقلاب نصیب نہ ہوتا۔ اتنی شہادتیں یہاں نہیں ہوئی جتنی وہاں ہوئی ہیں۔ اتنے بچے یہاں نہیں تڑپے جتنے وہاں تڑپے، اتنی عورتیں نہیں ماری گئیں جتنی وہاں ماری گئیں، لیکن انہوں نے شہادت کو سینے سے لگایا اور جب آزمائش میں پورے اترے تو اللہ نے فرمایا اب جب تم آزمائش میں پورے اترے ہو تو میں تمہیں اسلامی عدل جیسے تحفہ والی نعمت عطا کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علیؑ حیدرکرار جب کبھی جنگ میں جاتے تھے فاتح ہوکر واپس آتے تھے تو رسول کی خدمت میں عرض کرتے ہیں میں جاتا ہوں دل میں تمنا لے کر شہید ہوجاؤں لیکن شہادت مجھے نہیں ملتی یا رسول اللہؐ شہادت میرا مقدر نہیں ہے؟

رسول اکرمؐ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: اے میرے بھائی شہادت یقیناً تیرا مقدر ہے۔ تیرے سر کے خون سے تیری ریش کا خضاب ہوجائے گا۔ اس وقت علیؑ نے کہا: یا رسول اللہؐ میں اس موقع پر دین پر سلامتی کی حالت میں ہوں گا۔ فرمایا: اے علیؑ تجھے اس سلامتی پر کیا شک ہے؟

حقیقت تَشَیُّع اور وقت کے تقاضے

تَشَیُّع ، لفظی ادائیگی:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۹)

بے شک اللہ کے یہاں دین فقط اسلام ہے۔

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (سورۃ آلِ عمران، آیت ۸۵)

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی غیر اسلام کو دین کی حیثیت سے اپنائے گا ہرگز اس کی اس چاہت و انتخاب کو درگاہ خداوندی میں قبولیت نہ مل سکے گی اور یہ شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

لفظ تَشَیُّع کی طرف توجہ دلانے کے لئے سب سے پہلے مناسب ہے کہ اس لفظ کے صحیح تلفظ کی طرف توجہ دلائی جائے کہ ہمارے عام ماحول میں اور خاصے پڑھے لکھے ماحول میں بھی اس لفظ کو اس انداز سے ادا نہیں کیا جاتا جیسا کہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ اگر عوام اس لفظ کو تَشَیُّع کے تلفظ سے ادا کرتے ہیں اور بظاہر وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اس کا صحیح تلفظ ادا کر رہے ہیں کیونکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور یہ ہماری اردو زبان میں درآمد ہوا ہے اس لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم عربی تلفظ کو چھوڑ دیں اور اپنے اردو تلفظ کو اپنائیں جس کا نتیجہ لفظ کی ساخت کے بھی بگڑنے کی شکل میں ہوگا اور اس کے معنی پر بھی اثر انداز ہونے کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے تمام برادران و بزرگان سے یہ درخواست کروں گا کہ اس لفظ کا جو اصل تلفظ و لہجہ ہے اس کو ذہن میں راسخ کریں اور وہ ہے تَشَیُّع یعنی آپ نے ''یاء'' کے اوپر تشدید بھی پڑھنا ہے اور پیش بھی پڑھنا ہے۔ ''ش'' کے اوپر زبر پڑھنا ہے بجائے شین کو زیر دینے کے زبر دینا ہے۔ ''یاء'' کو ساکن رکھنے کی بجائے تشدید لگانا ہے پیش کے ساتھ اور اس طرح یہ اپنی صحیح عربی کیفیت میں

آ جاتا ہے اور اس سے آگے اس لفظ کے جو دیگر مشتقات ہیں اس کو بھی ادا کرنے کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔

تَشَيُّع کا مادہ یعنی اس کے اصلی الفاظ ش، یاء اور ع ہیں اس کے ساتھ حرف تاء کا اضافہ عربی قاعدے کے مطابق ہوتا ہے اور جو لوگ عربی دان ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عربی میں ایک بنیادی مصدر ہوتا ہے، وہاں سے پھر کئی قسم کے الفاظ مشتق ہوتے رہتے ہیں، لیکن مصدر کا جو بنیادی معنی ہوتا ہے وہ مشتق الفاظ میں ملحوظ خاطر رہتا ہے اور اس معنی کو ہی مختلف انداز سے اور اضافہ جات کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔

لفظ شیعہ کی اہانت اور حرمت:

اسی لفظ تَشَيُّع سے لفظ شیعہ بھی ادا ہوتا ہے اور جو ہمارے ہاں مشہور ہے لفظ ''شیعہ'' جو کہ الحمد اللہ ہمارے مذہب کے نام کے طور پر متعارف ہے اور ہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ یہ جو ہمارے مذہب کا نام ہے وہ ایسا نام ہے کہ ہم میں سے از خود کسی نے منتخب نہیں کیا اور نہ ہی یہ نام کسی اسمبلی میں یا کسی اجتماع نے مل بیٹھ کر سوچا ہے اور نہ منتخب کیا بلکہ یہ وہ نام ہے جو سب سے پہلے قرآن مجید نے استعمال کیا اور اس کے بعد حضرت رسالت مآبؐ نے بھی اسے زبانِ وحی پر استعمال فرمایا ہے اور اس طرح یہ لفظ شیعہ قرآن کا لفظ بھی بن گیا اور رسول اکرمؐ کی زبان پر آنے کے طفیل حدیث کا لفظ بھی بن گیا۔ قرآن بھی وحی اور حدیث بھی وحی ہے۔ اس لئے یہ لفظ، لفظ وحی قرار پایا اور جب یہ وحی قرار پایا تو اب ملت اسلامیہ کو آگاہ ہونا چاہئے کہ اس لفظ کی توہین، زبان درازی، سب وشتم، نفرت اور اہانت کرنا یہ کوئی معمولی اقدام قرار نہ پائے گا بلکہ یہ قرآن اور حدیث کی اہانت کے مترادف ہو گا اس لئے جو لوگ اپنے مخصوص عزائم کو پورا کرنے کے لئے اس لفظ کے خلاف زبان درازیاں اور اہانت آمیز سلوک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو آگاہ رہنا چاہئے کہ تمہاری یہ کوشش و سازش نہ ماضی میں کبھی کامیاب ہوئی ہے اور نہ

حال میں کامیاب ہوئی ہے اور نہ انشاء اللہ مستقبل میں کبھی کامیاب ہو سکے گی۔

تشیع قرآن کی نظر میں:

یہ لفظ اپنے تقدس اور عظمت کے اعتبار سے محفوظ ہے اور اپنے معنی کی بلندی و حقیقت کے اعتبار سے بھی محفوظ ہے نہ ماضی میں اس کے اس لفظ و معنی کو نقصان پہنچایا جاسکا ہے اور نہ آج۔ ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے التجا کرتے ہیں کہ اس مذہب اور اس کے نام کو قیامت تک عظمت عطا فرمائے اور ایسی تمام کامیابیاں عطا فرمائے جو پاک رسولؐ نے اپنی حدیث میں متعین فرمائی ہیں اور ان کی نوید دی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف کرواتے ہوئے آیا ہے اور خالق کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِہٖ لَاِبۡرٰھِیۡمَ (سورۃ الصافات آیت ۸۳)

اور یقیناً نوحؑ ہی کے پیروکاروں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام کا شیعہ قرار دیا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کے شیعہ میں سے تھے، تنہا ابراہیم، نوح کے شیعہ نہیں بلکہ حضرت ابراہیم کے ساتھ بہت بڑی جماعت بھی ہے جو حضرت نوح کے شیعہ میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے مسلک، مکتب، عقیدے، نظریئے، اخلاق اور ملت پر جو کوئی ہوگا وہ گویا مِنۡ شِیۡعَتِہٖ کا مصداق قرار پائے گا اور اس کو وہ عظمت مل جائے گی جو حضرت ابراہیم کو ملنا چاہیئے۔ اس لئے یہ لفظیں یوں گرانے کی نہیں ہے۔

تشیع و تابعداری:

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شیعہ کسی کا شیعہ ہوتا ہے۔ شیعہ از خود کچھ نہیں ہوتا۔ شیعہ کسی کا شیعہ ہوتا ہے کیونکہ لفظ شیعہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اور اس کا کوئی مضاف الیہ اس کے لئے متعین ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔ اب جس کا شیعہ ہوگا جتنا وہ عظمت والا ہوگا اتنا یہ شیعہ بھی اس سے کسب عظمت کرنے میں کامیاب ہوجائے گا جتنا وہ عزت والا ہوگا اتنا

اس سے کسب عزت کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اُتنی ہی اس میں بھی رفعت و بلندی ہوگی چونکہ یہ اس کا شیعہ ہے اس لئے یہ کسب فیض کرتا چلا جائے گا، اس کی عظمتیں اس کا مقدر بنتی چلی جائیں گی، اس لئے کہ لفظ شیعہ میں جو معنوی حسن موجود ہے وہ پیروی اور تابعداری کے حوالے سے ہے۔

تشیع تابعداری اور پیروکاری کو کہا جاتا ہے اور شیعہ اس کو کہتے ہیں جو تابعدار اور پیروکار ہو جو نظریئے میں اس کا تابعدار ہو جس کا یہ شیعہ ہے۔ عمل و کردار میں بھی اس کے پیچھے چلتا ہو جس کا شیعہ ہے۔ لہٰذا یہ لفظ تشیع دراصل ترجمان ہے اس کے عقائد و نظریات کا اور اس کے کردار و عمل کا جس کی طرف اس کو منسوب کیا گیا ہے۔ قرآن مجید گویا ہمیں اس امر کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ حضرت نوح کے جو عقائد و نظریات تھے وہی حضرت ابراہیم کے تھے گویا قرآن یہ بتلانا چاہ رہا ہے کہ میرے نبیوں کے درمیان عقائد میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔

توحیدِ برحق:

خداوندعالم کے وحدہ لاشریک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جتنے انبیاء و رسل آئے ہیں سب نے یہی کہا ہے کہ ہم کو اس وحدہ لاشریک نے بھیجا ہے۔ اگر کوئی اور اللہ ہوتا تو وہ بھی تو اپنی پہچان کرانے کے لیے نمائندے و سفیر بھیجتا اور پہچان کرواتا کہ میں بھی ہوں اور ایک قطار اس اللہ کی لگی ہوئی ہوتی تو دوسری اس اللہ کی لگی ہوئی ہوتی۔ اس لئے انبیاء و رسل میں کسی قسم کا فرق نہ ہونا اور سب کا ایک اللہ کی پیغمبری کرنے کے لئے آنا بھی بہت بڑی دلیل ہے اس امر کی کہ اس کائنات کا مرکز و خالق ایک ہے کوئی دوسرا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

دین اسلام:

اس لئے جو نظام، دین، مکتب، مذہب سب کا ایک ہے حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم ان سب کا مرکز و مکتب ایک ہے۔ اس لئے جب خدا فرماتا ہے کہ بے شک اللہ کے یہاں دین فقط اسلام ہے تو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ

اسلام فقط رسول اکرمؐ کے زمانے میں پسند ہوا ہے اور اس سے پہلے اللہ کوئی اور دین بھیجتا رہا تھا اور ان کی ملت کے لئے کوئی اور دین بھیجا ہے۔ دین، دین اسلام ہے ہمیشہ سے یہی دین اللہ کو پسند رہا ہے اس نے پیغمبروں کو نمائندہ بنایا ہے اسی کی وہ یہاں آ کر ترجمانی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ شریعت میں کوئی تفاوت ممکن ہے یا نہیں؟ یہ سوال اپنے مقام پر قابل قبول ہے کیونکہ اللہ جو شریعت نازل کرتا رہا ہے وہ ہر دور کے اپنے تقاضوں کے مطابق رہی ہے اس کے علاوہ نسل انسانی اپنی فکری سطح کے حوالے سے ہمیشہ ایک معیار کی نہیں رہی ہے۔

امت کی سطح فکری اور حصولِ دین:

حضرت آدمؑ کے دور میں جو سطح فکری تھی ضروری نہیں ہے کہ وہ حضرت نوحؑ کے دور میں بھی وہیں پر رہے۔ اس لئے کہ ہر دور میں سطح فکری بڑھتی چلی آئی ہے اور اب ہم اپنے دور کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ہم سے دو تین صدی قبل جو سطح فکری انسانوں کی تھی آج وہ نہیں ہے، کل آنے والوں کی سطح کچھ اور ہوجائے گی، اس لئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق خالق شریعت کے احکام میں تفاوت مدنظر رکھتا رہا ہے اور وہ شریعتوں کو تبدیل فرماتا رہا ہے تنسیخ بھی کرتا رہا ہے، لیکن جو بنیادی فارمولے ہیں، جن اساسی فارمولوں پر شریعت قائم ہے وہ کبھی تبدیل نہیں ہوئے، مثلاً ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ ایک زمانے میں ظلم جائز ہوجائے اور کبھی ناجائز ہوجائے، کسی زمانے میں عدل جائز ہوجائے اور کسی زمانے میں ممنوع ہوجائے۔ ہمیشہ عدل بہترین ہے اور مطلوب، ظلم ہمیشہ ممنوع ہے اور ہمیشہ سے اللہ کو ناپسندیدہ رہا ہے۔

البتہ یہ الگ بات ہے کہ اس کے تقاضوں میں فرق کردیا جائے یہی وجہ ہے کہ شریعتوں میں تفاوت آتا رہا۔ ایک نکتہ یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ حضرت رسالت مآبؐ پر اللہ نے نبوت کو ختم کردیا۔ اس میں یہ نکتہ مدنظر رکھا کہ اللہ دین و شریعت کو بھی آخری بھیج رہا تھا اب اس نے اس شریعت میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی اجازت نہیں دی، کیا رسولؐ کے زمانے سے لے

کر قیامت تک لوگوں کی فکری سطحوں میں فرق نہیں آئے گا؟ یہاں خالق کی بلند حکمت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ قیامت تک آنے والی تمام تبدیلیوں کو جانتے ہوئے قادر ہے اس بات پر کہ ایک ایسی شریعت بنادے جو ان تمام تبدیلیوں کے باوجود لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لائق ہو۔ اس لئے اس نے اس وقت تک اس آیت:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُم
نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۃ المائدہ آیت ۳)

کا اعلان نہیں فرمایا جب تک کہ ان بنیادوں کو دین میں ملحوظ خاطر نہ رکھ دیا جس کے بعد تبدیلی کی ضرورت ہی نہ ہو۔ اگر تبدیلی کی ضرورت ہوتی تو نبوت کی ضرورت ختم نہ ہوتی، باب رسالت و نبوت بند نہ ہوتا۔ اس میں بنیادی حکمت یہی ہے کہ اب اللہ ایسی شریعت نازل کرچکا ہے جس کے بعد نئی شریعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اس شریعت کی توضیح، تفسیر، نفاذ، اس شریعت کو آگے پہنچانا، ہر سازش سے محفوظ رکھنا اور سازشی، تبدیلی، تنسیخی اور تحریفی اقدامات کی روک تھام اور محافظت کے لئے ایسے افراد ہونے چاہئیں جو کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیں۔

ولایت و امامت:

نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے تو امامت و ولایت کے سہارے پر چونکہ امام کا وجود اللہ نے قیامت تک بحال رکھنا تھا اور اس کا تعارف اس طرح کیا:

وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ
لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَایَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ

(سورۃ بقرہ، آیت ۱۲۴)

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدانے چندکلمات کے ذریعے ابراہیمؑ کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کردیا تو اس نے کہاکہ ہم

تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کی
کہ اور میری ذریت ؟ ارشاد ہوا کہ یہ عہدہَ امامت ظالمین تک
نہیں جائے گا۔

اس فرمان کے ذریعے اللہ نے قرآن میں اعلان کردیا تھا کہ میرے منصبوں میں جہاں نبوت کا منصب موجود ہے وہاں میرے الٰہی مناصب میں امامت کا منصب بھی موجود ہے کہ جو ابراہیم کو اس آیت کے ذریعے عطا کیا تھا۔ آیت: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ....؟ کہ ابراہیم ! میں تمھیں امام بنا رہا ہوں معلوم ہوا کہ امامت کا ایک منصب موجود ہے آیا یہ امامت کا منصب ابھی بند کردیا گیا ہے یا کھلا ہوا موجود ہے۔ اس لئے رسول اکرمؐ کا یہ اعلان کافی ہے کہ یہ میرے حسنین بیٹے تمہارے امام ہیں۔ اس سے یہ بات روشن ہوگئی کہ امامت رسولؐ کے بعد موجود ہے۔ رسولؐ خود بھی منصب امامت پر فائز تھے، اس سلسلے میں کسی کو ابہام نہیں ہونا چاہئے۔ الٰہی مناصب میں سے کوئی ایسا منصب نہیں ہے جو رسولؐ اعظم کے پاس موجود نہ ہو۔

اس لئے ہم جب لفظ نبی و رسول پاک پیغمبر کے لئے بولتے ہیں تو وہ فقط عربی لغت کے معنی تک محدود نہیں ہے جبکہ رسول کے لغوی معنی تو لغت میں یہ ملے گا پیغام پہنچانے والا، جس طرح اسلام آباد میں جتنے سفارت خانے ہیں ان میں جتنے سفیر بیٹھے ہوئے ہیں ہر سفیر پاکستان میں اپنے اپنے ملک کا رسول ہے اور پاکستان کے بھی رسول دیگر ممالک میں ہیں۔ اور جب اللہ کے رسول کا نام آئے تو شان وعزت بھی اور ہوجائے گی اس کے حدود و قیود بھی اور ہوجائیں گے۔ اس معنی پر ہم کسی اور کو ماننا اپنے لئے جائز قرار نہیں دیں گے کیونکہ نبی اپنا ایک علیحدہ مفہوم رکھتا ہے۔ خبر دینے والا، جب وہ اللہ کا نبی و رسول ہو تو اس کا مرتبہ بلند ترین ہوگا، اسی طرح لفظ امام بھی اپنا ایک علیحدہ مفہوم رکھتا ہے یعنی رہبری کرنے والا یا آگے چلنے والا، لیکن

جب وہ اللہ کے دیئے ہوئے منصب پر فائز ہو تو اس کا مرتبہ عظیم ترین ہوگا۔ بس سوال صرف اتنا تھا کہ نبوت و رسالت کا دروازہ تو بند ہے مگر کیا امامت کا دروازہ کھلا ہے اور قیامت تک کھلا رہے گا؟

اسی لئے رسولؐ اعظم نے فرمایا:

مَن مَاتَ وَلَم یَعرِف اَمِامَ زَمَانِہ فَقَدمَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً

کہ جو مرگیا اور اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل نہ کرسکا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

امامت و آزمائش:

اس حدیث پاک سے یہ بات روشن ہوگئی کہ امامت قیامت تک موجود رہے گی اور منصب امامت پر فائز ہونے والی ہستیاں ہر زمانے میں موجود رہیں گی اور یہ حدیث فقط مکتب جعفریہ کے راویوں نے روایت نہیں کی بلکہ اس حدیث کو احمد ابن حنبل اور دیگر علمائے اہلسنت نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اس لئے ہر زمانے میں امام کا وجود احادیث سے ثابت ہو رہا ہے وہ امام اس معنی میں نہ لیا جائے کہ ایک پیش نماز جس معنی میں ہوتا ہے لغوی مفاہیم کو یہاں ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے بلکہ جس طرح لفظ نبی کے لغوی مفہوم سے ہٹ کر نبی اللہ کے معنی علیحدہ لینا ہوگا امام کا معنی بھی اسی طرح لینا ہوگا جس طرح قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے بیان کیا اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے اتنا جملہ سمجھنے والے کے لئے کافی ہے کہ جب اللہ نے ابراہیمؑ کو امتحانات میں آزمایا اور وہ ان آزمائشوں میں سو فیصد کامیاب ہوئے تو اللہ نے فرمایا کہ میں آپ کو امامت کا منصب دے رہا ہوں۔ اس سے یہ نکتہ روشن ہوگیا کہ امام نہیں ہوسکتا مگر وہی جو اللہ کے امتحانات میں کامیاب ہونے کی سو فیصد اہلیت رکھتا ہو۔ اس بنیاد پر علی الاعلان یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ جن ہستیوں کو ہم نے پہچانا ہے جن کی ہم نے معرفت حاصل کی ہے اور جن کی طرف ہمارا مکتب منسوب ہے جن کا شیعہ ہم اپنے آپ کو کہتے ہیں اور جن کے تشیع کو ہم

عین اسلام سمجھتے ہیں اور جن کے تشیع کو ہم اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ؟ کی صحیح تفسیر اور تصویر سمجھتے ہیں ان ہستیوں کے بارے میں ہم اعلان کرتے ہیں کہ کوئی مائی کا لعل ہے جو سر بلند کر کے بتائے کہ جب آزمائشوں کو سو فیصد پورا کرنا شرط ہے تو علی امیرالمومنینؑ سے لے کر مہدیؑ برحق تک ان چودہ صدیوں میں آزمائشیں تم دکھاتے جاؤ فَـأَتَـمَّـهُـنَّ ...... ؟ ہم ثابت کرتے جائیں گے۔

تاریخ پکار پکار کر کہے گی کہ آزمائشوں میں سو فیصد کامیاب ہونا جتنا ان معصوم ہستیوں کے لئے ثابت ہوتا ہے کائنات میں ان جیسا کوئی نظر نہیں آیا اور اس کے لئے یہی کافی ہے کہ اگر اسماعیلؑ کی گردن پر چھری رکھنا بہت بڑی آزمائش ہے تو پھر ہمیں یہ بیان کرنے کا حق ہے کہ شہزادہ علی اصغرؑ کے گلو پر تیر برداشت کرنا، اسماعیلؑ والی آزمائش سے بھی کئی گنا سخت آزمائش ہے اور جب ابراہیمؑ اس آزمائش میں کامیاب اترے تو امامت کے حق دار بنے پھر اپنے سامنے بہتّر لاشوں کو تڑپتا ہوا دیکھ کر رضاً بقضائک و تسلیماً لأمرک .... ؟ پڑھنے والے کو امامت کی کس منزل پر فائز ماننا چاہیے۔

تشیع از تابعداری:

تشیع تابعداری کا نام ہے مگر کس کی تابعداری؟

ان کی تابعداری جن کے متعلق رسول اعظمؐ نے فرمایا تھا:

مَثَلُ اَهْلِ بَیْتِي كَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوحٍ.مَنْ رَكِبَهَا نَجیٰ وَ مَن تَخَلَّفَ عَنهَا غَرِقَ وَ هَویٰ (حدیث نبوی)

میرے بعد گمراہیوں کی تاریکیوں کا امکان موجود ہے، میرے بعد مختلف قسموں کے راستے پھوٹیں گے، گمراہیاں حملہ آور ہوں گی، مختلف قسم کی سازشیں دین کو نقصان پہنچانے کے لئے وجود میں آئیں گی کیونکہ رسول اکرمؐ اپنی وفات سے شمسِ قیامت کے طلوع ہونے تک کے اس پورے طویل عرصے پر نظر کر رہے ہیں جس جس پر رسولؐ کی رسالت کا کلمہ پڑھنا فرض ہو

اس اس تک رسول اکرمؐ کی طرف سے ہدایت پہنچانے کا نظام بنانا رسول اکرمؐ کے سامنے ہونا چاہئے، گویا رسول اکرمؐ قیامت تک آنے والی سازشوں کو جو اسلام کے خلاف ہونے والی تھیں نگاہ رسالت سے اور اللہ کے علم لدنی سے دیکھ رہے تھے، اس لئے وہ جانتے تھے کہ میری امت کو بہت بڑے طوفان کا سامنا ہوگا اور جس طرح حضرت نوح نے لکڑیوں کی کشتی بنائی تھی کیا اس طرح کی یہاں بھی کوئی کشتی مراد ہے، نہیں، یہاں تو اہل بیتؑ کو کشتی کہا جا رہا ہے یہاں کوئی لکڑی والی کشتی مراد نہیں ہے کیوں ؟

حدیث سفینہ کا فکری جائزہ:

اس لئے کہ مقصد پانی کے طوفان کی طرف اشارہ کرنا نہیں اور نہ اس کے لئے کسی بحری جہاز کی طرف اشارہ کرنا ہے گویا رسولؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مستقبل میں گمراہیوں اور ضلالتوں کے طوفان آنے والے ہیں، وہاں ہادیانِ حق والی کشتی چاہئے۔ وہاں امامت و ہدایت والی کشتی چاہئے۔ اس لئے رسول اعظمؐ نے بڑے خوبصورت اور سادہ انداز میں یہ بات سمجھا دی کہ لوگو ! میرے بعد گمراہیوں اور ضلالتوں کے طوفان درپیش آنے کا امکان ہے اس سے بچنا چاہتے ہو تو سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ اہل بیتؑ سے اس طرح متمسک ہو جاؤ جیسے طوفان نوح سے بچنے کے لئے لوگ ان کی کشتی پر سوار ہوگئے تھے اور جو پشت پھیرے گا اور ان سے تمسک نہ کرے گا، ان کے نقش قدم پر چلنے سے انکار کرے گا اور ان کی تابعداری کا عہد نہ کرے گا با الفاظ دیگر جو ان کے تشیع سے انکار کرے گا، جو ان کے شیعہ بننے سے انکار کرے گا وہ اسی طرح تباہ ہو جائے گا جیسے فرزند نوح تباہ ہو گیا تھا جیسے زوجہ نوح تباہ ہو گئی تھی، رشتہ داری تمھیں نہ بچا سکے گی حسب و نسب ان طوفانوں کی گمراہیوں سے نہ بچا سکے گا اور یہاں سادات کرام کو خصوصی توجہ چاہئے کہ فقط اپنے نسلِ رسول ہونے پر فخر نہ کریں اگر فقط نسب کو لے کر بیٹھے رہے تو گمراہی سے بچ نہ سکیں گے۔ بچیں گے تو تب جب اہل بیتؑ کے نقش قدم کو اپنی زندگی کا آئین بنالیں گے اور جب نسلِ رسول کے لئے بھی اتنا سخت قانون ہے تو امتیوں کے

لئے تو اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

شیعہ، قرآن اور تابعداری:

اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تشیع قرآن، ثقلین اور اہل بیتؑ کی تابعداری کا نام ہے اب کبھی آپ کو علیؑ کا شیعہ کہہ دیا جائے تو گویا قرآن کا شیعہ کہہ دیا گیا کیوں ! اس لئے کہ رسولؐ نے بغیر سوچے سمجھے نہیں فرمایا تھا:

عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ لَايَفْتَرِقَانِ حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْض

علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور حوض کوثر تک یہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ (حدیث نبوی)

اس لئے اس کو ایک فرقہ بندی کے حوالے سے نہ دیکھا جائے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شیعہ ہونا فرقہ بننا نہیں ہے اور اگر گروہ یا فرقہ سمجھا تو پھر یہ ایسا گروہ یا فرقہ ہوگا جس کے ذمے ہے کہ اپنے پیشواؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ و رسول کے دین کے خلاف ہونے والی ہر سازش کو جڑ سے اکھاڑنے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر ہے اور اے شیعو ! جس طرح تمہارے پیشوا دین کے محافظ ہیں اسی طرح تم بھی اس دین کی حفاظت اور اس کے خلاف ہر سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو۔

شیعہ اور دنیاوی مفاد:

اب یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ شیعہ بننا اہل بیتؑ کے دروازے سے صرف دنیاوی مشکلات کو حل کروانا ہے چونکہ آج کل یہ تاثر بھی ہے کہ شیعہ وہ ہے جو دنیاوی مشکلات کو حل کروانے کے لئے اہل بیتؑ کے دروازے پر جھکے جب اسے کوئی دنیاوی حاجت پیش آئے تو وہ آئے اور اہل بیتؑ کے دروازے پر جھکے، جس نے منت، حاجت اور دعا مانگی، توسل کیا اور جس نے مشکلات میں مشکل کشا علیؑ امیر المومنین کو مان لیا تو وہ شیعہ ہوگیا، ہمیں اس سے انکار نہیں

کہ یہ بھی تمہید و مقدمہ ہے تشیع کا۔

معراجِ تشیع:

لیکن یہاں سے تو تشیع کی ابتداء ہوتی ہے لہٰذا حقیقی تشیع ہر عقیدے اور ہر عمل میں ان کی تابعداری کرنا ہے اور اس کے علاوہ تشیع کو معراج کب حاصل ہوگا ہم تشیع کی معراج پر کب پہنچیں گے اس وقت پہنچیں گے جب رسول اکرمؐ کا آخری جانشین حکم خدا سے ظہور فرمائے گا اور زمین سے ظلم و جور کو ختم کر کے عدل الٰہی کو قائم کرے گا۔ اس وقت ہم تشیع کی معراج پر پہنچیں گے، کیونکہ اس وقت بھی شیعہ ہوں گے جو آپ کی کامل تابعداری کر رہے ہوں گے اور قیام عدل میں ان کا ساتھ دے رہے ہوں گے۔

ظلم کا خوگر اور قیام عدل:

اے شیعیان علیؑ امیر المومنین!

یہ سفر مختصر ہے یا طویل، ہمیں کہاں پہنچنا ہے، اللہ کی پوری زمین پر نظام عدل الٰہی کو نافذ کرنا ہے اور نہ فقط بیان کی حد تک بلکہ حقیقتاً ظلم کافور ہوجائے، جور ختم ہوجائے اور عدل اپنی پوری قوت کے ساتھ جگہ لے لے۔ اگر یہ منزل حاصل کرنا ہے تو سفر مختصر نہیں۔ تشیع کے اصلی تقاضے کیا ہیں اور وقت کے تقاضے کیا ہیں؟

﴿ جو شخص خود ظلم میں ملوث ہو تو کیا وہ عادل کے انتظار میں مخلص ہوسکتا ہے۔
کیا وہ سچا منتظر ہوسکتا ہے؟ ﴾

تو جواب یہ ہے کہ ظلم میں آلودہ شخص کبھی عدل کا منتظر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو عادل کا مخالف ہوتا ہے اس لئے دوستو! سوچو! کہ انتظارِ امامِ عادل ہمارے عقائد و نظریات میں سے ہے یا نہیں؟ اگر ہم منتظر امامِ برحق ہیں تو انتظار کے سچے اور خالص ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہمارے ذاتی کردار میں ظلم نام کی کوئی چیز موجود نہ ہو اور اگر ہم اپنی بہن کا حق کھا کر خوش ہوجاتے ہیں، والد کے فوت ہونے کے بعد مال پر اختیار بیٹوں کا آ جاتا ہے اور وہ اپنی بہن کو حق دینے سے

گریز کرتے ہیں اور اپنی ہمشیرہ پر ظلم کرنے سے گریز نہیں کرتے اور پھر دعا کرتے ہیں: **اللھم عجل فوجه** اس کو بھیج جس نے میری بہنوں کو حق دلوانا ہے تو کیا وہ اپنی دعا میں مخلص ہے؟ یا وہ لفظ ادا کر رہا ہے مفہوم سے آشنا نہیں یا فقط کسی کو سنانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ خوداس کے قلب کی آواز نہیں ہے۔

عالمی ظلم کا مقابلہ:

اے دوستداران اہل بیتؑ!

جب ہمیں عالمی ظلم کا مقابلہ کرنا ہے تو پھر ہم چھوٹے چھوٹے گھریلو ظلموں میں کیوں پھنس جائیں؟ جو شخص اپنے گھر کے اندرونی ظلم کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہو تو وہ واشنگٹن کے ظلم کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟ اتنی بڑی سپر پاورز کا مقابلہ کیسے کرے گا۔ ان کے ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تمنا اپنے دل میں کیسے پروان چڑھائے گا؟!!

مخلص و مجاهد شیعه میثم تمار:

اس لئے دور حاضر ہم سے تقاضا کر رہا ہے کہ ہم اپنے تشیع کی حقیقت کا جائزہ لیں کیونکہ شیعہ ہونا ایک ایسا مجاہد بننا ہے کہ کل ہمیں میثم تمار بننا پڑے تو قدم میں لغزش نہ آئے۔

اس سلسلے میں دو نکتے ہیں اول یہ کہ کوئی آئے اور مار کر چلا جائے اور دوسرا یہ کہ بتا دیا جائے کہ تجھے فلاں مقام پر مار دیا جائے گا۔ ان دو موتوں میں سے کون سی موت برداشت کرنا آسان ہے اور کون سی مشکل؟ اچانک سے کوئی آئے گولی مار کر چلا جائے اور موت واقع ہو جائے اور ایک یہ ہے کہ بتا دیا جائے کہ تجھے فلاں مقام پر،ان حالات میں، ایسے طریقے پر اور فلاں دن ہماری ولاء و محبت میں شہید کر دیا جائے گا بتلایئے ان دو موتوں میں سے آسان موت کون سی ہے پہلی یا دوسری؟ تجھے تو آج اس پہلی موت کا شکار ہونا پڑا ہے شیعہ تو وہ ہوتا ہے جو دوسری موت کو بھی سینے سے لگا لیتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا:

یا علی اَنتَ و شیعتک ھُمُ الفائزون (حدیث نبوی)

اے علیؑ! تو اور تیرے شیعہ کامیابی پانے والے ہیں۔

اپنے جن شیعوں کو علیؑ حیدر کرار نے تربیت دی تھی، ان کی نشانیاں، کردار، سیرت دیکھئے وہ اس مقام بلند پر فائز ہیں کہ جو علیؑ بتادیتے ہیں، وہ سن لیتے ہیں، برداشت کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ میثم تمار کو بتا دیا کہ تجھے کون شہید کرے گا، کیسے کرے گا، کہاں کرے گا، کس دن کرے گا اور کس حالت میں سولی پر چڑھایا جائے گا اور وہ کون سا درخت ہوگا جس پر تجھے سولی پر چڑھایا جائے گا۔ ''شیعہ بننے کے لئے اس کھجور کے درخت کو پانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' اور ہماری یہاں حالت یہ ہو کہ بنی امیہ کے چند شیطانوں اور ایجنٹوں نے آج تھوڑا سا یزیدی انداز اپنایا اور ہم پریشان ہوجائیں اور گھبرا جائیں۔

عصر معصومین اور شیعیانِ علی:

اگر ہم زمانہ امام حسنؑ مجتبیٰ، امام حسینؑ شہید کربلا، اور امام علیؑ ابن الحسین زین العابدین کے دور میں ہوتے تو ہمیں حجر ابن عدی، میثم تمار، رشید ہجری اور قنبر جیسی شہادتوں سے گزرنا پڑتا۔

﴿ ہم جب بھی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ کوئی جتنا علی امیرالمومنین سے قریب ہوا ہے شہادت اس کا اتنا ہی مقدر بنی ہے ﴾

قنبر کون تھا؟ کیا تھا؟ کس کا نوکر تھا؟ اور کس کا غلام تھا؟

اس حد تک تو ہم سنتے اور بیان کرتے ہیں کہ معجزات، فضائل، مجاہدت اور دیگر بہت سے مقامات پر قنبر کا کردار علیؑ حیدر کرار کے غلام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن اے کاش! یہ بھی بتا دیا جاتا کہ قنبر نے اپنی جان علیؑ امیرالمومنین کے راستے میں کس طرح جانِ آفرین کے حوالے کی تھی اور وہ اپنے بڑھاپے کی زندگی میں نوے سال سے بھی زائد عمر ہونے کے باوجود

اس وقت کے گورنر کے سامنے اپنی شہادت کو پیش کرتے ہیں۔

تشیع، عقیدہ و عمل:

تشیع جہاں تابعداری کا نام ہے وہاں عقیدہ و عمل ۔ں اپنے پیشواؤں کے نقش قدم کو اپنے اوپر مقدم و مسلط کردینے کا نام ہے اور ان کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ دینے کا نام ہے۔ وہاں اس کی معراج یہ ہوتی ہے کہ اگر ان کے مکتب پر سر کٹے تو گھبرانے والا شیعہ نہیں بنتا بلکہ فخر کرنے والا شیعہ بن جاتا ہے، بھاگنے والا شیعہ نہیں بلکہ کرار رہنے والا شیعہ ہوجاتا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو آہستہ آہستہ ہمارا یہ دور جس راستے پر جارہا ہے وہ تشیع کے زیادہ سے زیادہ اجاگر ہونے اور اسلام دشمن قوتوں کے مقابلے میں اپنے وجود کو ثابت کر کے ان کی سازشوں کے مقابلے میں اپنے کردار کو انجام دینے کے لئے عملی تیاری کرنے کی ضرورت کو روشن کررہا ہے۔

اگر آپ کے اندر وہ صلاحتیں موجود ہیں جو اونچی اڑان رکھنے والوں میں ہوتی ہیں،تو یاد رکھئے کہ تشیع اونچی پرواز کی صلاحیت رکھنے کا نام ہے، تشیع بلند پروازیوں کا نام ہے، بلند پروازی کسی جہاز پر بیٹھ کر نہیں۔ بلند پروازی اپنے ایمان پر بھروسہ کرتے ہوئے، بلند پروازی اپنے کردار اور اپنی سیرت کے پاکیزہ ہونے کے ساتھ۔ اپنے مکتب، مذہب اور اپنے دین کے ساتھ ایسا لگاؤ کہ جو کچھ بھی دینا پڑے دے دے قدم پیچھے نہ ہٹے۔

امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی بھی کہے: چراغ گل ہے چلے جاؤ۔تو شیعہ وہ ہوتا ہے جو کہے جئیں گے تو آپ کے قدموں میں، مریں گے تو آپ کے قدموں میں۔

کیا ہمیں اس تربیت کی ضرورت ہے اور اس نظریئے کو ذہن میں راسخ کرنے کی ضرورت ہے؟ اگر کوئی فرد انفرادی طور پر خیال کرے گا۔ میں دکان و مکان میں چھپ جاؤں گا، میں اپنی جان بچالوں گا اور تقیہ کرلوں گا۔تو جو کچھ دور حاضر میں ہم دیکھ رہے ہیں وہ اب چھپنے کی طرف نہیں جارہا وہ ظاہر رہنے کی طرف جارہا ہے۔ یہ پوری دنیا جو ایک Global

Village کی حیثیت اختیار کرچکی ہے اس میں تم کیسے چھپو گے؟ مکہ و مدینہ میں کیسے چھپو گے، چھپنے نہ پاؤ گے، تمہیں کوئی چھپنے نہ دے گا۔ بالآخر یا تو چھپا ہوا مار دیا جائے گا یا ظاہر ہو کر مار دیا جائے گا تو بہتر یہ ہے کہ چھپ کر نہیں بلکہ ظاہر بظاہر ہو کر مارے جائیں۔ اس لئے ہماری ذمہ داری سخت ہو رہی ہے اور رسول اکرمؐ نے ہم پر بھروسہ کیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے۔

میلاناتِ تشیع:

اب اگر یہاں پر صورتحال یہ ہو کہ کہا جائے کہ خمس دو تو دس دس سال سوچنے میں لگ جاتے ہیں کہ دیں کہ نہ دیں؟

کہا جائے زکوٰۃ دو تو سوچنے لگ جاتے ہیں کہ گندم کا دانہ بچ جائے، ایک من بچ جائے یا آدھا من، لوگوں کو وہ مسئلہ اچھا لگتا ہے جس میں لوگوں کی بچت زیادہ ہو یہ اس بات کا غماز ہے کہ ہمارے دل میں دنیا اس طرح بیٹھ چکی ہے ہم علیؑ حیدر کرار کے مکتب کو نہیں دنیا کی بچت کو ڈھونڈتے ہیں، مسائل کی بات نہیں، بلکہ ہمارے دلوں میں جذبات و رجحانات کی بات ہے۔ دل کے اندر جو ولولہ موجود ہوتا ہے پھر وہ بچتیں نہیں ڈھونڈتا وہ خرچ کے راستے ڈھونڈتا ہے۔ مجھے اللہ نے دیا ہے اسے مکتب علیؑ پر خرچ کروں۔

سلمان فارسیؓ کے گھر میں کھجور کا ایک دانہ ہوتا ہے تو مسجد نبوی کے ڈھیر میں پہنچا دیتے ہیں اور کسی کے مذاق سے گھبراتے نہیں۔ یہ وہ تربیت ہے جس کا نام تشیع ہے یہ وہ ترجیحات اور جذبات ہیں جن کا نام تشیع ہے۔ اس کی طرف بڑھئے اور جس طرح اللہ نے آپ کو عزاداریِ مظلوم سے محبت عطا فرمائی ہے اسی طرح اس مکتب کے ہر ورق سے محبت عطا فرمائے۔ خدا ان لوگوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے کہ جنہوں نے ہماری ان نسلوں میں عزاداری مظلوم کے بیج بوئے، عزاداری بھی علامت تشیع ہے اور اسی عزاداری کے ذریعہ ہم نے تشیع کو ترقی دینا ہے۔ اسی زینے سے ہم نے معراج تشیع پر پہنچنا ہے لیکن محبت کو فقط عزاداری تک محدود نہ

رکھو بلکہ محبت کو پورے مکتب تک لے جاؤ اور جب ہم اسے پورے مکتب تک لے جائیں گے، اس کے ہر پہلو، ورق، حکم اور اس کے تمام پہلوؤں سے ہمیں محبت ہو جائے گی تو پھر ان پر بھی ایسے خرچ کریں گے جیسے عزاداری پر خرچ کرتے ہیں اور پھر ہم اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے نہیں گھبرائیں گے۔

معیارِ شیعہ:

شاید امام حسینؑ ، یزیدیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو ڈھونڈتے رہے جو اس بلند معیار پر پورے اترتے تھے اور ان کو روانہ کرتے رہے تھے جن میں تھوڑی سی بھی کمزوری موجود تھی اور بالآخر آپ نے شب عاشور آخری آزمائش کردی بلکہ عاشور کے دن بھی کی۔ اس سلسلے میں بعض روایات مختلف شخصیات کے متعلق ملتی ہیں شاید ایک سیاہ رنگ غلام حبشی جو جوار امام حسینؑ میں موجود تھا۔ عاشور کے دن مولا نے اس سے کہا: رقم لے لو، چلے جاؤ اور اپنی جان بچا لو۔ وہ غلام حبشی رونے لگا اور یہ جملہ کہنے لگا: یا ابن رسولؐ اللہ کیا میرا سیاہ خون بنی ہاشم کے خون سے ملنے کے لائق نہیں ہے۔ یہ سن کر امام حسینؑ تڑپ گئے اور اسے چوما اور بوسہ دیا اور کہا کہ میں اس مقصد کے لئے بات نہیں کر رہا تھا میں تو دنیا کو بتانا چاہ رہا تھا کہ تیرا مقام کتنا بلند ہے!

شہید باقر الحکیمؒ سے روایت:

اسی لئے شہید محرابِ روضۂ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الحکیم رضوان اللہ علیہ اپنی ایک محفل میں (جو انہوں نے ہمارے والد علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی اعلی اللہ مقامہ کے چہلم یا برسی پر قم مقدسہ میں پڑھی تھی) یہ روایت پڑھ رہے تھے کہ جب مولا نے عاشور کے دن لاشوں کے پاس جانا شروع کیا تو ہر لاشے کے ساتھ ایک الگ انداز اپنایا جو جس منزل کے لائق تھا اس کو ویسا ہی خراج تحسین پیش کرنا شروع کیا تو کربلا کے میدان میں دو جوان ایسے نظر آتے ہیں جن کے رخسار پر مولا حسینؑ نے اپنا رخسار رکھا۔ ایک ہم شکل

پیمبر شہزادہ علی اکبر کا رخسار تھا اور جھکتے جھکتے اتنے جھکے کے رخسار علی اکبرؑ کے رخسار پر رکھ دیا۔ دوسرا وہ سیاہ رنگ والا حبشی تھا جب اس کا لاشہ میدان کربلا میں گرا امام اس کے لاشے کے پاس پہنچے اور امام کا رخسار اس سیاہ رنگ والے کے چہرے پر بھی جا کر ٹکا گویا بتلا دیا میں فقط اپنے بیٹے کو یہ منزل نہیں دیتا بلکہ میں ہر اس کو یہ مقام دیتا ہوں جس کے سینے میں اس مکتب کی اسی قدر محبت موجود ہے۔

آج ہم سے بھی حسینیت یہ تقاضہ کر رہی ہے کہ ہم اسی جذبہ کو اپنے سینوں میں پروان چڑھائیں تا کہ کفر، شرک و نفاق جو متحدہ محاذ بنا کر اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اور دین کو مغلوب کرنے کے لئے عالمی طور پر سازشوں کو وجود میں لا رہا ہے ان کا مقابلہ کیا جاسکے اور کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی توقع ان ہی شیعہ سے کی جاسکتی ہے جن کے متعلق رسول اکرمؐ نے کامیابی کی نوید دی تھی۔

ہمیں فقط نام شیعہ سے مطمئن نہیں ہونا چاہئے بلکہ تابعداری اور فرمانبرداری، عقیدہ کے لحاظ سے ہو یا عمل کے لحاظ سے اس کو سو فیصد اپنے اوپر نافذ کرنا چاہئے تو پھر انشاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی وہ کامیابی یقیناً حاصل ہوگی جس کی رہنمائی امام زمان علیہ السلام فرما رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے ظہور میں تعجیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے ادنیٰ سپاہیوں میں سے شمار فرمائے۔

ظالم سے عداوت .... مظلوم کی حمایت

وصیت امیر المومنین امام علی علیہ السلام

ظلم کی طرف جھکاؤ:

وَلاتَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

(سورۃ ھود، آیت ۱۱۳)

تمہارا رجحان و میلان ظلم اور ظالموں کی طرف نہیں ہونا چاہئے کیونکہ تمہارا جھکاؤ اگران کی طرف ہوا تو جہنم کی آگ کے شعلے تمھیں گھیر لیں گے تم جہنم سے بچنے میں کامیاب نہ ہوسکو گے۔

اب ذرا جائزہ لیجئے قرآن کریم نے فقط ظلم کرنے سے نہیں روکا بلکہ ظالموں کے ساتھ اپنے میلان و تعلق کو بھی پسند نہیں فرمایا، ظلم کرنا، ظلم کا ساتھ دینا، ظالموں کی پارٹی کا رکن بننا، ظالموں کے ساتھ تعاون کرنا، مالی طور پر، اخلاقی طور پر اور اقتصادی طور پر۔ سب سے کلام الٰہی نے منع فرمایا ہے۔

خداوندعالم فرماتا ہے کہ جس دل میں نور ایمان ہوتا ہے اس دل میں ظُلم کی طرف میلان کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ بہت کم گناہ ہیں جس کے سلسلے میں قرآن نے جہنم کی نوید دی ہے ان میں سے ایک یہ گناہ ہے جسے ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس لئے علماء کہتے ہیں کہ جس گناہ کے ساتھ جہنم کی نوید موجود ہے وہ گناہِ صغیرہ نہیں ہوگا بلکہ وہ کبیرہ گناہ ہوگا۔ ظالم بننا کجا، ظالموں میں سے ہونا کجا، ظالموں کی طرف میلانِ قلبی رکھنا کجا، ہر مومن کے اہم فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے اپنے دور میں اس امر کی شناخت رکھے اور اس کی ہمیشہ تشخیص کرتا رہے کہ کون کون ظالم ہے، اس لئے اسے جس جس کی شناخت ہوتی جائے تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مومن کے دل میں اس کیلئے نرم گوشہ ہونا چاہئے اس لئے جو ظالموں کی طرف اپنے قلب میں جھکاؤ رکھتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ مومن ہونے کے حوالے سے

اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ پھر ظالموں کی درجہ بندیاں ہیں کچھ ایسے ہیں جو کسی فرد پر ظلم کرتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو قوم پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہوسکتے ہیں جو کسی مکتب و مذہب پر ظلم کرتے ہیں۔

وصیت نامہ امیر المومنین:

اس سلسلے میں وہ وصیت جو امیرالمومنینؑ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو کی تھی کہ جب مولا کی ریش مبارک اپنے ہی خون سے رنگین ہوچکی تھی او زندگی کے آ ی لمحات آتے ہیں تو معصوم اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جو جملے اپنے ماننے والوں کے لئے بیان کرتے ہیں تو حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس کی زندگی کے باقی جملے شاید بھول بھی جائیں لیکن زندگی کے آخر میں جو کچھ فرما کر جائیں اس کے بھولنے کا امکان نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کے دل میں اس کی محبت موجود ہو۔

ایک بیٹے کے لئے والد کا مقام کجا اور ایک امت کے لئے علیؑ جیسے امام کا مقام کجا اور پھر ہم اس منظر کو اپنے سامنے لاتے ہیں اور اسے اپنے تصورات میں سماتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کوفہ کی نگری میں ہمارا امام زخمی حالت میں اپنے بستر پر پڑا ہے، جراح نے آکر آپ کے زخم کا جائزہ لیا ہے اور جب وہ حسنین شریفین علیھم السلام کو کہتے ہیں کہ ہماری طبی معلومات کے مطابق زخم بہت گہرا ہے۔ اب آپ کے بابا کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

روایات میں آپ نے سنا ہوگا کہ ایک جراح نے بکری کی تازہ رگِ دل کو نکالا تھا اور اس رگ کو مولا کے زخم میں گہرائی تک لے گیا تھا اور جب بعد اس رگ کو نکالا تھا تو اس رگ کے آخر میں مغز کے آثار موجود تھے طبیب نے کہا کہ ہماری طبی معلومات کے مطابق زہر آلود تلوار کا اثر مولا کے سر کی گہرائی تک پہنچ چکا ہے۔ اس لئے اب ایسے زخمی کے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اس کے بعد نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ امیرالمومنینؑ نے حکم دیا کہ میری ساری اولاد

کو بلایا جائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اے میرے حسنین شہزادو ! میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں اور پھر کہا کہ میں اپنی پوری اہل و اولاد کو وصیت کرتا ہوں اور اب ہم چشم تصور میں وہاں پہنچ جائیں کہ مولا کے سرہانے کھڑے ہیں، اس وصیت میں مولا نے اپنی امامت کا نچوڑ نکالا ہے۔

امیر المومنینؑ نے وصیت میں فرمایا:

جب تک زندہ رہنا ظالم کے دشمن بن کر رہنا اور مظلوم کے ناصر رہنا، ظالم سے دشمنی ومظلوم کی حمایت۔

فقط یہ کافی نہیں کہ ظلم سے کنارہ کش رہو اور اس کے قریب نہ رہو بلکہ تمہارے دل میں جتنی محبت اہل بیتؑ سے ہو اتنی ہی ظلم سے نفرت ہو۔ اسی لئے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ تولاّ و ولایت کیا ہے اور تبراء اور برائت کیا ہے کیونکہ تبراء بھی اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک قلب میں تولاّ موجود نہ ہو۔

حقیقت تولاّ:

تولاّ کسے کہتے ہیں؟ کیا فقط آل محمدؑ سے محبت کرنا، بلکہ آل محمدؑ سے محبت رکھنا اور ان سے محبت رکھنے والوں سے بھی محبت رکھنا، تولاّ ہمیں جہاں آل محمدؑ کی ذواتِ قدسیہ سے مربوط کرتا ہے وہاں محبانِ آل محمدؑ کو بھی آپس میں پرو دیتا ہے اور محبان آل محمدؑ کے اندر جس قسم کی وحدت، اتحاد، محبت، مودت اور قرب پیدا کرتا ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں مگر آل محمد کو نہیں چھوڑ سکتے۔

دیناوی اختلافات کی ناراضگیاں تجھے اتنا دور لے جائیں کہ تیرے محبِ آل محمد ہونے کے واسطے سے جو باہمی محبت ہو وہ بھی ختم ہوجائے یہ اس امر کا اخلاقی پہلو ہے۔ کیونکہ آپ جس بنیاد پر اپنے کو مومن سمجھتے ہیں دوسرے کو بھی اسی بنیاد پر مومن مانیں۔ ہمیں دنیاوی اختلافات اس حد تک لے گئے کہ دل میں اس کے لئے بغض آ گیا اور آپ کے دل میں مومن

والی محبت نکل گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک محبت اہل بیتؑ کوئی ایسی چیز نہیں جو آپ کو مومن کی طرف جھکا دے۔

جو شخص آل محمد سے محبت رکھتا ہے وہ کبھی اس شخص سے نفرت نہیں رکھ سکتا جس کے دل میں محبت آل محمد موجود ہے اور پھر کسی بھی ایسے کردار سے محبت نہیں رکھ سکتا کہ جس کردار سے آل محمد کو نفرت ہو۔

معیارِ محبت،معاویه ابن یزید:

دنیائے کائنات میں ہم سب سے زیادہ یزید کے کردار سے نفرت کرتے ہیں مگر اس کے بیٹے سے محبت کرتے ہیں کیوں؟ کیونکہ ہمارے بغض کی بنیاد کوئی قوم نہیں اور ہماری محبت کی بنیاد بھی کوئی نسل نہیں، ہم محبت و نفرت کرتے ہیں تو اصولوں کی بنیاد پر۔

جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی محبت نہیں آ سکتی جس سے آل محمد نفرت کرتے ہیں تو جواب میں عرض ہے کہ آل محمد کسی سے نفرت نہیں کرتے مگر اس کے برے کردار کی بناء پر اور پھر آل محمد کسی سے محبت نہیں رکھتے مگر اس کے اچھے کردار کی وجہ سے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آل محمد کے نزدیک محبت کا معیار پاکیزہ کردار اور نفرت کا معیار گھٹیا کردار ہے اور جب ہم اس مرحلے پر پہنچے تو اب ہمیں امیرالمومنینؑ کا وصیت نامہ سمجھ میں آ گیا یاد رکھیں کہ فرد پر ظلم کرنے والا، قوم پر ظلم کرنے والا اور دین پر ظلم کرنے والا ہر ایک کی الگ الگ مثالیں ہیں۔

عزاداری، ظلم سے نفرت کا ذریعه:

مذہب اہل بیتؑ جسے مذہب شیعہ بھی کہا جاتا ہے اس نے قرآن اور امیر المومنینؑ کی وصیت کے مطابق ایک عزم کیا ہے اور اس عزم کے سائے تلے عزاداری کی عبادت کو سینے سے لگایا ہے۔

کیوں......................؟ اس لئے کہ

میں عزاداری کے ذریعے قرآن کے فرامین اور امیرالمومنینؑ کی وصیت پر عمل کروں گا اور اس لئے کہ ہر دور میں عزاداری ظالموں سے نفرت کی بنیاد بنتی رہے گی اور مظلوموں کی حمایت کا بیج کاشت کرتی رہے گی۔ ہم ان تمام حضرات کی خدمت میں سلام عقیدت پیش کرتے ہیں جو عزاداری کے مراسم کو جاری رکھنے کے لئے اپنے وقت، رزق، دولت اور توانائی کو خرچ کرتے ہیں۔ نوحہ خوانو، ماتم دارو، مراسم مقدسہ برائے عزاداری کے بنانے والوں، انکو اٹھا کر چلنے والو اور جلوس ہائے عزاء میں قدم بقدم شامل ہونے والو یاد رکھو! عزاداری ایک وسیلہ ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جس کی وصیت اس امام علیؑ امیرالمومنین نے کی تھی جس کی داڑھی اپنے خون سے خضاب ہوئی تھی۔

عزاداری ظلم کے خلاف احتجاج ہے، عزاداری ظالم سے دور کرنے کا انتظام ہے، عزاداری ظالم کا دشمن اور مظلوم کا مددگار بناتی ہے۔ اگر ہم بڑے عزادار ہوں لیکن ظالموں سے نفرت نہ ہو اور مظلوموں کی حمایت نہ ہو تو پھر کسی فریب کار نے کوئی ایسی چال چلی ہے کہ عزادار کو عزاداری کے مقصد سے محروم کردیا ہے جس کے لئے عزاداری کی اساس رکھی گئی تھی ہمیں تو عزاداری دی ہی اس لئے گئی تھی کہ ہر دور کے ظالم کو ڈھونڈو اور اس کے مطابق اپنے فریضے کو انجام دو۔

حسینیت کی محبت:

ہماری عزاداری کی مجالس میں ہمارے مذہب تشیع کی نشانی کے طور پر ایک نعرہ جو پاکستان میں لگایا جاتا ہے۔

﴿حسینیت زندہ باد اور یزیدیت مردہ باد﴾

ہمارے بزرگ جو جائداد چھوڑ کر گئے تھے اور انہوں نے جو میراث تقسیم کی ہے۔ کیا وہ جائداد زیادہ قیمتی ہے یا یہ نعرہ جو ان کی میراث ہے؟

اگر کوئی اپنی ملین و بلین روپے جائداد چھوڑ جائے اپنی اولاد کو حسینیت سے محبت اور

یزیدیت سے نفرت نہ دے کر جائے، تو پھر اس نے اپنی اولاد کے لئے کچھ نہ چھوڑا اور اگر کوئی کچھ نہ چھوڑ جائے مگر اپنے بچے کے دل میں حسینیت سے محبت اور یزیدیت سے نفرت تو اس نے اسے اتنا دے دیا کہ کائنات میں اس کے برابر کوئی شے نہیں۔

جب بزرگان نے نعرے ایجاد کئے تو یوں کیوں نہیں ایجاد کیا کہ یزید مردہ باد اور حسینؑ زندہ باد؟

بلکہ انہوں نے نعرہ بنایا تو حسینیت زندہ باد۔ یزیدیت مردہ باد۔ اس طرح کا نعرہ کیوں ایجاد کیا؟ اس کی غرض کیا تھی؟

یاد رہے کہ نعرہ گلے پھاڑنے کا ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسا مختصر جملہ ہوتا ہے جو مکتب کا ترجمان ہوتا ہے اور نسلوں کی تربیت کا وسیلہ ہوتا ہے۔

لہٰذا نعرے ایسے ہوں جن میں مقصدیت موجود ہو کیونکہ جب ہماری نسل بزرگ ہو تو شعور کے ساتھ اس نعرے کی ماہیت و حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرے تو تسلیم کرنا چاہئے کہ ہمارے بزرگوں نے سمندر کو کوزے میں بند کردیا کیونکہ اگر وہ ہمیں یزید مردہ باد کا نعرہ دیتے تو شاید ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جاتی کہ نفرت کرنا ہے اس شام والے یزید سے اور دشمن بننا ہے اس دمشق والے یزید کا حالانکہ وہ تو جہنم کا ایندھن بن گیا۔ اس لئے اگر یزید کی نفرت کا بیج کاشت کرنا ہے تو یزیدیت کے کردار اور اس کی فکر سے اور جب ہم یہاں پہنچیں گے تو بزرگ ہمیں یہ نعرہ دے کر یوں سمجھانا چاہتے تھے کہ ہر دور میں ہمیں ہر ایسے خبیث کو ڈھونڈنا چاہئے جس کی کھوپڑی میں یزید کی فکر پروان چڑھ رہی ہو اور ہمیں ایسے کمینوں کی شناخت میں مصروف رہنا چاہئے جن کے کردار میں یزید کے کردار کی جھلک موجود ہو بس اگر فکر و کردار ہو یزید والا تو پھر حسینیت کی تلوار کو نکالئے اور سچا کربلائی بن کر یزید کی فکر پر حملہ آور ہوجایئے اور اس وقت تک آپ کو چین نہ آئے جب تک کہ یزیدیت کے سر کو کاٹ نہ دیں یا جاں قرباں نہ ہوجائے۔

عزاداری، ظلم کے خلاف جنگ:

عزاداری فقط ہماری منتوں کے پورے ہونے کا وسیلہ نہیں ہے، فقط ہماری آرزوؤں کے پورے ہونے کا وسیلہ نہیں یہ سچ ہے کہ علم ابوالفضل العباسؑ کے سائے تلے بیماروں کو شفاء ملتی ہے، اولاد ملتی ہے اور ہر مراد ملتی ہے لیکن عزاداری فقط مشکلات کی حلالی تک محدود نہیں بلکہ یہ اس کی برکتیں ہے اصلی مقصد ظلم کے خلاف جنگ ہے۔

عزاداری ظالموں کے خلاف ایک ایسی فورس کو ایجاد کرنا ہے جو اپنا سب کچھ لٹا دے مگر ظالم کی عداوت سے باز نہ آئے اور مظلوموں کی حمایت کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو اور ان چودہ صدیوں میں مکتب آل محمدؐ اس کی ترجمانی کرتا رہا ہے اور آج تک اس فریضہ کو ادا کر رہا ہے اور یہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے بڑے بڑے شاہ، شہنشاہ، اپنی ملیونوں دولت کو لے کر مذہب اہل بیتؑ کے غلاموں کو خریدنے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن عزادارانِ آل محمد کا سر اعزاز کے ساتھ بلند ہے اور بلند رہے گا کیونکہ وہ دولت کے سامنے جھکے ہیں نہ کرسی و اقتدار کے سامنے۔ اپنا لہو تو پیش کرتے رہے ہیں مگر ظالموں کے ساتھ سودا بازی نہیں کی۔

ثقافتِ یزیدی:

یہ ہمارے اسلاف کی سیرت طیبہ ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم اور ہم امید کرتے ہیں کہ آج کا عزادار نوجوان بھی یزیدیت کی موجودہ ثقافت کا مقابلہ کرنے کے لئے کمزور نہ ہوگا۔ یاد رکھئے آج یزیدیت نے اسلحے کے زور پر شکست دینے سے زیادہ غلیظ کلچر کے ذریعے شکست دینے کا منصوبہ بنایا ہے یاد رکھنا چاہئے کہ اب وہ شاید ایٹم بم کی جنگ نہ کرے بلکہ وہ ہوا کے دوش پر اپنی گندی ثقافت کو ہمارے گھر کے اندر داخل کر کے ہمارے نوجوان مردوں و خواتین کو اپنا جیسا بنا لینے میں کامیاب ہونے کی کوشش کرے اور اگر وہ ان کے دل سے حسینیت کی محبت کو نکال کر شراب، عریانیت اور مغربی گندگی کی محبت ڈالنے میں کامیاب ہوگیا تو اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ بارود کی جنگ کرے، فورس کو لائے اور ایف 16، کو لائے بلکہ یہ فورس گھر پر

آرام سے پڑی رہے اور اسلامی اخلاق کا جنازہ نکلتا رہے۔

اے نوجوانو!

کربلا کے طفیل اپنے آپ کو ان کثافتوں سے بچاؤ، جتنا اس سے بچو گے اتنا روحِ علی اکبرؑ تمھیں دعائیں دے گی اور کوئی اتنا عظیم نہیں جتنا علی اکبرؑ عظیم تھے۔

انفاق فی سبیل اللہ

نمازی اور خسارہ

اے نماز پڑھنے والے نمازیو! ہوسکتا ہے نماز کے پابند ہونے کے باوجود پھر بھی تم خسارے میں رہو۔

جس کو قرآن بیان کرتا ہے کہ

وَالۡعَصۡرِ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ (سورۃ والعصر، آیت ۱)

قسم ہے عصر کی بے شک انسان خسارہ میں ہے۔

وہ کون سا پہلو ہے جس کی طرف ہماری توجہ بہت ضروری ہے کہیں ایسا تو نہیں ہم نماز کے پابند ہیں اس کے باوجود جہنم والے خسارے کا خطرہ ہمارے لئے ابھی تک موجود ہے۔

اس لئے خداوند عالم نے فرما دیا ہے: ندامت ہیں ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ یُرَآءُوۡنَ وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ (سورۃ الماعون، آیت ۴ تا ۷)

تو تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں دکھانے کیلئے عمل کرتے ہیں اور معمولی ظروف بھی عاریت پر دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

وہ کون لوگ ہیں جو نمازی ہونے کے باوجود خسارے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز میں ریاء برتتے ہیں وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو راضی رکھنے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ اس بات کو بھی ذہن میں راسخ کرلیں کہ کہیں نماز پارٹی بازی گروہ بندی کا شکار تو نہیں ہے کسی بڑے کو دکھانے کے لئے تو نہیں ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ
وَلَایَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ

(سورۃ الماعون، آیت ۱۔۲۔۳)

کیا تم نے اس کو بھی دیکھا جو (روز) جزاء کو جھٹلاتا ہے یہ تو وہی (کمبخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے
اور محتاجوں کو کھلانے کیلیئے (لوگوں) کو آمادہ نہیں کرتا۔

یہ وہ نمازی ہیں جو مسکینوں کو کھانا کھلانے پر آمادہ نہیں یعنی جو فقراء و مساکین، غرباء، یتامیٰ اور بے کس و بے بس ہیں ان افراد تک ان کی ضروریات کو جو نمازی نہیں پہنچاتا فقط اپنی نماز پر وہ بھروسہ کرتا ہے جبکہ اس کے گرد و نواح اور قرب و جوار میں، ان کے اقارب و اہل محلّہ میں جو بے سہارا اور مجبور ہیں کوئی کچھ بھی دینے کو تیار نہیں ہے اس کے علاوہ محلے کا کوئی ضرورت مند اس سے کچھ مانگنے آتا ہے مگر چونکہ یہ بخیل اور کنجوس ہے اس لئے اسے عاریۃً دینے کو بھی تیار نہیں ہوتا اور کسی پر خرچ کرنے کو راضی نہیں ہے۔ اپنے اور اپنے بچوں کے نمازی اور نماز شب کا پابند ہونے پر بڑا خوش ہے مگر اللہ کے اموال اور اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے انفاق فی سبیل اللہ والی بات اس کے کردار میں شامل نہیں ہے۔

تو ایسا نمازی نفع میں ہے یا خسارے میں؟

روحانی بیماری یعنی اخروی خسارہ:

اس لئے یہ بات چیک کرنے کی ضرورت ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ بیمار نہ ہو تو اسے چاہئے کہ مضر صحت اشیاء سے بھی بچنے کی کوشش کرے اور حتی المقدور بدن سے متعلق بھی معلومات رہیں تاکہ یہ معلوم رہے کہ بخار اور دیگر بیماریوں کے عوامل شامل تو نہیں ہو رہے اور اگر ہونے والے ہیں تو اس کا بہت جلد انتظام کروں تاکہ وہ بڑھنے نہ پائیں۔

ایسے ہی ہر انسان کو ان امور پر بھی متوجہ رہنا چاہئے کہ میں منافع آخروی کو بچانے

اور ان کو حاصل کرنے اور خود کو خسارے سے بچانے کے لئے کوشاں ہوں یا نہیں ہوں ایسا تو نہیں کہ میں اتنا مطمئن یا غافل ہوگیا ہوں کہ مجھے اس وقت پتہ چلے کہ موت سر پر آجائے اور میں اس وقت کہوں :

اے کاش ! میں نے یہ کیا ہوتا۔

انفاق فی سبیل اللّٰہ:

اس لئے انسان کو انفاق فی سبیل ا........ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے فرض کو بھی ادا کرنے کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ میں راہ خدا میں خرچ کرتا ہوں یا نہیں۔

جن متقین کی صفات کو خداوندعالم نے سورہ بقرہ کی پہلی آیات میں بیان کیا ان میں اس سنت کا ذکر بھی فرمایا ہے :

ہم نے انہیں جو رزق دیا ہوتا ہے وہ اس رزق کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔(سورۃ بقرہ)

تو کبھی سوچا ہے کہ خرچ کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں ؟ کہاں خرچ کرنا ؟

اپنے گھر بنانے پر خرچ کرنا، گھر کے کچن پر خرچ کرنا، بچوں کی تعلیم پر خرچ اور دیگر سہولیات پر خرچ کرنا۔ کیا یہ سارا خرچ فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے۔ کیا یہ ہم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہے؟

نہیں اے دوست ! انفاق فی سبیل اللہ کے خصوصی پہلو ہمارے زیرغور ہونا چاہئے۔

ہم اگر نماز والے ماحول میں داخل ہو چکے ہیں تو اس سے آگے کی طرف نظر کریں تو ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہوں یا نہیں۔ اس لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کچھ حد تک واجبات میں سے ہے اور کسی حد تک مستحبات میں سے ہے۔

جیسے واجب و مستحب نمازیں ہیں اسی طرح نمازوں میں کچھ مکروہ اور کچھ حرام نمازیں

بھی ہیں واجب نمازوں کی مثال نماز پنجگانہ ہے، مستحب نمازوں میں نماز نوافل اور نماز شب۔ لیکن حرام نمازیں کون سی ہیں ؟

بغیر وضو کے نماز فقط باطل ہے یا حرام ہے؟

بغیر وضو کے نماز پڑھنا حرام اور گناہ ہے۔ نجس کپڑے سے نماز پڑھنا باطل اور گناہ ہے۔ غصبی زمین اور لباس میں نماز پڑھنا، کسی کی جگہ چھین کر اور مکان چھین کر نماز پڑھنا نماز کو باطل کر دیتا ہے اور یہ فعل حرام ہے۔

مکروہ کی مثال:

فرض کیجئے جیسے حمام میں نماز پڑھنا، ہمارے یہاں یہ بات اس وقت سمجھ میں آنا مشکل ہے مگر ایران میں بڑے بڑے حمام ہوتے ہیں کیونکہ وہاں نماز پڑھنے کی الگ مخصوص جگہ ہوتی ہے وہ نماز صحیح تو ہوجائے گی مگر مکروہ رہے گی۔ اس لئے بہتر تھا کہ حمام میں نماز نہ پڑھی جائے، جس طرح نماز کے مختلف پہلو ہیں اسی طرح اللہ نے راہ خدا میں خرچ کرنے کے حوالے سے احکام بیان کئے ہیں جو رزق ہمیں خداوندعالم نے دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرنا واجب ہے، کچھ مستحب، کچھ حرام اور کچھ مکروہ ہے زیادہ غور طلب یہ ہے کہ ہم واجب کو ترک نہ کریں اور حرام کا ارتکاب نہ کریں واجب ہم سے چھوٹنے نہ پائے اور حرام ہم سے ہونے نہ پائے۔

مالی واجبات:

اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اگر واجب ہے وہ کن کن مقامات پر واجب ہے اور اس کا تذکرہ کیسے ہے؟ مالی واجبات میں سے زکوۃ اور خمس ہے زکوۃ کی دو قسمیں۔ اول زکوۃ مال اور دوم زکوۃ بدن۔ زکوۃ مال جیسے گندم کی زکوۃ دینا اور زکوۃ بدن جیسے عید کے دن فطرہ دینا عید کا دن آئے تو فطرہ واجب ہے یا مستحب۔

واجب ہے تو شوہر پر زوجہ کا یا زوجہ پر شوہر کا ؟

جو لوگ قَبِلْتُ کہتے ہیں سہرے پہن کر اور قَبِلْتُ اور اَنکَحتُ کہہ کر اس تقریب کو چوٹی

تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے اے دولہا صاحب آپ کو یاد ہونا چاہیئے کہ جب آپ نے قُبِلْتُ کہہ دیا تو اس کے ذریعے آپ نے اپنی دلہن کا فطرہ اپنے ذمے لے لیا اس قبولیت نکاح کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں لے لیا اور اس طرح مجھ پر تیرافطرہ واجب ہوگیا اور اولادیں ہوں گی تو اس حوالے سے ان کا فطرہ بھی واجب ہوجائے گا اور اس اعتبار سے ہم اس کو زکوۃ بدن سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر زوجہ نافرمان ہوجائے اورشوہر کی اجازت کے بغیر اپنے والدین کے گھر جا کر بیٹھ جائے شوہر بلائے اور وہ نہ جائے اور نافرمانی کی فہرست میں چلی جائے کیا ایسی زوجہ کا خرچہ اس کے شوہر پر واجب رہے گا ؟

روٹھنے والیاں جو ناجائز انداز میں گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہیں اور وہ والدین جو بغیر کسی وجہ کے اپنی بیٹی کو اس کے شوہر کی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں تو وہ مجرم ہیں اور درگاہ الٰہی میں اگر وہ معافی نہ مانگیں تو قابل بخشش نہیں ہیں۔

بعض والدین سمجھتے ہیں کہ نکاح کے باوجود ان کا حق بیٹی پر زیادہ ہے نہ کہ اس کے شوہر کا۔ ایسے والدین متوجہ ہوں رشتہ دینے سے پہلے جتنا سوچنا ہے سوچ لو کیونکہ بیٹی دینے کے بعد تمہاری نسبت تمہارے داماد کا زیادہ حق ہے۔

انفاق فی سبیل اللّٰہ اور فطرہ:

انفاق فی سبیل اللّٰہ واجب ہے جس کا خرچہ ذمہ ہے اس کا فطرہ بھی واجب ہے عورت کے خرچے کو خدا نے شوہر کی اطاعت کے ساتھ پیوست کردیا ہے۔ نافرمان عورت جو اپنے شوہر سے خرچہ لینے کی حقدارنہیں رہی اب اس کا فطرہ اس کے شوہر پر واجب نہیں مگر اب اس کا فطرہ کون دے گا؟

اس کا فطرہ خود اس کے اپنے ذمہ ہے۔ ہاں اگر والد خرچہ دے رہا ہے تو فطرہ والد کے ذمے ہے اور یہ خود کما رہی ہے تو اس کے اپنے ذمہ رہے گا۔ یاد رکھئے مجلسوں میں آنا،

زیارتیں کرنا، خرچ کرنا، نعرے لگانا اور صلواتوں سے اپنی محفلوں کو پررونق کرنا، اس سے غریبوں کا پیٹ نہیں بھرتا۔ مساکین اور بے کسوں کی مدد فقط مجلسوں سے نہیں ہوتی۔ تم روزانہ سینکڑوں رکعتیں پڑھو لیکن اس سے مستحقین کی مالی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے خدا نے انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم صادر فرمایا ہے ہمیں عملی طور پر بھی اپنے رزق میں سے اس کی ادائیگی کرنی چاہیئے۔

خداوندعالم فرماتا ہے!

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(سورۃ المنافقون، آیت ۹۔۱۰۔۱۱)

اے ایماندارو تمھارے مال اور تمھاری اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ گھاٹے میں رہیں گے اور ہم نے جو کچھ تمھیں دیا ہے اس میں سے کچھ کو (خدا کی راہ میں) خرچ کرڈالو قبل اسکے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو (اسکی نوبت نہ آئے کہ) کہنے لگے کہ پروردگارا تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تا کہ خیرات کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہوجاتا اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو خدا اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ، خمس و زکوٰۃ:

جس طرح کچھ مرد حضرات صاحبِ زمین ہوتے ہیں اسی طرح بعض خواتین بھی صاحب زمین ہوسکتی ہیں کیونکہ باپ کی طرف سے ملنے والی زمین وراثت یا شوہر کی طرف سے مہر کی صورت میں ملتی ہے اور جس نے واجبات کے باوجود زکوۃ وخمس سے قدم پیچھے ہٹایا گویا مال کی محبت نے اسے ذکر خدا سے دور کردیا جو ذکر خدا سے غافل ہوگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

خمس بھی انفاق فی سبیل اللہ کے واجب احکام میں آتا ہے یہ جو کراماً کاتبین کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے وہ خمس و زکوٰۃ کا جائزہ بھی لیتے ہیں یا نہیں؟ یا فقط نماز لکھتے ہیں یا ان کے رجسٹرڈ میں خمس و زکوٰۃ کا باب بھی ہے۔

ہر عمل خیر کا ریکارڈ بھی انہیں کرنا ہے اور ہر عمل شر کا ریکارڈ بھی انہوں نے کرنا ہے۔ (القرآن)

نیکی کا رواج:

رب کائنات کے حساب و کتاب میں وہ سارا رزق نوٹ ہے جو اس نے ہم سب کو عطا کیا ہے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم ان عبادات کو تو آسانی سے انجام دے لیتے ہیں جن کا رواج قائم ہوچکا ہے اور ان عبادات کو ذرا ٹالنے کے عادی ہوجاتے ہیں جن کا رواج نہیں ہوتا ہے ہمارے معاشرے میں ماتم داری، مجلس خوانی، تعزیہ برداری اور نذر و نیاز جیسی عبادات کا بزرگان نے رواج ڈالا ہے اس لئے لوگ ان امور پر آسانی سے خرچ کرلیتے ہیں اور خرچ ہونا بھی چاہیئے لیکن خمس و زکوٰۃ کا بزرگان نے رواج نہیں ڈالا اور بچوں نے اپنے باپ کو گھر میں سالانہ بچت اور خمس کے واجبات کا حساب و کتاب کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ہے تو اس کو اس رواج کا پتہ نہ چلا اور وہ رائج نہ ہوسکا تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارے بزرگان نے جس نیکی کو رائج نہیں کیا تو ہم بھی اس کو چھوڑ دیں۔

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

من سن سنة حسنة فله أجر من عمل بها الى يوم القيامة

و من سن سنة سيئة فعليه وزر من عمل بها الى يوم القيامة

اگر کسی نیکی کی سنت کوئی شخص قائم کر جائے گا اور قیامت تک جتنے لوگ اس سنت پر عمل کرتے رہیں گے تو اس کو ان تمام نیک آدمیوں کے برابر اجر ملا کرے گا جو اس پر عمل کریں گے۔

خمس کی ادائیگی کا رواج:

بزرگوں نے زکوۃ وخمس کی رسم نہ ڈالی تو ہمیں اس کو رائج کرنا چاہئے اور اپنی ازواج اور اولاد کو اس سے آگاہ کرنا چاہئے تاکہ انفاق فی سبیل اللہ کی رسم ہماری نسلوں میں شامل ہوجائے۔ جن لوگوں نے عزاداری کی بنیاد رکھی تھی آج جو لوگ بھی اسے انجام دیتے ہیں، گریہ کرتے ہیں تو اس کی بنیاد رکھنے والوں کو بھی اس کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

ہمارے آباو اجداد تک پہنچنے کے لئے یہ عبادت وسیلہ بنتی ہے تو پھر خمس والی عبادت بھی ہم چاہتے ہیں کہ پانچ سو سال بعد بھی ہمارے نامہ اعمال میں لکھی جائے کیونکہ انسائی رزق کا حصہ انسان کو بنام امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف، غربا، یتامیٰ اور سادات میں بھی دینا پڑتا ہے کیونکہ سادات پر زکوٰۃ کو حرام کردیا ہے اس کی جگہ خمس کو رکھ دیا گیا ہے اور جب خمس ہماری اولادوں میں رواج پاجائے گا اور جب تک ہماری نسلوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا یہ سلسلہ رائج رہے گا تو اللہ ہمارے نامہ اعمال میں ان نیکیوں کے ثواب کو داخل کرتا رہے گا۔

خداوند عالم خمس کے متعلق فرماتا ہے!

وَاعۡلَمُوۡا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ

(سورۃ انفال، آیت ۴۱)

اے لوگو! اللہ نے جو تمہیں دیا ہوا ہے اس کا خمس نکالو، اللہ کے لئے رسول کے لئے، آئمہ معصومینؑ کے لئے، سادات، غرباء اور مسافروں کے

لئے اور ان کا حق ادا کرو۔

محافظانِ شریعت:

وہ ہستیاں جنھوں نے دین بچانے کے لئے میدان کربلا میں اپنے سر قربان کرائے تھے اور جن کی بیٹیوں اور خواتین نے دین کی نصرت کے لئے پردہ قربان کیا تھا ان کی نسلوں کا بھی ہم پر کوئی حق بنتا ہے یا نہیں؟

جبکہ دوسری طرف ہم کہتے ہیں کہ ہمارا دین سید زادوں نے بچایا ہے جن میں سے ہر ایک شہزادہ قیمتی فرد تھا کائنات کے سارے جوان ایک طرف اور ہم شکل پیمبرؑ ایک طرف۔ کائنات کے سارے جوان ایک طرف اور حضرت ابوالفضل العباسؑ آپ کی جوانی ایک طرف، کائنات کے سارے وفا شعار ایک طرف مگر اے دریا سے خشک لب لے کر واپس آنے والے تیری وفا کی قیمت ایک طرف۔

علی قتّالُ العَرَب

میدانِ عرفات:

شہدائے کربلا کی قربانیوں کے مثبت اثرات اور قربانی امام حسین علیہ السلام کے نورانی اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ دین اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور ایک یہ ہے کہ مسلمانان عالم کے لئے شہادت امام حسین علیہ السلام رمز وحدت ہے۔ اس کے علاوہ بہترین و موثر نتیجہ اس کا یہ بھی ہے کہ اللہ نے اس پاکیزہ ذکر کو حاجات کی برآوری اور مشکلات کی حلالی کا وسیلہ بنایا ہے۔

میدان عرفات میں ایک مومن کو دیکھا گیا کہ وہ انتہائی تضرع و زاری اور خضوع و خشوع کے ساتھ دھوپ میں بیٹھا دعاؤں میں مصروف تھا۔ اس کے قریب ایک شخص اس کے دعا کے انداز سے متاثر تھا وہ اس کے قریب پہنچا اور اس کی دعا کے جملے کافی دیر تک سنتا رہا لیکن اس نے ایک عجیب نقطہ یہ محسوس کیا کہ میدان عرفات میں بیٹھا ہوا یہ مومن جتنی دعا مانگ رہا تھا اپنی ذات کے لئے کوئی دعا نہیں مانگ رہا تھا۔ بالآخر اس شخص نے اس بندہ مومن سے پوچھا کہ میں تیرے اس انداز دعا سے بہت متاثر ہوں۔ اس مومن نے کہا، میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے مولا و آقا امام صادق علیہ السلام کے حکم کے مطابق کر رہا ہوں۔

امام صادق آل محمد نے فرمایا!

> اے بندہ مومن تو اپنے لئے بھی کوئی حاجت رکھتا ہے تو اسے بھی دوسرے مومنوں کے لئے اللہ سے طلب کر اور اللہ بلند ہے اس بات سے کہ اس مومن کے سبب تیری دعا کو قبول کرے لیکن تیرے لئے اس حاجت کو قبول نہ کرے۔ اسی لئے میں نے یہ انداز اپنایا ہے کہ میں کیوں اپنی ذات کے مانگنے کے لئے وقت صرف کروں۔

مومن کی کامیابی:

خداوند عالم کا فرمان ہے کہ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورۃ المومنون، آیت ۱)

یقیناً صاحبانِ ایمان کامیاب ہوگئے۔

عجیب آیت قرآنی ہے کہ اللہ یہ نہیں کہہ رہا کہ کامیاب ہوجائیں گے مومن بلکہ کامیاب ہوگئے مومن، جو مومن آئے ہی نہیں وہ کیسے کامیاب ہوگئے۔ ان کے ماضی کے ساتھ ان کو تعبیر کرنے کا مقصد کیا ہے۔ کیا رب العزت یہ کہنا چاہتا ہے کہ جو اس آیت سے پہلے مومن تھے وہ کامیاب ہوگئے یہ مقصد بھی قرآن مجید کا مطلوب نہیں قرآن ماضی کا قصہ بیان نہیں کررہا ہے بلکہ تمام مومنین کو یہ نوید سنا رہا ہے۔

اے مومنو ! یقین رکھو کامیابی تمہارا مقدر ہے۔ قرآن مجید کی تاویلات ہمارے لئے قابل غور ہوتی ہیں اور قرآن کا انداز ہو یا اہل فصاحت و بلاغت کا انداز ہو۔ مومن کامیاب ہوگئے۔ مومن کی کامیابی کا کچھ تعلق مستقبل کے ساتھ ہے لیکن وہ کامیابی موت کے بعد جنت کی شکل میں ملنا ہے لیکن قرآن کہتا ہے اے ایمان لانے والے اگر ایمان پختہ ہے تو یقین رکھیں کہ کامیابی بھی یقینی ہے بشرطیکہ ایمان مشکوک نہ ہو مومن ہونے میں کوئی شک نہ ہو ایک پہلو یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مومن سمجھیں اور ایک یہ ہے کہ اللہ ہمیں مومن سمجھے اللہ تو بالواسطہ کسی کے مومن ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے لئے اس نے ان ہستیوں کو بھیجا ہے کہ جب تک ان پر ایمان نہ لاؤ گے اس وقت تک اللہ پر ایمان نہیں۔ اگر ایمان کے بارے میں یقین حاصل کرنا ہے تو ان اہل بیتؑ کی درگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا کہ ان کے یہاں خالق کے حکم کے خلاف کوئی بھی بات نہیں کہی جاتی ہے۔

محبت علی امیرالمومنینؑ، میزانِ ایمان:

کوئی امر ایسا بھی تھا جو لوگوں میں نبی کی محبت کا باعث بن جاتا تھا لیکن علیؑ کی محبت کا باعث نہ بنتا تھا۔ اب سوچنا پڑے گا کہ آخر وہ کون سا کام ہے جو علیؑ المرتضی کرتے تھے تو لوگ ان سے محبت نہ رکھ سکتے تھے تو غور کرنے پر بڑی سادگی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ امیرالمومنین علی

ابن ابی طالب کے کچھ اقدامات ایسے ہیں کہ جن اقدامات کی وجہ سے لوگ جو نبی سے تو محبت رکھ لیتے ہیں مگر علیؑ سے محبت نہیں رکھتے ان اقدامات کا اگر جائزہ لیں تو پھر علیؑ کا اس میں قصور تو کوئی نہیں لیکن لوگوں کو وہ اقدامات پسند نہیں اور وہ بات یہ ہے کہ وہ کسی کے باپ، بھائی، بیٹے کو قتل کر دیتے ہیں۔

امیر المومنین علیؑ ہیں قتال العرب:

آج کے دور میں علیؑ کو قتال العرب کہنا آسان نہیں قتال کا لفظ اس کے لئے بولا جاتا ہے جو سب سے زیادہ قتل کرنے والا ہو ایک ہوتا ہے قاتل اور دوسرا ہوتا ہے قتال۔ ہم اپنی اذانوں میں کہتے ہیں قاتل المشرکین یعنی علیؑ نے کوئی ایسا مشرک خاندان نہیں چھوڑا تھا جس خاندان میں علیؑ کی تلوار نے انکا کوئی نہ کوئی مارا نہ ہو۔

اب وہ مارے جانے والے تعداد میں بہت ہیں اب اگر ان میں سے کوئی آ کر مسلمان ہو جائے ایسا کہ جس کے دل میں حُبِ نبیؐ اس حد تک ہے کہ اے نبی میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اگر چہ تو میرے باپ کو ہی کیوں نہ مروا دے بشرطیکہ وہ باپ مارے جانے کے لائق ہو۔ نبیؐ اس وقت تک کسی کے قتل کا حکم نہیں دیتے جب تک وہ قتل کے قابل نہ ہو اور جب نبی حکم دے تو پھر علیؑ پس و پیش کرنے والے نہیں پھر کسی کا باپ، بھائی، ماموں یا بیٹا آ گیا۔ اگر مسلمان ہونے کے بعد اسلام میں ہے اتنا مخلص اور اسلام و قرآن میں ہے اتنا محکم اب اگر چہ علیؑ نے میرے باپ کو مارا ہے بھائی کو مارا ہے لیکن قتل کیا ہے نبی کے حکم کے مطابق اور نبی سے مجھے محبت ہے تو اب مجھے اس سے بھی محبت کرنا پڑے گی جس نے نبی کے حکم سے یہ قتل کیا تھا یعنی علیؑ سے بھی محبت کرنا پڑے گی پس اگر ایمان یہاں پہنچا کہ اس قاتلِ پدر سے بھی محبت کرنے لگا تو پھر ہے مومن۔ انشاء اللہ

ہم اب تک اس امتحان سے بچے ہوئے ہیں یہ امتحان ان لوگوں پر تھا جن کا باپ کافر، بیٹا مسلمان، اتنا سخت امتحان اس دور میں تھا اس دور میں ایمان کو پہچاننے کے لئے اس

امر کی ضرورت ہوتی تھی کہ آیا اس کے دل میں علیؑ کی بھی محبت ہے یا نہیں کیونکہ کچھ لوگ ایسے تھے جو علیؑ کو اور نگاہوں سے نبی کو اور نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

رسولؐ نے صحابہ کو یہ فارمولا دے دیا تھا اگر مومن کو پہچاننا ہے تو فقط ان نگاہوں کو نہ دیکھو جو میرے بارے میں تمہیں نظر آئیں بلکہ یہ دیکھو علیؑ کے بارے میں نگاہیں کیسی ہیں اگر نگاہ میں علیؑ کی محبت نظر آئے تو سمجھ لینا کہ وہ مومن ہے اور علیؑ سے ناراضگی نظر آئے تو سمجھ لینا وہ منافق ہے۔

بعد از وفات رسول:

رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد علیؑ حیدر کرار کے خلاف جو ماحول بنا وہ بے سبب نہ تھا اس کے کچھ عوامل اور اسباب تھے۔

ہم اپنے مقام پر غور کریں تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ پڑھ لینا اسلام تو ہوسکتا ہے ایمان نہیں ہوسکتا کیونکہ ایمان اس وقت ہوتا ہے جب لا الہ الا اللہ کی حقانیت پر اتنا یقین ہو اور محمد رسول اللہؐ کی حقانیت پر اتنا یقین ہو کہ اے لا الہ الا اللہ اور اے محمد رسول اللہؐ اگر آپ میرے اپنے قتل کا بھی حکم دے دیں تو میں قاتل سے بھی محبت کروں گا اور تم سے بھی۔

مودت برائے مفاد، مودت برائے قربانی:

جس کے دل میں علیؑ کی محبت نہ آئی اگرچہ وہ محمد رسول اللہؐ پڑھ کر رسول کی محبت کا اعلان کر رہا ہے تو اس محبت میں بھی کھوٹ موجود ہے کیونکہ یہ مفاد کے لئے تو رسولؐ اللہ کو مانتا ہے قربانی کے لئے رسول کو نہیں مانتا۔ اس اصول کو آگے بڑھایئے اور آج کے دور میں بھی جائزہ لیجئے آیا ہم سب جو اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں جن جن پر ایمان لائے ہیں کسی مفاد کے لئے یا قربانی کے لئے؟

آیا ہم یا علیؑ مدد لینے کے لئے پکارتے ہیں یا قربانی کے لئے؟

اگر پانچ لاکھ روپے بنام علیؑ مل جائیں تو لینے کے لئے ماشاء اللہ حاضر اور اگر اس

میں سے ایک لاکھ بنام علیؑ حیدر کرار دینا پڑ جائے تو کیا دے دیں گے؟

کیونکہ اگر دولت ملے تو ہم ہر طرح کے فضائل و مناقب شروع کردیں گے لیکن کیا مکتب علیؑ قربانی بھی مانگتا ہے یا نہیں؟ یا قربانی پہلے زمانے کا کام ہوتا تھا!

اس لئے اپنے ایمان کا جائزہ لیں کہ ایمان میں کوئی ایسا روگ نہیں ہونا چاہئے جب وہ امتحان کے لئے پرکھا جائے تو وہ خالص سونے کی طرح ثابت نہ ہو بلکہ اس میں مفاد پرستی کا روگ نظر آئے اگر مفاد پرستی ایمان میں شامل ہوگئی ہے تو موت سے پہلے ایسے ایمان کو خالص کرلیں کیونکہ فلاح خالص ایمان کے لئے ہے۔ کھوٹے ایمان کے لئے نہیں ہے۔ شیطان کے پاس ایمان کو نقصان پہنچانے کا حربہ موجود ہے۔

اے کربلا کے ذکر کو سننے والو!

ان کو خراج عقیدت پیش کرنے والو!

جب ہم ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں تو اپنے ایمان کو ان کے ایمان کے ترازو میں تولیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ وہ خالص سونے سے بھی زیادہ خالص تھے وہاں ایک رائی کے برابر بلکہ سوئی کی نوک برابر بھی کھوٹ نظر نہیں آئے گا۔

سفیر حسین ابن علی، مسلم ابن عقیل :

اس ہستی کا ایمان کتنا عظیم ہے جس کو امام حسینؑ کوفہ کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر بھیجیں۔ حضرت مولائے کائنات نے رسول اکرمؐ سے پوچھا تھا یارسول اللہؐ آپ کو میرے بھائی عقیل ابن ابی طالب سے کتنی محبت ہے تو رسول نے کہا کہ عقیل سے محبت دو وجوہات کی بنا پر ہے ایک میرے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کو حضرت عقیل سے محبت تھی اور دوسرے عقیل کے بیٹے حضرت مسلمؑ ابن عقیل میرے بیٹے حسینؑ ابن علیؑ پر قربان ہوگا اور اس بات سے میں اس کے باپ سے محبت کرتا ہوں کہ اس کے بیٹے نے میرے دین پر قربان ہونا ہے۔

آج شہادتوں کا میدان گرم ہوا ہے بہت سارے باپ ایسے ہیں جن کے سامنے

نوجوان بیٹے کا لاشہ تڑپا ہے اور انہوں نے اس شہادت پر صبر وحلم سے کام لیا ہے اے شہداء کے والدین تمہاری محبت رسولؐ کے دل میں نظر آتی ہے۔

امام حسین ابن علیؑ نے حضرت مسلمؑ ابن عقیل کو کوفہ میں بیعت کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا گویا حسینؑ ابن علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اللہ و رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے اسی لئے امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ جس نے مسلم ابن عقیلؑ کے ہاتھ پر بیعت کی اس نے میرے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آج مسلمؑ کا ہاتھ ید اللہ بنا ہوا ہے بیعت کرنے والا اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ بیعت میں مخلص نہ ہو جب حضرت مسلمؑ ابن عقیل کوفہ پہنچے تو پہلے ہی مرحلے میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی معلوم نہیں ان بیعت کرنے والوں کا ایمان کیسا تھا اور قلب کی کیفیت کیا تھی۔

تاریخ نے اس رات کو بیان کیا ہے حضرت مسلمؑ ابن عقیل نے نماز مغرب پڑھائی تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ پیچھے موجود تھے اور جب نماز عشاء پڑھائی تو تیس کی تعداد رہ گئی تھی اور جب حسینؑ ابن علیؑ کے اس سفیر نے نماز کا سلام پھیرا تو کوئی ایک بھی ان کے پیچھے موجود نہ تھا اور لوگ ابن زیاد کے مظالم سے ڈر کر حضرت مسلم ابن عقیل کی بیعت توڑ کر چلے گئے۔ مسلم ابن عقیل کوفے کی گلیوں میں جا رہے ہیں اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ ایک بڑھیا کو دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا اور کہا کیا مجھے پانی مل سکتا ہے تو وہ پانی لائی اور آپ نے پانی پیا۔ پانی پینے کے بعد جب اس بڑھیا نے حضرت مسلمؑ کو گھر کے باہر کھڑے دیکھا تو کہا چلا جا اپنے گھر۔ سر جھکایا ہوا ہے۔ اس مومنہ نے دوبارہ یہ جملہ کہا مگر حضرت مسلمؑ کی مظلومیت، سر جھکایا ہوا ہے تو تیسری مرتبہ اس کے جملے میں کچھ تبدیلی آئی اور کہا کہ اس رات کے وقت میرے دروازے پر آپ کا یوں کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے اور میں تمھیں یہاں کھڑے رہنے کی اجازت نہیں دیتی!

اس وقت حضرت مسلمؑ کانپنے لگے اور ان کی زبان پر یہ جملہ آیا کدھر جائے وہ جس کا

کوفہ میں کوئی گھر نہ ہو۔ بڑھیا بولی بتاؤ تم کون ہو تو آپ نے فرمایا میں مسلمؑ ابن عقیلؑ ہوں امام حسینؑ کا سفیر بن کر آیا ہوں۔ کوفے والوں نے وفا نہیں کی یہ سنتے ہی مومنہ نے دروازہ کھول دیا۔ انہیں کھانا کھلایا مگر چونکہ حضرت مسلمؑ اس راہ کے راہی تھی جس پر انہیں کربلا کی طرح شہادت پانا تھی اس لئے مسلمؑ نے کھانا تناول نہ کیا اور ساری رات عبادت، سجدہ، رکوع، مناجات، تلاوت اور نماز تضرع و نالہ میں مشغول رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ کے مکتب کا شہید جہاں بھی ہو اس کی شب شب عاشور کی طرح ہوتی ہے۔

عقیدہ توحید کی حرمت

ذکر خدا کی حقیقت:

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (سورۃ الاحزاب، آیت ۴۱)

ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔

ذکر خدا تنہاء اللہ کے نام لینے تک محدود نہیں ہے بیشک یا اللہ کہنا بھی ذکر خدا ہے اللہ اکبر کہنا بھی ذکر خدا ہے لا الہ الا اللہ کہنا بھی ذکر خدا ہے سبحان اللہ کہنا بھی ذکر خدا ہے مگر زبان کا ذکر اس وقت تک ذکر نہیں بنتا جب تک یہ ذکر آپ کے قلب میں داخل نہ ہوجائے جب تک یہ ذکر دل کی آواز نہ بن جائے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک انسان ان ہستیوں کا سچا عاشق نہ بن جائے جنہوں نے ذکر خدا کے لئے اپنا سب کچھ لٹایا، بہت سے افراد بسا اوقات الفاظ تک محدود رہنے کی کوشش کرتے ہیں یاد رکھئے الفاظ اس وقت تک قیمت نہیں پاتے جب تک ان کے مفاہیم کا ادراک نہ ہو اور مفاہیم کا ادراک اس وقت تک قیمت نہیں پاتا جب تک وہ ایمان کی شکل اختیار نہ کرے اور ایمان کی شکل اس وقت تک نہیں بنتا جب تک قلب کے خانہ محبت میں داخل نہ ہو اور جب وہ چیز خانہ محبت میں داخل ہوجائے تو پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کی زندگی اس محبوب کے لئے وقف ہوجاتی ہے۔

انسان سوچتا ہے تو اسی محبت کی بنیاد پر، انسان ارادہ کرتا ہے تو اسی محبت کی بنیاد پر، انسان فیصلہ کرتا ہے تو اسی محبت کی بنیاد پر، انسان اقدام کرتا ہے تو اسی محبت کی بنیاد پر، غرض کہ انسانی فیصلہ، اقدامات، کردار و سیرت اس وقت اتباع محمد و آل محمد سے عبارت بن جاتا ہے لہٰذا اس لئے ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ دلوں میں محبت اہل بیتؑ کے نور کو داخل کیا جائے جن کا ذکر خدا کا ذکر ہے۔

وَّسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا (سورۃ احزاب، آیت ۴۲)

اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

تسبیح کیا ہے تسبیح اپنے اللہ کو ان عیوب و نقائص سے منزہ و مبرہ ماننا ہے جو اللہ کی ذات کے لائق نہیں ہے بہت سے لوگ سبحان اللہ کہنے کو تسبیح سمجھتے ہیں اور جب کبھی امتحان کا وقت آتا ہے تو وہ خالق کی طرف ایسے جملوں کو منسوب کردیتے ہیں جو دراصل لفظ سبحان اللہ کے خلاف ہوتے ہیں جبکہ ہمارا کردار تسبیح نہیں بنتا زبان تسبیح بن جاتی ہے اس لئے جب تک کردار تسبیح والا نہ ہوگا اس وقت تک انسان خدائے بزرگ و برتر کی عظمت و جلالت کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

موت پر ظلم کی نسبت :

مثلاً خدا نہ کرے کسی شخص کا جوان بیٹا فوت ہوجائے اور کہنے والے کہیں ظلم ہوگیا ہے جبکہ اسے کسی نے قتل نہیں کیا اور کوئی اس کی موت کا ذمے دار نہیں ہے بلکہ موت اس کی طرف سے آئی ہے جس نے اسے زندگی دی تھی اور اس وقت آپ خوش ہوئے تھے اور اب موت آنے پر شکوہ کیسا، اگر کوئی کہے کہ ظلم ہوا ہے تو اس ظلم کی نسبت کس کی طرف ہے کون ہے جس کو آپ ظالم قرار دے رہے ہیں؟ ہمارے معاشرے میں کچھ ایسے جملے کہے جاتے ہیں جو ناسمجھی و نافہمی میں رواج کی شکل اختیار کرچکے ہیں اور پھر رواجات و رسومات کی شکل اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا عقیدہ ونظریہ بن جاتے ہیں اگر کوئی عالم دین اس پر تبصرہ کرے تو بہت حیرت کی جاتی ہے لیکن جب اصلاحی گفتگو ہوتی ہے تو کم سمجھ وکم ظرف لوگ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے علماء کی مخالفت شروع کردیتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دین کو بگاڑنے کی کوشش کرنے لگ جاتے ہیں۔

یاد رکھئے امام حسینؑ نے شہزادہ علیؑ اکبر کو دین بچانے کے لئے قربان کیا تھا۔

موت بھیجنا اللہ کا کام ہے عزرائیل و ملک الموت کو کس نے پیدا کیا اپنے آپ کو محی و ممیت کون کہتا ہے قرآن مجید حیات وموت کی ذمہ داری کس کے ذمہ لگاتا ہے یاد رکھئے اس نظام کائنات کے خالق نے کائنات کو خلق کر کے اپنے آپ کو معطل و فارغ نہیں کردیا۔

صفات قیومی:

بلکہ ہم جب آیت الکرسی میں پڑھتے ہیں تو اس لفظ پر ذرا غور کیا کریں

اَللّٰہُ لَااِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ......

اللہ وہ ہے کہ نہیں ہے لائق عبادت مگر وہی خود حیّ ہے اور قیوم ہے۔

قیوم ہونا اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اللہ کے کمالات میں سے ایک کمال ہے اور ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم اللہ کو قیوم مانیں۔

لیکن قیوم ماننے کا مطلب کیا ہے قیوم کون ہوتا ہے؟

قیوم وہ ہوتا ہے کہ مخلوق جس کے صدقے قائم ہے جس نے پوری کائنات کو قائم رکھا ہوا ہے قیوم قیام سے ہے قیوم وہ ہستی ہے جس نے پوری کائنات کو بحال رکھا ہوا ہے اس کا نظام، قیام، دستور، اصول اور اس کے سارے معاملات اللہ کے ساتھ مربوط ہیں ۔ اس لئے آئمہؑ طاہرین کا ہمیں یہ درس ہے کہ ایمان رکھو کہ ایک پل کے لئے بھی کائنات اپنے قیوم خدا سے جدا نہیں ہوسکتی اور خدا کی قیومیت سے کائنات کا کوئی ذرا کبھی نہیں نکل سکتا بلکہ اللہ اپنی قیومیت کسی کے حوالے نہیں کرسکتا۔

اللہ قیوم تھا قیوم ہے قیوم رہے گا الحی القیوم کا یہ مطلب نہیں کہ آج قیوم ہے کسی زمانے میں نہیں تھا۔ وہ قیوم ہے کائنات کا کوئی ذرہ اس کی قیومیت سے خارج نہیں ہوسکتا اللہ اپنے علاوہ کسی اور کو قیوم نہیں بنا سکتا۔

کیا اللہ کسی کو قیوم بنا سکتا ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا شریک بنا سکتا ہے؟ نہیں۔

قدرت خداوندی:

جس کو ہم کہتے ہیں ان اللہ علی کل شیء قدیر، اللہ ہر شئے پر قادر ہے جب وہ ہر شئے پر قادر ہے تو کیا اللہ اپنے جیسا کوئی اور اللہ بنا سکتا ہے؟ اللہ دوسرا اللہ نہیں بنا سکتا کیونکہ دوسرا خدا ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے کا دائرہ ممکنِ عقلی تک ہے ناممکن عقلی تک نہیں۔ بہت سے افراد ناممکن کو ممکن کہہ دیتے ہیں اور ممکن کو ناممکن، کیونکہ ہم اپنی قدرت کی

طرف توجہ کرتے ہوئے ممکن و ناممکن کا فیصلہ کرتے ہیں حالانکہ ہمیں ممکن عقلی اور ناممکن عقلی کا فیصلہ اپنی طاقت کے دائرے سے نکال کر کرنا چاہئے تو پھر یہ حقیقت سمجھ میں آئے گی کہ مثلاً کیا انسان مٹی کو سونا بنالیتا ہے؟ جواباً انسان کہے گا مٹی کو سونا بنانا میرے لئے ناممکن ہے۔

مگر اسی مٹی کو سونا بنانا علیؑ امیرالمومنین کے لئے ممکن ہے۔ یہ روایت ہمارے سامنے ہے کہ علیؑ حیدرکرار ایک یہودی کے یہاں قرضہ لینے پہنچے یہودی نے یہ جملہ کہا ادھر تو یہ کہتے ہو کہ زمین و آسمان کے خزانے ہمارے دست و قدرت میں ہیں اور پھر قرضے مانگنے کے لئے ہمارے دروازے پر آجاتے ہو۔ علیؑ حیدرکرار کے سامنے ایک کچی دیوار کھڑی تھی اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے اگر میں کہوں اے دیوار سونا بن جا تو دیوار سونا بن جائے گی اور ادھر دیوار سونا بن چکی تھی۔

یہودی حیران تھا پس ضروری نہیں جو ہمارے لئے ناممکن ہو وہ اولیاء اللہ کے لئے ناممکن ہو جو چیز اولیاء کے لئے ناممکن ہو وہ اللہ کے لئے بھی ناممکن ہو اللہ کا ناممکن اور ہے اور ہمارا اور دوسروں کا ناممکن کچھ اور ہے ہر ہستی کا اپنا اپنا دائرہ ہے اور ہر ایک کی اپنی شان ہے۔

لفظ سبحان اللہ کی حقیقت:

اس لئے جب لفظ سبحان اللہ کہتے ہیں تو پھر یہ سوچنے کی بھی کوشش کریں وہ کون کون سی چیزیں ہیں، وہ کون کون سے اوصاف ہیں جو اللہ کی شان کے لائق نہیں ہیں اور وہ جو ہم کہہ رہے ہیں ایسا نہ ہو زبان پر سبحان اللہ ہو اور دوسرا جملہ سبحان اللہ کی مخالفت کر رہا ہو کیونکہ خدا نہ انبیاء و مرسلین کا محتاج ہے نہ ہی اہل بیتؑ کا۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ یقیناً کسی کا محتاج نہیں ہے ہم ہر مقام پر سبحان اللہ کہتے ہیں اور تسبیح حضرت زہرا سلام اللہ علیہامیں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتے ہیں اور دل میں تصور کرتے ہیں کہ اے زہرا سلام اللہ علیہا (یعنی جسے میں زہراؑ کہہ رہا ہوں وہ بھی ہر عیب سے پاک ہے)۔

تسبیح زہراء:

ان کے تسبیح والے تحفہ کو ضائع نہ کرنا اس کو بے قدر و قیمت نہ سمجھنا اگر اس سے بہتر کوئی تحفہ ہوتا تو رسول اکرمؐ اپنی بیٹی کو اس سے اچھا تحفہ عطا کرتے اس لئے حضرت زہرا بتول نے اس تحفہ میں بخل نہیں کیا جو جو حضرت زہرا کو جانتا ہے اس اس تک وہ تحفہ پہنچا ہے۔ تسبیح حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جس کے بارے میں آپ کو علم ہے کہ چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ الحمد اللہ، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور امام صادقؑ کی ہدایت کے مطابق آخر میں ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا اور زیادہ مناسب ہے۔

یہ تسبیح رسالت مآبؐ نے حضرت زہراؑ کو اس وقت عطا فرمائی تھی جب آپ اپنے بابا کے پاس گئی تھیں اور کہا تھا کہ گھریلو کام کاج کے لئے کوئی معاون خاتون میسر آجائے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اے زہراؑ میں تجھے کوئی ایسی چیز نہ دے دوں جو اس سے بھی بہتر ہو۔

خواتیں کی عرفی ذمہ داری :

ہماری خواتین اس اہم نکتے پر غور کریں کیونکہ ہمارے معاشرے کے حوالے سے گھریلو کام وغیرہ کی ذمہ داری خواتین کی ہے اگرچہ وہ شرعی ذمہ داری نہیں ہے مگر عرفی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اللہ انہیں اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ خواتین محنت کرتی ہیں اور زحمت کرتی ہیں اپنے تکلیف اٹھاتی ہیں اور تھک جاتی ہیں بیمار ہوں تب بھی کرتی ہیں ہر قسم کے مسائل و مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے ہماری نماز میں معاون، ہماری عبادت میں معاون، اگر وہ کپڑے نہ دھوئیں تو ہم نماز میں پاکیزہ کپڑے کیسے پہنیں گے اگر وہ کھانا نہ پکائیں تو آپ کیسے توانائی حاصل کروگے ہر وہ خاتون جو اپنے گھر والوں، بیٹوں، بھائیوں، شوہر اور دیگر عزیزوں کے لباس کو پاک کرتی ہیں بے شک وہ اس میں جتنی نمازیں پڑھتا ہے سارا ثواب فقط اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ اس میں اس تعاون کرنے والی کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (سورۃ مائدہ، آیت ۲)

نیکی کے معاملوں میں تعاون کرو۔

لہٰذا ڈنڈا لے کر ان کے پیچھے نہ پڑجایا کرو کچھ ان کے احسانات کو بھی یاد رکھا کرو۔

امور زندگانی:

زہرا بتولؑ اور حضرت امیرالمومنینؑ کے درمیان حضرت رسول اکرمؐ نے کاموں کی تقسیم خود کی تھی فرمایا تھا میری بیٹی گھر کے اندر کے کام انجام دے گی ابوالحسنؑ تم گھر کے باہر کے کام انجام دینا، علیؑ بیرون کے فرائض انجام دیتے تھے پانی لے کر آنا، امور زندگانی کو باہر سے گھر تک منتقل کرنا، جبکہ ہمارے بہت سے لوگ امیر المومنینؑ کے کردار کو فقط ایک معجز نما ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں کہ علیؑ ایسے نواب تھے جو ہر وقت تخت پر بیٹھے رہتے تھے ملائکہ ان کے امور خانہ داری انجام دیتے تھے نہیں دوست جنت کا کھانا کبھی کبھی آتا تھا، رضوان کبھی کبھی کپڑے پہنچاتے تھے۔ حضرت زہرا ؑ گھر کا کام کرتی تھیں علیؑ باہر کا کام کرتے تھے بلکہ گھریلو امور میں بھی علیؑ آ کر مدد کیا کرتے تھے۔ اس لئے روایات میں منقول ہے کہ دیکھا گیا کہ علیؑ گھر میں دال صاف کر رہے ہیں اور اس میں سے چھوٹے چھوٹے پتھر نکال رہے ہیں۔

ھدایت رسول:

اسی لئے رسول کہتے ہیں اے بیٹی بہتر یہ ہے کہ اپنی تسبیحات میں اس تسبیح کو بھی شامل کرلو آپ کو جب یہ تسبیح تعلیم ہوئی تو آپ نے اون کے ایک دھاگے میں گرہیں لگائیں اور اسے اس تسبیح کے گننے کی بنیاد بنایا اور حضرت امیرحمزہ ؓ کی شہادت کے بعد آپؑ نے ان کی قبر مبارک کی مٹی سے تسبیح کے دانے بنائے اور اسے بنیاد بنایا اور پھر آج کے دور تک آئمہ معصومینؑ کی ہدایات کے مطابق کربلا کی خاک کو تسبیح وسجدہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

خاکِ کربلا:

حوریں ملائکہ سے کہتی ہیں کہ زمین پر جا رہے ہو تو ہمارے لئے خاک کربلا بطور تحفہ لیتے آنا، خاک کربلا تحفہ بن کر کہاں جا رہی ہے۔ اب بتایئے حسینؑ تیری قدر خدا کے نزدیک

کتنی ہے اگر آپ کے دل میں کربلا کی محبت ہے شہدائے کربلا کی محبت ہے تو اس کو معمولی نہ سمجھئے ہمیں اس زمین سے محبت ہے جس کی خاک کو حوریں اپنے لئے تحفہ سمجھتی ہیں۔

افکار کربلا اور معرفت توحید:

سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنا بہت بڑی سعادت ہے مگر زبان پر تسبیح ہو اور خیالات و نظریات دل میں ایسے موجود ہوں جس کا سبحان اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ سبحان اللہ کے خلاف ہو۔ ہم کہتے ہیں اللہ اکبر، اس کے کیا معنی ہیں؟ اسی طرح کیا معنی ہے اس لفظ کہ اللہ بے نیاز ہے۔

وہ نہ نبیوں کا محتاج اور نہ رسل کا احتیاج مند، بہت سی باتیں ہمارے معاشرے میں ایسی رائج ہیں کہ ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے مثلاً: اے اللہ تیری توحید نہ بچتی امام حسینؑ کے بغیر......... تو کیا اللہ اپنی توحید میں امام حسینؑ کا محتاج ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کی باتوں میں خاص قسم کی جھول آجاتی ہے اس لئے ان حقائق کو واضح کرنا ضروری ہے امام حسینؑ کا علیؑ اکبر مارا گیا ہے خدا کی توحید بچ گئی۔ اگر اس بات کا خدانخواستہ مطلب یہ ہے کہ علیؑ اکبر کی شہادت کے بغیر توحید نہ بچتی......... اس کا کیا مطلب؟ کیا اللہ وحدہ لاشریک نہ رہتا، آپ کی شہادت کے بغیر........؟ یہ نظریہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی توحید ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہے۔ اس کی ذات سے کوئی توحید سلب نہیں کرسکتا۔ تو پھر لوگوں کے ایسے جملوں کا حقیقی مطلب کیا ہے؟

تو حقیقت یہ ہے کہ شہزادہ علیؑ اکبر نے ہم سب کو توحید کی معرفت دلوائی اور ہمارے عقیدۂ توحید کو بچایا ہے ہم اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے کو تب پہچان سکے ہیں جب راہ خدا میں علیؑ اکبر شہید ہوئے ہیں، علیؑ اکبر نہ ہوتے ہم اللہ سے آشنا نہ ہوتے، معاشرے کو وحدانیت خدا کا پتہ نہ ہوتا، اللہ کو پہچاننے کے لئے ہم علیؑ اکبر کے محتاج تھے اللہ محتاج نہ تھا۔

اس باریکی کو اپنے ذہن میں راسخ کیجئے پوری کائنات، معاشرہ، انسانیت، جنات اور

آنے والی ساری نسلیں شہدائے کربلا کی محتاج ہیں۔ اگر وہ شہادت کو یزیدانِ وقت کے سامنے پیش نہ کرتے تو آنے والی نسلوں کو توحید کی معرفت نہیں ہوسکتی تھی اور نہ اس سے آشنا ہوسکتے تھے، بس ہم عقیدہ توحید میں شہدائے کربلا کے محتاج ہیں۔ اللہ وحدہ لاشریک ہونے میں شہدائے کربلا کا محتاج نہیں ہے اللہ وہ ہے جس نے علیؑ کو علیؑ بنایا پھر بنانے کے بعد محتاج نہیں ہوگیا پس احتیاج اللہ کے لئے کسی طرح ثابت نہ کیجئے۔

امیرالمومنین اور محراب عبادت:

جب علیؑ امیرالمومنین سمجھتے ہیں کہ میں اللہ کا محتاج ہوں تو محراب عبادت میں کھڑے ہو کر اس طرح روتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے کوئی بڑھیا ماں اپنے جوان بیٹے کے لاشے پر رو رہی ہو۔

خبردار! اس روایت کو غلط نہ سمجھنا کچھ لوگ ان باتوں کے بارے میں بھی غلط تبصرے کرنے لگ جاتے ہیں۔

جبکہ روایات آئمہ اطہارؑ میں اس سے بھی زیادہ حقیقتیں موجود ہیں۔ ایک شخص نے علی کو دیکھا کہ وہ لرزے اور کانپے اور ایک دفعہ زمین پر گر گئے۔ حالت یہ ہوگئی کہ بدن میں کوئی حرکت نہ تھی۔ ایک سوکھی لکڑی کی طرح زمین پر تشریف فرما تھے۔ وہ شخص دوڑتا ہوا حضرت زہرا کے دروازے پر گیا اور عرض کی مولا علیؑ تو اس دنیا سے روانہ ہوگئے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے جواب دیا کہ تو نے یہ منظر ایک بار دیکھا ہے میں ہمیشہ علیؑ کے اس منظر کو دیکھتی ہوں۔

حقیقی عبد خدا:

مولا علیؑ کیا کسی جوان سے ڈر گئے تھے۔ پہلوان سے ڈر گئے تھے۔ علیؑ اپنی شجاعت کے معاملے میں لافتیٰ ہیں علیؑ اپنی شجاعت، ولایت و امامت میں بے مثل و بے مثال ہیں امامؑ کا ایک پہلو امت کے سامنے ہوتا ہے اور دوسرا خالق کے سامنے ہوتا ہے امت کے سامنے آپ امامؑ ہیں اور خالق کے سامنے عبد ہیں۔ اس لئے اپنی مناجات میں علیؑ فرماتے ہیں:

اِلٰهِي كَفٰى بِي عِزًّا اَنْ اَكُونَ لَكَ عَبْدًا
وَكَفٰى بِي فَخْرًا اَنْ تَكُونَ لِي رَبًّا
أَنْتَ كَمَا أُحِبُّ
فَاجْعَلْنِي كَمَا تُحِبُّ

(مناجات امیر المومنینؑ در مفاتیح الجنان)

میری عزت کے لئے کافی ہے میں تیرا عبد ہوں،
میرے فخر کے لئے کافی ہے کہ تو میرا رب ہے
میں نے تجھے ایسا پایا جیسا میں چاہتا تھا
تو مجھے ایسا بنا دے جیسا تو چاہتا ہے۔

اس لئے روز و شب اللہ کی تسبیح میں مصروف رہا کرو لیکن تسبیح کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہئے کہ زبان پر لفظ تسبیح اور دل میں عقیدہ کچھ اور ہو اور معاملات زندگی کچھ اور ہوں۔

آزمائش اور کامیابی:

ہر مصیبت کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے خالق نے ہمارے امتحان کے لئے ہمیں خلق فرمایا ہے محمدؐ و آل محمدؐ کو ہمارا پیشوا بنایا ہے، اس لئے کہ ہم آزمائشوں میں ان سے درس حاصل کریں کیونکہ اگر ہم چھوٹے چھوٹے امتحانات میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر ہم نے کربلا کو مانا کس لئے تھا کربلا تو بڑے سے بڑے مصائب پر صبر کرنے کا درس دیتی ہے وہاں مرد تو مرد، خواتین بھی امتحانات میں ایسی کامیاب ہوئی ہیں کہ کائنات کی ساری خواتین کے لئے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، حضرت زینب بنت علیؑ، سکینہ بنت الحسینؑ پیشواء ہیں مصائب کے پہاڑ گرے مگر ان کے عقیدے میں فرق نہ آیا، لغزش نہ آئی اور نہ یہ ظالمین کے سامنے جھکے، مصائب کتنے سخت تھے اور زحمات کتنی زیادہ تھیں آج ہم سن کر برداشت نہیں کرسکتے۔

کربلا کے مصائب جب ہم سنتے ہیں تو ہماری دھاڑیں نکلتی ہیں ہم سن کر برداشت

نہیں کر سکتے اللہ جانے ان بیبیوں نے ان مناظر کو کیسے دیکھا ہوگا اللہ جانے اس کائنات کی سردار خواتین نے ان مشکلات کا مقابلہ کس طرح کیا تھا اس لئے ہم اس خاندان تطہیر سے ہر معاملے میں درس حاصل کریں۔

انشاء اللہ قد افلح المومنون کی آیات کے سائے تلے ان نسخوں سے متعارف کرانے کی کوشش کی جائے گی جو انسان کی فلاح کی ضامن ہیں وہ فلاح دنیا کی بھی ضامن ہیں اور آخرت کی بھی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے ان نسخوں کو امت تک پہنچانے کیلئے، زندہ رکھنے کیلئے، یزیدیت سے بچانے کیلئے، بنی امیہ کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کیلئے، اس کائنات کے شمر و حرملہ کے گزند سے بچانے کیلئے، خاندانِ زہرا سلام اللہ علیہا نے معمولی زحمات برداشت نہیں کی ہیں۔ بہت بڑی قربانیاں ہماری نجات کے نسخے بچانے کیلئے دی ہیں۔

جذبۂ شہادت اور عقیدے کا کردار پر اثر

جذبہ شہادت:

اربابِ ایمان!

پیش آمدہ سنگین ترین حالات جو دشمنانِ آلِ محمدؐ نے ہمارے نظام عزاداری اور اس سلسلۂ عبادت میں رخنہ ڈالنے کے لئے اپنی منحوس سازش کے طور پر اختیار کئے ہیں لیکن ہمارا ایمان ہے کہ ان یزیدیوں کی سازشیں انشاء اللہ ناکام رہیں گی اور مظلوم کربلا اور شہدائے مذہب اہل بیتؑ، شہدائے اسلام کی عزاداری کا سلسلہ حسب سابق جاری و ساری رہے گا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ پوری عظمت کے ساتھ برقرار رہے گا ظالموں کی سازشیں ناکام رہیں گی اور عزاداروں کی مرادیں پوری ہوں گی۔

عزاداری مظلوم کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرنا اور اس سلسلے میں اپنے خون کی قیمت کو پیش کرنا انتہائی مطلوب و مقصود مومن ہے ہمیں آئمہ ہدیٰ علیھم السلام کی دعاؤں میں کچھ دعائیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں شہادت کی دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ماہ رمضان المبارک کی دعائے افتتاح، کتب اعمال و اوراد و وظائف میں ذکر کی گئی ہے۔ بالخصوص مفاتیح الجنان میں شیخ عباس قمیؒ نے آئمہ معصومین علیھم السلام سے نقل کرتے ہوئے منقول فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ میں ایک دعا معصومینؑ کی یہ بھی منقول ہے کہ

اَللّٰھُمَّ ارزُقنِی زِیَارَۃَ قَبرِ نَبِیّکَ وَ قَتلاًفِی سَبِیلِکَ

اے میرے اللہ مجھے اپنے نبی کی قبر کی زیارت کی توفیق عطا فرما اور
مجھے اپنے راستے میں قتل ہونے کی سعادت نصیب فرما۔

جب کوئی مومن اپنے پیشواؤں کی اس قسم کی دعاؤں پر متوجہ ہو تو پھر وہ شہادت سے گریز نہیں کرتا بلکہ شہادت کو سینے سے لگانے کی جرأت اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور اگر اللہ اسے اس لائق سمجھے اور اس کی دعا کو منظور کرلے تو پھر اسے یہ سعادت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک آیت کریمہ بھی اس حوالے سے موجود ہے:

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْمُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۷)

اگرتم راہِ خدا میں مرگئے یا قتل ہوگئے تو خدا کی طرف سے مغفرت اور رحمت ان چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ جمع کررہے ہیں۔

اے مومنو!

اگرتم اللہ کے راستے میں قتل کردیئے جاؤ یا پھر اس راستے میں بغیر قتل کے بھی موت آجائے تو اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی مغفرت اور رحمت بہتر ہے ان خزانوں سے اور ان اموال سے جسے لوگ جمع کرتے رہتے ہیں۔

یعنی خدا متوجہ کرنا چاہتا ہے ایسی زندگی جو اللہ کی دنیوی نعمتوں اور خالق کی طرف سے دنیا میں بھیجے گئے اموال اور ان انعامات و رزق و دیگر اشیاء کے جمع کرنے کے لئے انسان چاہتا ہے اور ان خزانوں سے محبت رکھنے کے لئے جیتا ہے، جن خزانوں کو جمع کرنے کے لئے ہم زندگی چاہتے ہیں ایسی زندگی سے بدرجہا بہتر وہ شہادت ہے جو تجھے راہ خدا میں حاصل ہوجائے یا وہ موت جو تجھے راہِ خدا میں مل جائے۔ اس لئے ہمیں اس دنیا کے اموال سے اس قدر محبت نہیں ہونی چاہئے جتنی راہ خدا میں آنے والی موت سے ہونی چاہئے سعادت مند اور نیک بخت وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ اس قسم کی موت کے لئے منتخب کرلیتا ہے۔

شہادت یا اتفاقی حادثہ:

یادرکھئے!

شہادت کسی اتفاقی حادثہ کا نام نہیں، شہادت کسی اچانک پیش آنے والے حادثے کا نام نہیں، شہادت عمومی قسم کے سانحہ کا نام نہیں۔ اگر ہم اسے حادثہ کہیں گے تو اپنے ناقص علم کے

مطابق، کیونکہ ہمارا علم کمزور ہے اس لئے جس کے دست قدرت میں زندگی و موت ہے اس کی طرف سے شہادت کوئی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے باقاعدہ نظام کے تحت ہے، انتخاب ہے، جسے چاہتا ہے اپنے راستے میں قتل ہونے کے لئے پسند کرلیتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بات اتنی سادگی سے نہیں لینا چاہئے کہ بے چارے تھے وہ لوگ جو مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو زیادہ فیض پاتے۔

خالص عزت:

نہیں دوست!

اس موت کے ذریعہ انہیں ایسی عزت ملی ہے جو عزت ہر مرنے والے کو نصیب نہیں ہوتی۔ آپ ظاہری طور پر دیکھ لیں اموات اس معاشرے میں ہوتی رہی ہیں، جنازے روزانہ اٹھتے ہیں، قبریں روزانہ بنتی ہیں۔ اموات ان لحدوں میں اتاری جاتی ہیں لیکن کانوں کان کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کون مرا، کہاں کا تھا۔ یہ شہادت کی عظمت ہے کہ مارے جانے والے کسی دیہات میں مارے گئے اور فاتحہ پڑھنے والوں نے ان کے لئے کہاں کہاں فاتحہ پڑھی۔ ان کی عزت کتنی بلند ہوئی۔ اللہ کے یہاں بھی عزت ملی، کچھ جھوٹی عزتیں ہوتی ہیں یعنی جن کی دنیا میں عزت ہوتی ہے، آخرت میں نہیں ہوتی۔ بعض خوشامدیوں کے یہاں ہوتی ہے۔ اللہ کے یہاں نہیں ہوتی، محمدؐ و آل محمدؐ کے نزدیک ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

سچ تو یہ ہے کہ اصلی عزت وہ ہے جو اللہ کے نزدیک ہو اور آئمہ طاہرینؑ کے نزدیک ہو۔ اب آپ خود ہی غور کریں کہ شہادت کی موت کے بعد اصلی عزت کیوں نصیب ہوئی؟

اس لئے کہ مشن حسینؑ میں مارے گئے۔ یہی ایک وجہ ہے جو اللہ کا راستہ ہے۔ دراصل وہی راستہ کربلا کا راستہ ہے ہمارا ایمان ہے خدا تک جانے والا راستہ کربلا سے ہو کر گزرتا ہے۔ جس کے دل میں کربلا کا درد نہیں اس کا راہ خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ جس سینے میں امام حسینؑ کی خدمات و قربانی سے محبت نہیں اس کا سبیل اللہ اور راہ خدا سے تعلق نہیں۔

راہ خدا اور صراط مستقیم:

راہِ خدا کون سا ہے؟

وہی نہیں کہ جس کی ہم روزانہ نماز میں دعا مانگتے ہیں: خداوندا ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت نصیب فرما!

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَاالضَّآلِّيۡنَ (سورہ الفاتحہ، آیت ۶ تا ۷)

اب اگر اللہ اس کو واضح نہ کرتا شاید بات مبہم رہتی کہ وہ صراط مستقیم کیا ہے اور کن کا راستہ ہے لیکن ساتھ ہی رب العزت نے دوسرے جملے میں اس کی وضاحت کردی اور ہمارے سامنے روشن کردیا کہ جس صراط مستقیم کی طرف میں تجھے دعا مانگنے کی تلقین کر رہا ہوں وہ راستہ کن کا راستہ ہے؟

وہ راستہ ان ہستیوں کا ہے کہ اے اللہ جن پر تو نے اپنے انعامات نازل کئے ہیں اور یہ انعامات محمد و آل محمد پر نہیں تو کس پر ہیں۔ اگر اس کا ذات محمدؐ مصداق ہے تو وہ ذوات کیوں مصداق نہیں جنہیں رحمت اللعالمین چادر کے نیچے بٹھا کر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

اگر اہل بیتؑ کا راستہ اللہ و رسولؐ کا راستہ نہیں تو پھر کائنات میں کوئی ماں کا بیٹا نہیں جس کا راستہ صراط مستقیم ہوسکے۔ رحمت اللعالمینؐ کو تو خدا نے وہ بلند مقام عطا کیا ہے کہ گذشتہ انبیاء و رسل بھی اللہ سے یہ دعا مانگتے ہیں خداوندا ہمیں اس سید الرسل کی امت میں سے قرار دے یعنی ان کا راستہ ہمارا راستہ ہو اس لئے جب تک کوئی نبی اس پر ایمان نہیں لایا اس وقت تک درجہ نبوت پر فائز نہیں ہوا۔

سید المرسلینؐ جن کو اپنی زبان چسائیں، دوش پر بٹھائیں، جن کو بٹھا کر فخر کریں اگر صحابی کہیں کہ آج حسینؑ ابن علیؑ تجھے کتنی اچھی سواری ملی ہے تو رسولؐ مطمئن نہ رہیں اور صحابی کو

خطاب کر کے کہیں یہ بھی کہو کہ اے رسول آپ کو کتنا اچھا سوار نصیب ہوا ہے تو حسینؑ مظلوم کا راستہ صراط مستقیم نہیں ہے تو پھر کائنات کا کوئی راستہ صراط مستقیم نہیں ہے۔

کربلا سے توسل برائے صراط مستقیم:

کس قدر خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اللہ تک پہنچنے کے لئے کربلا کو وسیلہ بناتے ہیں یہ وسیلہ دنیاوی مشکلات، حاجات تک محدود نہیں ہے اصل توسل تو صراط مستقیم، آئین حیات، دستور زندگی کے لئے ہے کہ اے حسینؑ ابن علیؑ مجھے بتاؤ میں زندگی میں کروں تو کیا کروں؟ آپ کی پسند کیا ہے اور ناپسند کیا ہے؟ میرے کردار میں آپ کا پسندیدہ کردار کون سا ہے؟ اور پھر وہ مظلوم کربلا سے عہد کرے کہ جو کردار تمہیں پسند ہے میں اس پر چل کر دکھاؤں گا جو ناپسند ہے نہ صرف خود اس سے بچوں گا بلکہ اس کے مقابلے میں میدان جہاد میں نکلوں گا جو تمہارے راستے میں رکاوٹ بنے گا میں اس کا مقابلہ کروں گا یا مار دوں گا یا مارا جاؤں گا۔

اصل مشکل یہ ہے ایک طویل عرصہ گزرا ہے کہ ایک جھوٹے قسم کا امن بعض شیطان صفت حکومتوں نے عوام پر مسلط کر دیا ہے اور چاہتے ہیں کہ اس جعلی امن کے خول میں رہو اور ہمارے بن کر زندگی گزارو ہمارے محدود راستے پر چلو، ہمارے پسندیدہ آداب کو اختیار کرو، ہمارے کلچر کو اپنا کلچر سمجھو۔ ہماری سوچ وفکر کو اپنی سوچ وفکر سمجھو۔ جو ہم نظریہ دیں اس کو اپنا نظریہ بناؤ اگر اس سے ہٹو گے تو ہم تم پر بدامنی کو مسلط کر دیں گے اور ہم بھی اس جھوٹے امن کو امن سمجھ بیٹھے اس لئے بہت عرصے سے اپنے خون کو پیش کرنے کے لئے اس راہِ حق کو حقدار نہ سمجھ سکے جو اللہ نے پسند کیا تھا۔

کردار مومن اور افکار امیرالمومنین:

خداوند عالم فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ

(سورۃ توبہ، آیت ۱۱۱)

مومنوں کی جانیں اور مال اللہ نے پسند کئے اور خرید لئے ہیں جنت کے بدلے میں اور وہ میری راہ میں لڑتے ہیں قتل ہوتے ہیں یا کردیتے ہیں۔کیا کوئی ایسا مومن ہے جس نے اپنی جان کا سودا اللہ سے نہ کیا ہو؟

آپ کو فقط یہ بتایا گیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی جان کو فروخت کیا تھا، مگر یہ نہ بتایا گیا کہ جو امیر المومنینؑ کا مومن ہے وہ امیر المومنینؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی جان کو بیچتا ہے قرآن میں ایک طرف امیر المومنینؑ کا قصیدہ ہے اور دوسری طرف مومن کی پہچان ہے کیونکہ کسی اور کے پاس جا کر اپنے مومن ہونے کی سند لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ اے مومن اپنے قلب میں جھانک لے تو اپنی جان و مال اللہ کے پاس بیچ چکا ہے یا نہیں؟ اگر جان و مال بیچ چکا ہے تو پھر تو مومنین کی فہرست میں آ گیا ہے اور کہتا ہے کہ میرا اب دس سال زندہ رہنے کا پروگرام ہے بعد میں بیچوں گا۔ ابھی میں بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوں تو کیا پھر دس سال بعد مومن بنو گے ابھی مومن نہیں ہو اور آپ کو کیا معلوم کہ دس سال ملیں گے یا نہیں؟

کردار منبر اور جذبہ ایثار:

کیونکہ ہماری مجالس عزائے حسینؑ کو کچھ اس انداز سے چلایا گیا ہے کہ لوگوں میں جذبہ ایثار، قربانی، شہادت اور اپنی جان کو اللہ کے دین پر اور راہ خدا پر قربان کرنے کے جذبے کو مردہ کر کے مادیت اور دنیا کی محبت کو زندہ کردیا گیا ہے جب کچھ لوگ منبر پر بیٹھ کر چند ٹکوں پر بکتے ہیں تو جس ملت کی اس بکاؤ منبر کے سائے میں تربیت ہوگی وہ جان دینے والی نہ ہوگی وہ مال کی غلام ہوگی جبکہ اس وقت قوم کو ایسی تربیت چاہئے جس کے نتیجے میں وہ ایثار و قربانی اور شجاعت و شہامت سے سرشار ہو کر یزیدی قوتوں کو شکست دے سکے۔

یہ قرآن جس سے ہم مردے بخشواتے ہیں اور مرحومین کی بخشش کے لئے وسیلہ بناتے

ہیں کیا یہ فقط مردوں کو بخشوانے کے لئے ہے یا کہ زندوں کی ہدایت کے لئے ہے اس لئے اپنے ایمان کو صحیح مقام پر پہنچا۔

اے امیرالمومنین کے سچے غلام!

مولا علی امیرالمومنینؑ کیا فرماتے ہیں:

مجھے کوئی خوف نہیں ہے کہ میں موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے، تو پھر آپ بتائیں کہ مومن کو کیسا ہونا چاہیئے؟ جن کا امیرالمومنینؑ ایسا ہے تو ان کے مومن کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ مومن کو بھی موت سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَاتَلْوٗنَ عَلٰی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْ اُخْرٰکُمْ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۳)

یاد کرو وہ وقت جب تم پہاڑوں پر چڑھے جا رہے تھے رسول آخری صفوں میں کھڑے ہوئے تمہیں بلاتے تھے لیکن تم واپس نہ آتے تھے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ پرانے زمانے والے واپس نہ آئے تو وہ قابل مذمت ہیں اور آج ے زمانے والے بھاگ جائیں تو قابل عزت ہیں ہرگز صحیح نہ ہوگا اسلئے ہمیں جذبہ ایثار، قربانی کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے اور یہ ایک نقلی قسم کا جذبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

فلسفہ قربانی اور عہد مومن:

جب آپ عید الضحیٰ کے موقع پر اپنے قربانی کے جانوروں کے گلوں پر چھری رکھتے ہیں اور یہ دعا پڑھتے ہیں:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(سورہ انعام، آیت ۱۶۲)

بیشک میری نمازیں، سارے اعمال اور میری زندگی اور میری موت

وقف ہیں اس اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے۔

اس پر ہمیں غور کرنا چاہئے کہ جانور کی گردن پر چھری رکھتے وقت خدا ہمیں اس کا حکم کیوں دے رہا ہے۔

مصلحت کیا ہے حکمت کیا ہے کیا درس دیا جا رہا ہے؟

اس گوسفند کو ذبح کر رہا ہوں تیرے حکم پر، اس کی گردن سے لہو تیرے حکم پر بہا رہا ہوں اور قربان کر رہا ہوں۔ کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں فقط جانور کیوں قربان کئے جاتے ہیں کیوں نہ ہم اس قربانی کے بدلے میں غریبوں، مسکینوں کو رقم دے دیں؟

مگر قربانی کا حکم کیوں، اس کا متبادل کیوں نہیں؟

تمام علماء و مجتہدین کہتے ہیں کہ جتنا بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب اپنے مقام پر ہے مگر وہ قربانی کا قائم مقام نہ ہوگا قربانی تب ہوگی جب چھری چلے گی اور خون بہے گا۔

اس میں کیا حکمت ہے، دین اسلام بے حکمت تو نہیں ہے تو یہ اس لئے ہے کہ مومن جانور کا خون بہا کر خداوند عالم سے یہ عہد کرسکے کہ آج جانور کا لہو تیرے حکم پر دے رہا ہوں، لیکن اقرار کر رہا ہوں زندگی میری نہیں تیری ہے اگر کبھی میری اس گردن کے لہو کی بھی تیرے دین کو ضرورت ہوئی تو اے اللہ گردن پر چھری پھیرنے سے پہلے اقرار کر رہا ہوں کہ اگر ضرورت پڑی تو اپنے لہو کو پیش کرنے سے فرار نہیں کروں گا۔

فتِ شہادت:

اس لئے علیؑ امیرالمومنین کے چاہنے والوں کو جذبہ شہادتؑ سے فرار نہیں کرنا چاہئے: بہ شہادت کو سینے میں بیدار کرنا چاہئے اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے محل گردن جھکا کر کٹانا ہے اور ہم نے جان بوجھ کر موت کو سینے سے لگانا ہے یا پھر یہ کہنا ہے کہ آؤ مجھے مارو کہ میں شہید ہو جاؤں ایسا فرد شہید نہیں ہوتا۔

۔ کون :

شہید وہ ہوتا ہے جو جاتا ہے دشمن خدا کو مارنے کے لئے یا حق کی خدمت کرنے کے لئے اور پھر اللہ کی طرف سے فیصلہ یہی ہوتا ہے کہ اس کی موت کا وقت آ گیا ہوتا ہے تو وہ مقتول فی سبیل اللہ ہوجاتا ہے تو وہ راہِ حق میں شہید ہوتا ہے سر جھکا کر اور بزدل بن کر مارا جانے والا شہادت کے درجے پر فائز نہیں ہوتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے کہ

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْمُتُّمْ لَمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۷)

اگر تم میرے راستے میں مارے جاؤ گے تو پھر یقین رکھو کہ جو کچھ میرے پاس مغفرت و رحمت میں نے تمہارا مقدر بنا رکھا ہے وہ ہزارہا درجہ بہتر ان خزانوں سے ہے جن کے لئے تم زندگی چاہتے ہو۔

ایمان ایک ایسے عقیدے کا نام ہے جو قلب میں ہوتا ہے اور اس کا نور کردار بن کر نمایاں ہوتا ہے کردار کی پاکیزگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ ہمارے یہاں یہ بحث اس حد تک پہنچا دی گئی ہے کہ ایمان نام ہے فقط زبان سے اقرار کر لینے کا۔

تین انسانی نظریات:

مومن کو غور کرنا چاہئے کہ کائنات کے بارے میں انسان کے تین قسم کے نظریات ہیں

(اول): انسان کی ابتدا یہ ہے کہ ایک ہستی اس کی خالق ہے اور انسان کو اس نے اس دنیا میں بھیجا اور اس ہستی کے پاس انسان کی واپسی ہے اس کی زندگی تنہاء یہ زندگی نہیں جو ظاہری موت پر جا کر ختم ہوجائے گی بلکہ اس کی ایک اور بقیہ زندگی ہے کہ جو اصلی زندگی ہے کہ وہ اس کے اس خالق کے پاس ہے جس کے پاس اس نے پلٹ کر جانا ہے اور اس زندگی کو پانا ہے۔

(دوم): اس کائنات کی ابتدا اس ایک وحدہ لاشریک سے نہیں ہے بلکہ کچھ ایسے

خداؤں سے ہے جن کے متعلق ہم اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں پیدا کیا ہے مگر ان کے پاس واپس پلٹنے کا کوئی تصور نہیں، نہ بقیہ زندگی کا کوئی تصور ہے ہم ان کو مانتے ہیں کہ وہ خوش رہیں گے تو ہمیں دنیا کی خوشیاں مل جائیں گی۔ بارش آجائے گی، روزی بڑھ جائے گی اولاد مل جائے گی، دکھ درد ختم ہوجائے گا اور موت آگئی تو بس ختم ہوگیا ان کے پاس واپسی ہے نہ کوئی اور زندگی۔

(سوم): نہ کوئی ابتدا والا ہے نہ انتہا والا ہے۔ کوئی خالق ہے ہی نہیں۔ یہ کائنات ویسے ہی ہے، نہ کوئی آغاز نہ اختتام۔ الحاد ہی الحاد ہے۔ انکار ہے اس ابتدا والے کا بھی اور انکار ہے اختتام والے کا۔ زندگی اتفاقی حادثہ ہے جیو اور کھاؤ پیؤ مرجاؤ تو ختم۔

اس وقت یہ کائنات ان تین قسم کے نظریوں میں تقسیم ہے جو لوگ ملحد ہیں منکر خالق ہیں منکر آخرت، معاد اور جنت ہیں۔ نہ ابتدا نہ انتہا۔ دنیا ہی دنیا، یہ لوگ ملحد کافر ہیں ان کو دنیا ہی سمجھ میں آتی ہے ان کے نظام کی ساری چکی دنیا کے چند دنوں تک گھومتی ہے۔

لیکن کچھ لوگ اس نظریے کے مالک ہیں جو بتوں کو اپنا خدا مانتے ہیں کہ انہوں نے اس کائنات کو خلق کیا ہے یا یہ اصنام کائنات کے خالق کے پیارے ہیں لہٰذا ان کے پاس جاؤ ان کا عقیدہ ہے کہ بتوں اور دیگر خداؤں کو خوش رکھو تو ہر دنیاوی نعمت مل جائے گی۔ کیا موت کے بعد کوئی زندگی ہے ان کے نزدیک موت کے بعد کوئی زندگی نہیں بس ان کے جعلی خدا اور دنیا کی چند دن کی زندگی۔

نظریہ اسلام:

جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے وہ ہمیں یہ عقیدہ دیتا ہے کہ وہ ایک وحدہ لاشریک ذات ہے جس نے باقاعدہ ایک مکمل نظام بنایا ہے اس نظام میں اس نے کائنات کو خلق کیا ہے اس کائنات میں اس نے انسان کو خلق کیا ہے انسان کو زندگی دی ہے جس کا ایک حصہ اس زمین پر دیا بقیہ حصہ اپنے پاس رکھا ہے اور اس میں اس نے اس نظام ہدایت کے ذریعے بتایا ہے کہ

زندگی کو اس طرح گزارو گے تو جب میرے پاس واپس آؤ گے تو ابدی زندگی کی نعمتیں اور خوشیاں مجھ سے حاصل کرسکو گے اور اگر تم اس زندگی کو میری منشاء کے مطابق نہ گزارو گے تو بھی تم نے ضرور آنا ہے یہ نہیں ہے کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا لیکن اپنی اس بقیہ زندگی کو تباہ و برباد، شقاوت و بدبختی کا شکار کر کے آؤ گے تو میرے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔

عقیدہ کے اثرات:

اگر شہادت چاہتے ہو اگر کامل فلاح چاہتے ہو تو ایسے مومن بنو جن کا عقیدہ ایسے نظریئے کی شکل میں نہ ہو کہ جس کا اس کے کردار پر کوئی اثر ہی مرتب نہ ہو ایسا نظریاتی فارمولا نہ ہو کہ جیسے امتحان میں پاس ہونے کے لئے ہوتا ہے کہ کچھ باتوں کو یاد کرلیا جاتا ہے کہ اگر استاد نے پوچھ لیا تو یہ جواب ہوگا عقائد فقط یاد کرنے کے لئے نہیں ہیں ایمان ایک بچے کی طرح سبق یاد کرلینے کا نام نہیں۔ ایمان اصل میں اس عقیدے کا نام ہے جو مومن کی زندگی پر اپنا اثر مرتب کرے جو آپ کے کردار پر اپنی طہارت کا اثر مرتب کرے آپ کو چلائے اس طرح جس طرح آپ کا خالق چاہتا ہے ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کرے جس طرح خالق آپ کو حکم دیتا ہے۔

ہمارے ہاں صورتحال دوغلی ہوگئی ہے عقائد کو مانتے ہیں مگر کردار پر اس کے اثرات مرتب کرنے کے قائل نہیں ہیں اور کچھ اعمال بجا لاتے ہیں تو بھی رسمی کاروائی کے طور پر جس نیکی کا رواج پڑ گیا انسان اس کو کرنے لگا اور جس کا رواج نہ ہو اس کو اہمیت نہ دی در حالانکہ عقیدہ تو یہ چاہتا تھا کہ مومن اس نیکی کو بجالائے جو خالق نے پسند کی ہے جو رسولؐ و اہل بیت نے فرمائی ہے جو ہمارے پیشواؤں نے قربانیاں دے کر ہم تک پہنچائی ہے لیکن ہم جس صورتحال کا شکار ہیں جو رواج کی پابندی ہے شیطانی کام کا رواج ہو یا الٰہی کام کا، لاکھ سمجھائیں، مگر چونکہ عقیدہ اس مقام تک نہیں پہنچا جہاں پہنچنا چاہئے تھا اس لئے ان کا ذہن ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

ورنہ اللہ تو کہتا ہے کہ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ

(سورۃ مومنون، آیت ۱)

یقیناً صاحبان ایمان کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں گڑگڑانے والے ہیں۔

میدان کربلا اور نماز باجماعت کی اھمیت:

جن کے اعمال کی شمع کا نور بلند ہوتو وہ تلواروں کے سائے تلے تڑپتے ہوئے ،لاشوں کے اندر بہتے ہوئے خون کے دریا میں، اپنے مولا حسینؑ کو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ مولا حسین زوال ہوگیا ہے دل چاہتا ہے اپنی آخری نماز آپ کے ساتھ ادا کروں۔ ایمان جتنا بلند ہوتا جاتا ہے اتنی خدا، رسولؐ اور اہل بیت اطہارؑ کی اطاعت نہ فقط آسان ہوتی جاتی ہے بلکہ محبتوں کا محور بنتی جاتی ہے اور جو اس راستے میں رکاوٹ بنے وہ اپنا دشمن نظر آتا ہے۔

یہاں ایک مثال قابل غور ہے اگر کوئی عزاداری میں رکاوٹ بنے وہ آپ کو اپنا دشمن نظر آتا ہے یا نہیں اور اگر کوئی نماز باجماعت میں رکاوٹ بنے تو ؟ جو عزاداری میں رکاوٹ ہو وہ ہمیں اپنا اور اپنے مذہب کا دشمن نظر آتا ہے مگر جو نماز میں رکاوٹ بنے اس کے بارے میں آدمی زبان کھولنے سے قاصر ہے۔ ایسا کیوں ؟

اب دیکھنا چاہئے جس امام کی عزاداری کرتے ہیں ہمارے اس مولا حسینؑ کو نماز باجماعت سے کتنی محبت تھی اگر یہاں کوئی فرق کرے تو اس کی مرضی ہے، عزاداری سے محبت بڑھاؤ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نماز سے محبت گھٹاؤ نماز کے ساتھ ساتھ عزاداری بھی ہے ان دونوں کو زندہ رکھو۔

اس لئے کہ عزاداری نماز سکھاتی اور نماز عزاداری سکھاتی ہے۔

علم ابوالفضل العباس اور پاکیزگی کردار:

عاشور میں شہادت بھی موجود ہے۔ گریہ و بکا بھی موجود ہے درد و الم بھی موجود ہے تو سجدہ و نماز بھی موجود ہے اس لئے ذرا غور کریں کتنا حسین چہرہ تھا قمر بنی ہاشم کا، کیا اس قمر بنی ہاشم کے ماتھے پر محراب کا نشان نہ تھا، کیا اس چاند جیسے چہرے پر جسے بنی ہاشم کا چاند کہا جاتا ہے کیا وہ اس ذات کے ساجد نہ تھے۔

اس لئے غور کریں،

ابوالفضل العباسؑ کے علم کے نیچے زندگی گزارنے پر فخر کرنے والو!

اللہ تمھارے گھر کے علم محفوظ رکھے اللہ تمھیں اس علم کے نیچے نیک و پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق بخشے لیکن یاد رکھئے جس کا علم ہم نے اپنے گھر کے اندر سجایا ہوا ہے وہ جہاں ہماری مشکلوں کے حل کے لئے وسیلہ ہیں وہاں وہ ہمارے کردار کی پاکیزگی کے لئے بھی وسیلہ ہیں۔

علم ابوالفضل اور کردار کی گواھی:

پہلا تصور موجود ہے مگر دوسرا تصور موجود نہیں، ہم مشکلات کے حل کے لئے علم لگاتے ہیں لیکن ہم کردار کی طہارت کے لئے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ،اگر ہم کہہ دیں کہ اس علم کو گواہ کی حیثیت حاصل ہے یہ علم جس جس کے گھر پر سجایا گیا ہے ان گھر والوں کے ۔لئے یہ علم بروز محشر گواہی دے گا تو کیا یہ بات غلط ہے؟

اگر اتنا مقدس ہے کہ ہم اس کو چومتے ہیں ہم اس کو بوسہ دیتے ہیں اس کے دشمن کو دین کا دشمن سمجھتے ہیں ہم اس کے دوست کو دین کا دوست سمجھتے ہیں ہم اسے کربلا کا بھی گواہ سمجھتے ہیں کربلا والا علم تو وہی ہے جو حسینؑ ابن علیؑ نے عباسِ باوفا کے کاندھے پر رکھا تھا حسینؑ کے کندھے پر علیؑ امیرالمومنین نے، علیؑ امیرالمومنین کے کندھے پر رسولؐ نے رکھا تھا اور رسولؐ کا علم رسولؐ کے دین کا نشان ہے۔

علم عباس جسے ہم گھر، امام بارگاہ یا کسی بھی مقدس مقام پر سجاتے ہیں یہ ایک پھریرا

نہیں اور نہ ہی لکڑی تک محدود ہے دراصل یہ دنیا و دین کا ترجمان ہے دین کی مشکلات کے حل کا وسیلہ ہے علمدار، تو وہ دنیا کی مشکلات کے حل کرنے کا وسیلہ بھی ہے اس لئے اے مومن علم کے سائے تلے اپنے کردار کو پاک کرنے کی کوشش کر، کبھی یہ تصور کر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی علم ہمارے خلاف گواہ بن جائے۔

مشن حسینؑ سے محبت:

اس لئے اے علمدار عباسؑ ابن علیؑ کو ماننے والو!

اس کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھو ذرا دیکھو ابوالفضل عباسؑ کو کہ حسینؑ ابن علیؑ کے مشن پر جان قربان کرنے سے کتنی محبت ہے، شب عاشور ہے امام حسینؑ چراغ بجھا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں انہوں نے بیعت کا مطالبہ مجھ سے کیا ہوا ہے۔ بیعت کا انکار میں کر رہا ہوں اس کی وجہ سے میرا لہو بہائیں گے تم جتنے موجود ہو تم میں سے جو کوئی بھی زندگی کو پسند کرے بے شک چھوڑ کر چلا جائے میں چراغ بجھا چکا ہوں۔

ایک طرف تھا زندگی کا پیار اور دوسری طرف تھا حسینیت کا پیار، ایک طرف تھی زندگی کی قیمت اور دوسری طرف تھی حسینیت کی اہمیت، امام نے چراغ بجھا دیا تھا اور یہ جملہ بھی تاریخ میں ہے کہ امام نے کہا کہ میں اپنی بیعت کی رسی بھی تمہارے گلے سے اتار رہا ہوں یعنی کسی کو یہ مجبوری ہو اور خیال کرے چونکہ میں امام حسینؑ کی بیعت کر چکا تھا اس لئے مجبوراً جان دینا پڑ گئی اگر بیعت نہ کی ہوتی تو میں جان نہ دیتا۔

تو امام فرماتے ہیں جاؤ میں بیعت کی مجبوری کو بھی ختم کرتا ہوں اور ظاہراً جاتے ہوئے جو شرمندگی محسوس ہوتی ہے اس شرمندگی کے خاتمے کے لئے میں اندھیرا کر چکا ہوں جس کا جی چاہے چلا جائے۔

دروازہ وفا اور اندھیرا ماحول:

اب آیئے تاریخ سے پوچھئے اس اندھیرے ماحول میں سے پہلے کون اٹھا، جس نے

امامؑ کی گفتگو کا اپنے نظریئے میں جواب دیا۔ سب سے پہلے جانثار، وفادار، دروازہ وفا کو کھولنے والا وہی تھا جس کا نام ہے ابوالفضل العباسؑ۔

کیونکہ امام حسینؑ کی گفتگو تنہاء اصحاب تک محدود نہ تھی بلکہ اس گفتگو میں اہل بیتؑ بھی شامل تھے۔ چنانچہ ابوالفضل العباسؑ سب سے پہلے اٹھے اور عرض کیا یا ابن رسول اللہ، اے فرزند رسولؐ کیا اس لئے چلے جائیں کہ زندہ رہوں اور آپ مارے جائیں، مجھے ایسی زندگی کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے ایسی زندگی سے کوئی پیار نہیں یعنی زندہ رہوں گا تو آپ کے قدموں میں اور اگر مروں گا تو آپ کے قدموں میں۔ ذرا دیکھئے عباسؑ علمدار کی جوانی کس منزل پر ہے، کائنات میں ہے کوئی جواں جو عباس علمدار کی خوبصورت جوانی کا مقابلہ کرسکے نہ ظاہری حسن میں اور نہ باطنی حسن میں کوئی مقابلہ نہیں عباسؑ علمدار کا۔

حضرت عباس علمدارؑ کے یہ جملے ختم ہوئے دروازہ وفا کھل چکا تھا کوئی اور اٹھا اور کہا کہ مولا حسینؑ یہ تو ایک زندگی ہے اگر اللہ ہمیں ستر بار زندگی کا وعدہ کرے اور ہر مرتبہ زندگی آپ کے قدموں پر نثار ہو کر چلنا پڑے ہر بار زندگی قربان تو کرسکتا ہوں مگر آپ کے قدموں کو چھوڑ نہیں سکتا۔

یہ سب نصیحت کی باتیں ہیں اور ہمارے جذبہ ایمان کو بلند کرنے کا وسیلہ ہیں، اسے فقط تاریخ نہ سمجھیں بلکہ اپنے عقیدہ و ایمان کی بلندیوں کی بنیاد بنانے کے لئے غور فرمائیں حضرت عباسؑ علمدار کے بعد کئی ایک نے بہت سے جملے دہرائے۔

کسی تیسرے نے کہا کہ مولا حسینؑ اگر اللہ ہزار مرتبہ زندگی دینے کا وعدہ کرے ہم ہزاروں مرتبہ آپ کے قدموں پر نثار تو ہوسکتے ہیں لیکن آپ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے، کسی اور نے کہا مولا حسینؑ مجھے شہید کردیا جائے میرے بدن کے ٹکڑے کردیئے جائیں پھر ان ٹکڑوں کو قیموں میں بدل دے پھر آگ اس کو جلادے اور پھر کوئی طوفان اس راکھ کا ڈھیر اڑا کر لے جائے تو یہ سب صدمہ برداشت کرسکتا ہوں مگر فرزند بتول تیرے قدموں کو چھوڑ نہیں سکتے۔

زندگی ایک امتحان ھے ،موت کے بعد حصول علم و معرفت کا سلسلہ جاری رھتا ھے.

ناکامی و کامیابی، زندگی ایک امتحان:

جہاں کامیابی ممکن ہوتی ہے وہاں ناکامی کا خطرہ بھی موجود ہوتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ ناکامی کا کوئی امکان نہ ہو اور فقط کامیابی کا امکان ہو جہاں جہاں کامیابی ممکن ہے وہاں وہاں ناکامی بھی ممکن ہے لہٰذا ہر شخص کو جہاں کامیابی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے وہاں اسے اپنی ناکامی کے خطرے کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے اور کبھی بھی وہ یہ خیال نہ کرے بس میں کامیاب ہوں میری ناکامی کا کوئی خطرہ نہیں ہے کامیاب وہ ہوتا ہے جو ناکامی سے بچنے کی کوشش کرے اگر کوئی ناکامی اپنے لئے ناممکن سمجھ لے تو پھر حق یہ ہے وہ کامیابی کو بھی ناممکن سمجھے۔

انسان کو دونوں پہلوؤں کی طرف متوجہ رہنا پڑتا ہے کامیابی کیسے اور ناکامی کیسے، دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک کامیابی کا ضامن ہوتا ہے اور دوسرے ناکامی کا باعث ہوتا ہے انسان کو ان دونوں راستوں کی شناخت بھی حاصل کرنا چاہئے اگر وہ ناکامی کے راستے پر چلے اور خیال کرے میں کامیاب ہوجاؤں گا تو یہ ایک بے وقوف کا فلسفہ تو ہوسکتا ہے یہ کسی دانا اور سمجھ دار آدمی کا فلسفہ نہیں ہوسکتا جب بھی لفظ کامیابی و ناکامی سامنے آتا ہے تو یہ بات بھی ہر عقلمند کے سامنے خود بخود روشن ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی آزمائش ہے تو پھر کامیابی و ناکامی دونوں کا سوال بھی ہے اس لئے کہ جہاں آزمائش و امتحان نہیں وہاں کامیابی و ناکامی کا کیا تصور؟ ہر دانا کے لئے یہ سمجھنا آسان ہے۔

پس ارشاد خداوندی ہے!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے

پیدا کیا ہے۔ (سورۃ الزاریات، آیت ۵۶)

میں نے تمہیں پیدا کیا ہے آزمانے کے لئے پس جب تم آزمائش میں ہو تو اس آزمائش میں کامیابی کی طرف جانے کی کوشش کرو اور راہ ناکامی سے بچنے کی کوشش کرو۔

عقیدہ و ایمان کی ابتدا یہاں سے ہونی چاہئے کہ میں آزمائش میں ہوں، میں امتحان میں ہوں اللہ مجھے آزمانا چاہتا ہے اور میری آزمائش کب سے شروع ہوتی ہے کب ختم ہوتی ہے وہ کون سا ایسا مرحلہ ہے جس میں امتحان میں نہیں ہوتے ان تمام تفصیلات کی طرف توجہ کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے جو کامیابی کا خواہش مند ہو۔

امتحان سے دوری:

ہمارے معاشرے میں اکثر بطور دعا کہا جاتا ہے کہ اے اللہ ہمارا امتحان نہ لینا کیونکہ ہم تیرے امتحان کے قابل نہیں۔ اب یہ جملہ گھر کا بزرگ کہے گا تو گھر کے جوان اور بچے اسے حقیقت سمجھ بیٹھیں گے۔ اس لئے کہ ایک شخص سے امتحان لیا جا رہا ہو اور وہ مان ہی نہ رہا ہو کہ اس کا امتحان لیا جا رہا ہے تو اس شخص کے لئے ناکامی کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟

اس لئے ہمیں اس جملے کو اپنے عقیدے کا حصہ نہیں بنانا چاہئے بلکہ ہمیں یہ عقیدہ راسخ کرنا چاہئے کہ ہم امتحان و آزمائش کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اے خدا ہم سے اتنا امتحان لے جس کے ہم اہل ہیں اور حق یہی ہے کہ خدا ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق امتحان لیتا ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

اور تمہارا خیال یہ تھا کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹا کر نہیں لائے جاؤ گے۔ (سورۃ مومنون، آیت ۱۱۵)

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ

کیا تمہیں آزمائش میں نہ ڈالا جائے گا ہم آزماتے رہے ہیں ان سب کو جوتم سے پہلے تھے۔ (سورۃ عنکبوت، آیت ۲)

امت کا سطح امتحان:

حضرت آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ کی قوم کا امتحان لیا گیا ہر ایک سے اس وقت کے حالات کے مطابق، خداوندعالم امتحان ہر ایک سے اس کی سطح کے مطابق لیتا ہے۔ امام کا امتحان ہے امامت میں، ماموم کا امتحان ہے مامومیت میں، اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ ہمیں نبی نہ بنائے اور امتحان نبوت کا ڈال دے۔ امام حسینؑ کا امتحان ہوگا ان کی سطح کے مطابق، حبیب ابن مظاہرؓ، زہیر ابن قینؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، زینب کبریٰؑ اور فضہؓ ان سب کا امتحان ان کی سطح کے مطابق ہوگا۔

ہر شخص کے امتحان کا آغاز اس کے بالغ ہونے سے ہوتا ہے اور خدا اس وقت تک امتحان لیتا ہے جب تک عقل کا نور کام کرتا ہے اور جب وہ حق و باطل کی سمجھ کھو دیتا ہے، جائز و ناجائز کا فرق محسوس نہیں کرسکتا، جب ادراک ختم، امتحان ختم۔ ہر شخص بلوغ کے مرحلہ سے امتحان میں داخل ہوتا ہے جب تک عقل ٹھیک ہے اور زندگی موجود ہے امتحان جاری ہے اور جب عزرائیل آجائے گا اور انسان کے سامنے ملک الموت کا ظہور ہوگا اور جب انسان ملک الموت کو دیکھے گا ادھر سے موت کے آثار نمایاں ادھر سے امتحان ختم۔

نعمت وسیلہ امتحان:

خداوندعالم نے فرمایا:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡئُوۡلًا

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۶)

میں نے تجھے کان دیئے تھے ان کے بارے میں امتحان ہے آنکھیں و

دل دیئے ہیں اس کا امتحان لیں گے۔

یہ آنکھیں کتنی قیمت کی ہیں..................؟

کوئی ہے جو زندگی میں اپنی آنکھیں دینے کے لئے تیار ہو۔ آنکھیں اتنی بڑی نعمت ہیں کہ کائنات کا کوئی خزانہ اس کی قیمت نہیں بن سکتا ہے۔ یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے کہ ہم اسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔ خدا نے آنکھیں دی ہیں اس کی ہر ہر نظر امتحان ہے ہم نے اپنی آنکھوں کو کتنی مرتبہ استعمال کیا کتنی مرتبہ اس سے دیکھا اللہ کے ہاں ہمیں ہر نظر کا حساب دینا ہوگا۔ خدا کے نظام میں بدنظمی نہیں ہے۔ اگر ہم امتحان و آزمائش کو مانتے ہی نہیں اور اس کے لئے تیار ہی نہیں تو پھر ہم مومن نہیں ہیں۔

آج ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ بعض حضرات نہ مولا کو امتحان میں مانتے ہیں اور نہ مولائے کائنات جیسی ہستیوں کو امتحان میں مانتے ہیں حالانکہ اللہ نے جس کو امام بنایا ہے اس کو امامت کے امتحان میں رکھا ہے جس کو اس پر ایمان لانے والا مومن بنایا ہے اس کو ایمان والے امتحان میں رکھا ہے اور جو امتحان میں کامیاب ہوجاتا ہے وہ اس سے اگلے درجے میں داخل ہوجاتا ہے اور بلند درجات کی طرف سفر جاری رہتا ہے۔

شب قدر ، نزول امر خداوندی:

مثلاً مولائے کائنات نے سلونی سلونی کا دعویٰ کیا تو کیا علم علی امیرالمومنینؑ کا سلسلہ رک گیا یا جاری ہے؟

قرآن مجید میں ہے کہ

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ

(سورۃ القدر، آیت ۴)

ملائکہ اور روح القدس اس شب قدر میں نازل ہوتے ہیں اذن رب کے ساتھ۔

روایت میں ہے کہ اولی الامر کے پاس نازل ہوتے ہیں۔ کیا صرف ایک شب میں

نازل ہوئے تھے؟ بلکہ ہر سال نازل ہوتے ہیں تو وہ ہر سال کچھ لاتے ہیں اور وہ علم ترقی کا باعث بنتا ہے ملائکہ ہر زمانے کے امامؑ کے پاس آتے ہیں وہ گذشتہ آئمہ اطہارؑ کے پاس بھی آتے تھے اور جو کچھ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچاتے ہیں وہ گذشتہ کے پاس بھی پہنچاتے تھے یہ تو فقط لیلۃ القدر کی بات ہے۔

جبکہ آئمہ معصومینؑ فرماتے ہیں کہ:

انا لنزاد فی اللیل والنہار ولو لم نزد لنفد ما عندنا (بحار الانوار ج:۲۶)

اگر مزید نازل ہونے والا علم نہ ہو جو علم ہمارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے۔

اس لئے خدا نبی کو حکم دیتا ہے کہ

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (سورة طه، آیت ۱۱۴)

اور یہ کہتے رہیں کہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

یہ علم کا سلسلہ ظاہری زندگی کے ختم ہونے کے بعد بھی ہے جب ہم دروازہ نبی و امام پر جا کر کہتے ہیں کہ

اللھم انی اعتقد حرمة صاحب ھذا المشھد الشریف فی غیبته کما اعتقدھا فی حضرته و اعلم ان رسولک و خلفائک علیھم السلام احیاء عندک یرزقون یرون مقامی و یسمعون کلامی و یردون سلامی و انک حجبت عن سمعی کلامھم.

(مفاتیح الجنان، اذن دخول حرم معصومؑ)

آپ سب ہمارا کلام سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں ہم ایسی موت کے قائل نہیں ہیں جس کے بعد حیات کا تصور نہ ہو ہم حیات بعد از موت کے قائل ہیں تمام انبیاء، اوصیاء اور آئمہؑ زندہ ہیں ظاہری موت کے بعد بھی زندہ ہیں سلام سنتے ہیں جواب بھی دیتے ہیں حاجت بھی سنتے ہیں شفاعت کرتے بھی ہیں منواتے بھی ہیں ہم حیات کے قائل بھی ہیں اور

یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں وہ اس سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں اس زندگی میں ان کے لئے دکھ تھے رکاوٹیں تھیں مشکلات تھیں لوگ ان کی سطح کے نہ تھے ان کے لائق لوگ نہ تھے۔

آئمہ اطہار اور ادوار جاھلانہ:

فرض کریں:

اگر بہت بڑا عالم جاہلوں کے درمیان پھنس جائے ایسا ہے جیسے کوئی عاقل پاگلوں کے درمیان پھنس جائے اور اگر آپ تصور کریں ایک کمرے میں دس پاگل ہوں اور اس میں کسی عاقل کو ڈال دیا جائے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا وہ کتنی تنگی میں ہوگا۔ اگر آپ جائزہ لیں علی امیرالمومنینؑ جیسی ہستی ہو اور کوفیوں میں پھنس جائے۔ حضرت مسلمؑ ابن عقیل کے ساتھ جو کچھ کوفیوں نے کیا تھا وہی کوفی ہیں جن میں امام علیؑ ابن ابیطالب نے زندگی گزاری، جن میں امام حسنؑ ابن علیؑ نے زندگی گزاری، مولا علیؑ کی زندگی کتنی تلخیوں میں تھی کتنے مصائب میں گھری ہوئی تھی ہمیں وہ مصائب نظر آتے ہیں جو تیر وتلوار و پتھروں کے زخموں کی شکل میں ہوں حالانکہ یہ چیزیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتی جتنا کسی حساس مزاج کو قلبی صدمہ سے نصیب ہوتا ہے ایسے بدبختوں کے درمیان پھنس کر جو ان ہستیوں کو نہ پہچانتے ہوں جو ان کی عظمت سے آشنا نہ ہوں۔

اگر کوئی بزرگ اس طرح کے امتحان میں پھنس جائے اور پھر کامیاب ہوجائے تو تلوار سے بھی شہید ہونے کا اتنا درجہ نہیں ہے جتنا اس عالم کا ہے جو جاہلوں میں گھرا رہے، صدمے سہتا رہے اور ان کی ہدایت کے فریضہ کو انجام دیتا رہے۔

اسی لئے حدیث معصوم میں ہے کہ

مداد العلماء أفضل من دماء الشهداء

علماء کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل ہے۔

حضرت ابراہیمؑ و نوحؑ نے کم تکلیفیں اٹھائی ہیں نفسیاتی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ کی زندگی اس دنیا کی تلخیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آج جہاں علیؑ امیرالمومنین

ہیں وہاں فرشتے انہیں سلام کرتے ہیں۔

بوقت موت، زیارت امیرالمومنین:

ان کا بغضی جب مر رہا ہوتا ہے تو علیؑ حیدر کرار کی حکومت و ولایت کو دیکھ رہا ہوتا ہے اس لئے جب انسان مرتا ہے تو حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ مناظر جو انہیں زندگی میں نظر نہیں آتے تھے وہ دیکھے جاسکتے ہیں اب وہ دیکھتا ہے ملک الموت، جنت، جہنم کو، اور جنت و جہنم کے تقسیم کرنے والے کو، وہ دیکھتا ہے کہ علی امیرالمومنینؑ کی حکومت کہاں کہاں ہے۔

پہلے مومنوں سے سنتا تھا اب آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

اب یہ بغضی مرنا چاہئے گا یا نہیں؟

جبکہ اسے معلوم ہے کہ جہاں میں جا رہا ہوں وہاں کوئی سلام و احترام نہیں ہے وہ مرنا چاہے گا یا نہیں اور ملک الموت نے چھوڑنا نہیں ہے۔ پس اس کی موت کی کیفیت کیا ہوگی؟ ملک الموت اس سے کوئی نرمی نہ کرے گا کیونکہ نرمی ہے اس کے لئے جس کے دل میں حُبّ علیؑ ہے۔

الا ومن مات علی بغض آل محمد مات کافرا (حدیث رسول)

جو بغض آل محمد میں مرا وہ کافر مرا۔

جہاں بغض علیؑ ہے وہاں ملک الموت بھی اسے کافر سمجھتا ہے۔ اگرچہ اس کے لئے لاکھوں ختم کرائیں، مزار بنائیں، سنگ مرمر لگائیں، کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

علمِ امیرالمومنین:

مولا علیؑ کا دنیا سے جانے کے بعد نہ علم رکا ہے اور نہ ہی کمال، خدا کے دینے کی کوئی حد نہیں اور لینے والے کے ظرف کی کوئی تنگی نہیں، وہ دینے میں کم نہیں اور یہ لینے میں کم نہیں۔ دینے والا خدا اور لینے والے ہوں اہل بیتؑ۔

رسول اکرمؐ نے امیرالمومنینؑ کے سینے پر ہاتھ رکھا۔

اوعاکم علی (حدیث رسول)

اے میرے صحابہ تم میں سے سب سے بڑا ظرف علی کا ہے۔

حضرت عبداللہؓ ابن عباس کہتے ہیں اگر تمام صحابہ کے علم کو جمع کیا جائے تو علیؑ کے علم کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ ان کا علم ایک قطرے سے بھی کم اور علیؑ کا علم سات سمندروں سے بھی زیادہ۔

بعد از موت، علم و معرفت:

وہ علم رکا نہیں، تھا نہیں، ٹھہرا نہیں۔ بلکہ رب زدنی علماً........ چل رہا ہے۔ مومنوں کے متعلق بھی ہے کہ جب مومن فوت ہوجاتا ہے جنت میں جانے کے بعد معرفت ختم نہیں ہوجاتی کیونکہ مومن کا معرفت توحید کا اصلی ترقی یافتہ درس شروع ہی جنت سے ہوتا ہے یہاں جو کچھ انسان کرتا ہے وہ جنت میں داخلے کے لئے کرتا ہے۔

اگر ہم دنیا کے امتحان میں پاس ہوگئے تو جنت کی معرفت والی اعلیٰ یونیورسٹی میں داخل ہوں گے اور وہ یونیورسٹی ایسی ہے جس میں اگر کوئی داخل ہوگیا تو کبھی خارج نہیں ہوتا وہاں علمِ شہود کے دریا ہیں جہاں علم میں اضافہ ہوتا رہے گا ایمان کے درجات بھی بلند ہوتے رہیں گے۔ معرفت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

دنیا میں ان کامیابی کے اصولوں پر چلنے کی کوشش کریں جس کو قرآن صامت نے آیات کی شکل میں اور قرآن ناطق نے اپنے کردار کے ذریعے پیش کیا، اس لئے آمادہ و تیار برائے آزمائش رہنا چاہیئے امتحان و آزمائش سے فرار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ خالق کا نظام یہی ہے اس بنیاد پر زندگی اور موت کا یہ سلسلہ جاری ہے جو کچھ میں نے تمہیں صلاحتیں دی ہیں ان صلاحیتوں کا امتحان لینا چاہتا ہوں کہ شیطان کے پیچھے چلتے ہو یا محمدؐ و اہل بیت محمدؐ کے پیچھے چلتے ہو۔

ذکر حسین میں آنے والوں سے عھد:

ذکر حسینؑ میں آنے والو!

عہد کرو......................

اے شیطان ہم تجھ پر لعنت کرتے ہیں۔ ہم کبھی تیرے پیچھے نہیں چلیں گے۔

چلیں گے تو حسینؑ اور آل حسینؑ کے پیچھے، چلیں گے تو کربلا والوں کے نقش قدم پر اور ان کو آئینہ حیات سمجھیں گے۔ اگر شیطان کبھی ورغلا بھی دے، اگر شیطان کے پھندے میں کبھی پھنس بھی جاؤ تو گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے علاج کا انتظام بھی فرمایا ہے۔

فرماتا ہے کہ توبہ کا دروازہ میں نے کھلا رکھا ہوا ہے میں بخش دوں گا اور تم پاکیزہ ہو جاؤ گے۔

وہ لوگ سادہ ہیں جو آزمائش سے فرار اختیار کرتے ہیں بلکہ عہد کرنا چاہئے کہ اے اللہ جو کچھ تو نے دیا ہے اس کے امتحان کے لئے تیار ہوں۔ اگر تو بیٹوں کا امتحان لیتا ہے، مال کا امتحان لیتا ہے، میں دینے کے لئے تیار ہوں، آج کل کے دور میں جب شہادت ہوتی ہے تو کچھ لوگ گھبرا کر سر جھکا لیتے ہیں اگر شہادت آپ کا مقدر ہونا ہے تو آئے گی ذلت کی موت قبول نہ کیجئے عزت کی موت قبول کیجئے۔

آپ کس مقصد کے لئے جینا چاہتے ہیں کیا مال دنیا، مکانات بنانا چاہتے ہیں اصل زندگی یہ نہیں ہم اپنی اولاد کے اتنے بڑے سرپرست نہیں جتنا خدا ہے کتنے یتیم ہیں اگر ان کے سر پر باپ کا سایہ نہ اٹھتا تو وہ اتنی بڑی منزلت تک نہ پہنچتے اتنے بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے ہیں پس منظر میں یتیمی نے کام کیا خود رسولوں کا سردار بھی یتیم ہوا ہے۔

کیا شہزادہ علیؑ اکبر نے نہیں کہا تھا:

اذا لا نبالی بالموت

بابا ہمیں شہادت کی کیا پرواہ ہے

ہم کس لئے ان پیشواؤں کو مانتے ہیں کس لئے کربلا کے نام پر مجالس قائم کرتے

ہیں۔ مجلس عزا ایک رسم و رواج نہیں ہے بلکہ ہم ان مجالس عزائے حسینؑ کے طفیل اپنے ایمان کو تازہ کریں اور اضافہ کریں۔ کربلا کو سمجھئے۔ اس کو اپنے لئے آئین حیات بنائیے۔

عبادت اور توبہ کی حقیقت کیا ھے.........؟

تدبر، عقل و فکر:

یہ عبادت جو ہم کرتے ہیں اگر ان پر ایک لحاظ سے نظر کی جائے،

تو معصومؑ کا یہ فرمان کہ:

اَلتَّفَكُّرُ اَفضَلُ مِن عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً

اللہ کے دین میں ایک گھڑی بیٹھ کر فکر کرنا ایک عابد کی ساٹھ سال کی عبادت سے اُفضل ہے۔

اپنی ان خداداد صلاحیتوں کو جو انسان کے لئے طرہ امتیاز ہیں جس میں ایک انسانیت کا جوہر ہے اس کا دوسرا نام عقل وفکر ہے اور جب انسان اپنے اس جوہر انسانی کو اللہ کے دین اور اس کی آیات میں صرف کرتا ہے تو نگاہ معصومؑ میں ایک گھڑی بھر بیٹھنا اپنے افکار کو دین الٰہی میں مگن کرنا ایک عابد کی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہوجاتا ہے اور کیوں نہ ہو اگر ان عبادات کو ان کے فلاسفوں، ان کی حکمتوں کے سائے تلے غور کیا جائے تو چونکہ مجلس امام حسینؑ سے اور ذکر محمدؐ وآل محمدؐ کی ان محافل کے انعقاد سے ہی دیگر تمام عبادات کا ثمر حاصل ہوتا ہے یعنی یہ ایسی کھیتی ہے۔ جو ذکر حسینؑ ابن علیؑ میں شرکت کرتا ہے اسے معرفت توحید نصیب ہوتی ہے۔ معرفت رسالت نصیب ہوتی ہے، ایمان بالآخرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور اللہ کی الوہیت کو سمجھنے کا ادراک پیدا ہوتا ہے۔

اگر ذکر حسینؑ نہ ہوتا تو ہم معرفت الٰہی سے کورے ہوتے لوگ جسے اللہ کی معرفت خیال کرتے ہیں وہ حقیقی معرفت نہیں ہوتی اگرچہ انسان کے پورے دین کی بنیاد معرفت الٰہی پر استوار ہوتی ہے لیکن معرفت الٰہی کا چشمہ ذکر محمدؐ وآل محمدؐ سے پھوٹتا ہے۔

ذکر حسین ابن علی:

اس لئے ہم اس بات پر مکمل ایمان وعقیدہ رکھتے ہیں کہ ذکر حسینؑ ادنیٰ عبادت نہیں

ہے بلکہ اس کو بنیادی عبادت کی حیثیت حاصل ہے اگر ذکر شہدائے کربلا بنیادی عبادت نہ ہوتی تو بعد از سانحہ کربلا معصومینؑ ذکر کربلا کو اتنی اہمیت نہ دیتے جتنی انہوں نے اہمیت دی ہے۔ اگر خاندان معصومینؑ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اس مجلس عزائے حسینؑ کی بنیاد اور بکا و گریہ کی بنیاد اور داغ بیل خود رسول اکرمؐ نے ڈالی ادھر حسینؑ عظیم اپنی ماں کی گود کی زینت بنے ہیں ادھر رسول اللہؐ نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا اور ذکر حسینؑ کی اس انداز سے بنیاد ڈالی اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ماتم حسینؑ کا کیا ثبوت ہے جبکہ اس سے انکار ممکن نہیں کہ جب خدا نے حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو حسینؑ دیا تو اس وقت رسولؐ نے بُکاءٌ عَلَی الحُسَین کی بنیاد رکھی۔ اگر مسلمان سنت رسولؐ کو دین کا سرچشمہ مانتے ہیں تو پھر اس سنت کا اعتراف کریں اور غور کریں کہ رسولؐ اعظم کا غمِ حسینؑ میں رونا فقط رشتے داری کی بنیاد پر تھا یا اسلام کی بقاء کی بنیاد رکھنے کے لئے تھا ہمیں رسولؐ کے دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

رسول کو بحیثیت نانا کے حسینؑ سے محبت تھی اور یہ محبت ناقابل انکار ہے لیکن کیا رسولؐ اپنے اس خون کی محبت کو اور خاندان کی محبت کو ایک باپ اور ایک نانا کی حیثیت سے استعمال کرتے تھے یا رسولؐ کے ہر عمل میں اسلام کی ترویج کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔

اھل بیت جزوء دین:

اگر رسولؐ اپنے کسی شاگرد کے حق میں کوئی جملہ کہہ دیں تو وہ حدیث بن جائے اور اگر رسولؐ اپنے کسی رشتہ دار کے متعلق کوئی ارشاد فرمائیں تو اس کو قرآن کے قرین کی حیثیت کیوں نہیں دی جاسکتی اگر رسولؐ اپنے اس گھرانے کو یہ حیثیت دیں اور یہ فضیلت دیں تو ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا۔ یعنی رسولؐ، اہل بیتؑ کو اپنا ٹکڑا کہہ کر فقط ایک عام سی فضیلت کا اعلان نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنے بدن کا جزء ہونے کی طرف توجہ کم اور دین کا جزء ہونے کی طرف توجہ زیادہ دلا رہے تھے۔

ذکر حسین کی بنیاد:

رسولؐ کا اپنے اہل بیتؑ کے متعلق ذکر کردہ فضائل کو فقط ان کے خاندان کے حوالے سے نہ دیکھا جائے بلکہ ان کو رسالت کے حوالے سے دیکھا جائے اور ایک ایسی ہستی کی گفتگو کے حوالے سے دیکھا جائے جس کے دوش پر خدا نے یہ عظیم ذمہ داری ڈال رکھی ہے کہ آپ نے اسلام پہنچانا بھی ہے تو اسلام کی بقاء کے لئے بنیادی انتظام بھی فرمانا ہے اور جب اسلام کی بقاء و حفاظت کے انتظام کا فریضہ رسولؐ کے دوش پر آتا ہے تو رسولؐ کا حسینؑ کو اپنی گود میں لے کر آنسو بہانا جبکہ ابھی شہادت پیش نہیں آئی تھی یہ فقط فطری غم کی وجہ سے نہ تھا دراصل رسولؐ ایک بنیاد رکھنا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ جب میری امت کے افراد ذکر حسینؑ کرنے اور ان پر رونے کے لئے جمع ہوں گے تو اس سے میرے دین کو بقاء حاصل ہوگی اور اسے حفاظت ملے گی جو سوائے کربلا کے کہیں سے نہیں مل سکتی۔

ذکر حسین، اسلام کی نشوونما کا ذریعہ:

ذکر حسینؑ فقط ہماری نجات کے لئے نہیں بلکہ اس سے اسلام کو نشوونما ملتی ہے۔ ذکر حسینؑ سے دین کو شوکت حاصل ہوتی ہے جس طرح ایک لشکر اسلام جہاد کے لئے جائے تو اس سے اسلام شوکت پیدا کرتا ہے تو اسی طرح ذکر حسینؑ سے اسلام کو عظمت ملتی ہے لہٰذا ذکر حسینؑ کی توفیق کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیجئے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرنے کی کوشش کیجئے وہ فیض جو رسولؐ اپنے ذہن وفکر میں لئے ہوئے تھے۔

عبادت، مرضی عبد یا مرضی معبود:

ایک نکتے کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ذکر حسینؑ عبادت ہے بلکہ سرچشمہ عبادات ہے اور عبادت عبد کی مرضی کو نہیں بلکہ معبود کی مرضی کو کہتے ہیں۔ جب تک انسان اس جوہر عبادت کو محفوظ رکھے گا روح عبادت موجود رہے گی اور اس کی عبادت میں نشوونما ہوگی، اس کی عبادت میں ترقی ہوگی اور فیض بھی بڑھے گا لیکن اس عبادت کے بارے میں ایک خطرہ یہ ہے کہ شیطان

اس میں وسوسہ ڈال کر اس عظیم ترین فیض سے محروم کرسکتا ہے کیونکہ شیطان اس مقام پر حملہ کرنے کی زیادہ کوشش کرتا ہے جہاں وہ ہدایت کو ترقی پاتا ہوا دیکھتا ہے وہ انفرادی عبادت میں ہمیں دھوکہ دینے سے باز نہیں آتا تو وہ اجتماعی عبادات میں سینکڑوں اقسام کی دھوکے بازیاں کر کے ہمیں محروم بنانے سے کیسے باز رہ سکتا ہے۔

رب العزت فرماتا ہے کہ

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (سورۃ الجاثیہ، آیت ۲۳)

کیا تو نے دیکھا اس کو جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شئے کو معبود کہنے والے مل جائیں گے مگر اپنے نفس کو کوئی معبود نہ کہے گا یعنی کوئی نہ کہے گا کہ میں اپنی خواہش نفس کی عبادت کرتا ہوں حالانکہ وہ اس کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب انسان عبادت کو معبود کی مرضی کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے لگ جاتا ہے تو اپنی خواہش نفس کا عبادت گزار بن جاتا ہے۔ خدا نے ہر عبادت سے قبل نیت کو فرض کر دیا ہے۔ غسل، وضو اور نماز میں سے ہر ایک عبادت میں نیت ہے اور نیت کا جوہر کیا ہے؟ اس کی حیثیت سے ہم ناواقف ہیں۔ بچپن میں ہر عمل کی ایک نیت سکھائی جاتی ہے لیکن اس وقت وہ فقط الفاظ ادا کرنے کا نام ہوتی لیکن شعور پختہ ہونے کے بعد ہمیں اس نیت کی حقیقت پر آگاہ ہونا چاہئے کیونکہ باقی تمام امور میں لوگ جوان ہوجاتے ہیں مگر نیت کے معاملے میں اسی بچپن کا شکار رہتے ہیں اس لئے کہ الفاظ کو دھرانا نیت نہیں۔

نیت اور ذکر خدا:

بلکہ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ نیت کرنا زبان کا کام ہے یا دل کا..............؟

نیت کا مرکز قلب ہے جب ہمیں یہ سمجھایا گیا کہ ہر عبادت کی بنیاد نیت ہے

اور احادیث میں بھی ہے کہ

اِنَّما الاَعمَالُ بِالنِّیّاتِ

اعمال کے وزن کی حیثیت نیت کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے ہم نے نیت کا بھی وہی حال کیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم کا کیا ہے۔ قرآن کی آیات کے الفاظ کو زبان کی حد تک ادا کرتے ہیں صرف تلاوت کرتے رہتے ہیں کیا قرآن فقط آیات کے الفاظ کی تلاوت کے لئے نازل ہوا تھا یا قرآن اپنے مفاہیم کی ہدایت کی بنیاد پر نازل ہوا تھا؟

اس نکتہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہم تلاوت سے روکنا چاہتے ہیں بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ تلاوت کرو گے تو مفاہیم کی طرف آؤ گے۔ دعاؤں کی کتابوں میں بعض مقامات پر ہے کہ فلاں دعا کو اتنی مرتبہ تلاوت کریں۔ مفاتیح الجنان میں ہے کہ نماز فجر کے بعد سو مرتبہ استغفر اللہ کو پڑھنا چاہئے تو کیا ان الفاظ کو زبان کی نوک پر دہرانا مقصود الٰہی ہے۔

کیا استغفار فقط زبان سے صدائیں بلند کرنے کا نام ہے؟

اگر بعض معاملات میں کہ کسی نے ہماری نافرمانی کی ہو اور وہ فقط زبانی معافی مانگنا چاہے اور دل سے معافی نہ مانگے تو کیا ہم معاف کردیں گے؟ لفظ استغفر اللہ سے واقعی اللہ سے گناہوں کا استغفار کرنا مقصود ہے یا الفاظ دہرانا مقصود ہے۔ خدا نے ان اذکار کو کثرت کے ساتھ دہرانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ کبھی تو اس بے شعور کا شعور بیدار ہوگا اور سوچے گا کہ جو الفاظ میں اپنی زبان پر ادا کرتا ہوں تو کیا واقعی دل سے بھی اس پر عمل کرنے کا پروگرام بنایا ہے یا نہیں؟

کیا ہم اللہ کے ساتھ دھوکہ تو نہیں کر رہے؟ کیا یہ ہماری مکاری تو نہیں کہ جب میں نے کہا اے اللہ میں مسجد میں بیٹھ کر تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور پھر دل میں ارادہ رکھوں کہ نکلوں گا تو دوبارہ گناہ کروں گا۔ تسبیحات، تعقیبات، تلاوت قرآن اور اس قسم کی تمام عبادات میں کثرت تکرار وارد ہوا ہے تلاوت کو ایک مقام عظیم دیا گیا ہے۔

لیکن یہ سب چیزیں اپنے شعور کو پختہ کرنے کے لئے مقدمہ تھیں اور ان کے اندر بیان کردہ مطالب پر عمل کرنے کا وسیلہ تھیں۔

قرآن، مرحومین کیلئے ایصال ثواب:

جبکہ بہت سے لوگوں نے قرآن کو فقط اپنی دکان کی برکت کے لئے سمجھ لیا ہے۔ کچھ نے سمجھ لیا ہے کہ فقط اپنے سر درد کی شفاء یابی کے لئے اور کچھ نے سمجھ لیا ہے کہ فقط اپنے مردوں کے ایصال ثواب کے لئے۔

کیا قرآن دنیاوی بیماری کا علاج بن کر آیا تھا یا روحانی بیماریوں کا علاج بن کر آیا تھا۔

خداوند عالم نے قرآن مردوں کے لئے نازل کیا ہے یا زندوں کے لئے.........؟

اگر ہم اپنے رسم و رواج پر تھوڑی سی توجہ کریں تو ایسا نظر آتا ہے کہ قرآن کو مردوں کے لئے زیادہ اور زندوں کے لئے کم سمجھنا شروع کر دیا گیا ہے۔

اگر کوئی مردہ خود قرآن سے ہدایت پائے بغیر مرجائے تو کتنے ختم قرآن اس کو ہدایت یافتہ کی فہرست میں لکھوادیں گے؟

جو گمراہ مرا ہے تو خدا اسے ان ختم قرآن کے صدقے میں ہدایت یافتہ قرار دینے کو تیار نہیں ہے دراصل قرآن اس مردے کو فائدہ دیتا ہے جس نے زندگی میں قرآن سے فائدہ اٹھایا ہو۔ جب تک ہم قرآن میں موجود نسخوں کو استعمال نہ کریں گے ہماری روح کا علاج نہیں ہوسکتا۔ ہم جب استغفر اللہ کہیں تو یاد آئے ہم نے بازار میں کیا حرکت کی تھی، کس کی حق تلفی کی تھی۔ اپنے قلب میں یہ عہد کرتے چلیں کہ خدا سے معافی مانگی ہے آئندہ جرم نہ کروں گا تو استغفار کا ہمیں صحیح ہدف حاصل ہوا اور یہ چیز مسجد میں تسبیح گھمانے سے کم حاصل ہوتی ہے اور مجلس حسینؑ میں زیر منبر آنے سے زیادہ ملتی ہے، اس لئے اگر ایک نسخہ جو ہماری ہدایت و علاج کے لئے رہ گیا ہے تو وہ یہی ذکر حسینؑ ابن علیؑ ہے۔

شاگرد کربلائی:

اسی لئے رسول کا گریہ تھا کہ حسینؑ قتیل بن کر میرے دین کا ضامن بنے گا اور گمراہی میں گھرے ہوئے جب امام بارگاہ میں داخل ہوں گے تو ہر کوئی ہوگا غلامِ حسینی اور شاگرد کربلائی تو پھر اس طرح کی ناصحانہ باتیں اس کے سینے میں اتر جائیں گی اور پھر وہ سوچے گا کہ میری زندگی کا مقصود کیا تھا اور میں کس راستے پر چل نکلا ہوں ؟ اور میرا اصل راستہ کیا تھا اور مجھے فقط استغفر اللہ کہہ کر اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔

میدان کربلا میں حر کی توبہ:

بلکہ حقیقی توبہ کرنا چاہئے وہ توبہ جو میدان کربلا میں حر نے کی تھی۔

کچھ لوگ حر کے کردار کو قابل تنقید سمجھتے ہیں واللہ جیسی توبہ حر نے کی تھی وہ ہر ایک کے لئے مشعل راہ ہے تو پھر ذرا دیکھو صبح جہنم میں تھا اور شام جنت میں پہنچ گیا وہ وقت کتنا سخت تھا جب حر کے بدن پر لرزہ طاری تھا اور اس کا ساتھی اس سے یہ پوچھ رہا تھا میں تجھے شجاعان کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر سمجھتا ہوں کیا وجہ ہے کہ معمولی سے لشکر کے مقابلے میں تو اپنے بدن پر لرزہ طاری کئے ہوئے ہے یہ بھی کوئی جنگ ہے سامنے کچھ افراد ہیں جن میں کچھ بچے اور کچھ بوڑھے ہیں۔

حر کہتا ہے کہ میں اس جنگ کے ڈر سے نہیں لرز رہا۔ مجھ پر لرزہ اس لئے طاری ہے کہ میں جہاں کھڑا ہوں وہاں سے دو راستے جا رہے ہیں ایک جنت کو دوسرا جہنم کو اور فرزند زہراؑ کا راستہ جنت ہے درحقیقت یقینی استغفار یہی ہے حر کو یقیناً خوف تھا۔

حر نے اپنے ساتھی کو کہا تھا کیا تو نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا، خیمہ امام حسینؑ کی طرف جاتے ہوئے حر کا انداز یہ تھا کہ اس نے اپنے نیزے کو اپنی گودی میں لٹا دیا تھا اپنی ڈھال کو الٹ کر اس کے پیٹ کی جانب کو سامنے کر دیا تھا تا کہ سامنے جو عباس ابن علیؑ ہیں مجھے آتا ہوا دیکھ لیں یہ نہ سمجھیں کہ لڑنے کے لئے آ رہا ہے۔

حر نے ہاتھوں کو جوڑ کر امام حسینؑ سے کہا کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟

مجھ جیسے خطا کار کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟

یہاں لفظ توبہ فقط زبانی آواز نہ تھی بلکہ بدن پر کپکپی، یہ دل کا عمل ہے جب قلب پر توبہ کا اثر ہوتو بدن پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔

فرزند بتولؑ کے بازو کھلے ہوئے تھے اور فرمارہے تھے کہ میں مدتوں سے انتظار کررہا تھا میں تو پہلے لبیک کہنے کے لئے حاضر تھا۔علم امامت رکھنے والے امامؑ نے میدان کربلا میں مختلف شکلوں سے ہدایت کا سامان بنایا ہے ایک مقام پر مولا حسینؑ نے تبرکات رسولؐ کو زیب تن کیا تھا اور ان یزیدوں سے کہا تھا کہ یہ تبرکات رسولؐ ہیں اور میں نواسہ رسولؐ ہوں تو پھر کس لئے مجھے مارنے کے لئے تیار ہو اگر اس پوری زمین پر تلاش کروتو تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا میرے علاوہ کوئی نہیں ملے گا۔

کیا میں نے تمہارا کوئی قتل کیا ہے؟

مولا کا یہ سارا منظر پیش کرنے کا کیا مقصد تھا؟

تو امامؑ کو علم تھا کہ ایک دل ایسا ہے جس پر میری باتیں اثر انداز ہوں گی اور وہ حر کا دل ہے، حر آیا مولاؑ نے اسے سینے سے لگایا یعنی وہ دل مولا نے سینے سے لگایا جو حقیقتوں کو سمجھنے والا قلب تھا اور اپنی گستاخیوں پر نادم ہوکر حق کے لئے شہید ہونے کا جذبہ رکھنے والا قلب تھا۔

اسلامِ امریکائی و اسلامِ محمدی

دین اور انسانی زندگی:

دین اسلام ایک نظام زندگی ہے جب اس کا تعارف پیش کیا جائے تو لازم ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں اس نکتہ کو اجاگر کیا جائے کہ جس دین اسلام کو ہم نے اس کے کلمہ طیبہ پر ایمان لا کر اختیار کیا ہے اور اس کی حقانیت کو تسلیم کیا ہے اس کا تعلق ہماری زندگی کے فقط چند ایک پہلوؤں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس دین کا تعلق ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ہے موجودہ ماحول اور آج کل کا انداز زندگی اس نے نہ فقط عملی طور پر مسلمانوں کو اسلام کے زندگی کے بعض پہلوؤں پر نافذ رکھنے تک محدود کردیا ہے بلکہ خطرہ اس بات کا لاحق ہو چکا ہے کہ مسلمان فکری طور پر، نظریاتی طور پر اور عقیدتی طور پر بھی اسلام کو اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں تک محدود ماننے لگے ہیں اور انسان اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک کہ پہلے عقیدہ و نظریہ نہ رکھتا ہو جس طرح کا نظریہ ہوتا ہے اس طرح کا عمل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

عیسائی نظریہ اور اسکے اثرات:

اس وقت دشمنانِ اسلام قوتوں نے اپنے تمام تر ترقی یافتہ وسائل کو استعمال کر کے عالمِ اسلام کے اندر اس امر کا پروپیگنڈہ کرنے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کرلی ہے کہ عامۃ المسلمین کو انہوں نے اسلام کے متعلق یہ باور کرادیا ہے کہ تم مسلمان ہو اگرچہ تم چند عبادتوں پر عمل کرتے ہو اور چند ایک ہدایات پر عمل کرتے ہو اسی طرح کی صورت ہے جو مغرب نے میسحیت کے ساتھ کی اور جو مغربی سیاسی نظاموں نے اپنے دین کے ساتھ اختیار کی اور اپنے علاقے کے لوگوں کو یہ باور کرادیا کہ ہمارے دین و مذہب کا تعلق فقط گرجے کی حد تک محدود ہے اور اگر ہفتہ میں ایک مرتبہ کے لئے کوئی شخص گرجہ گھر میں جا کر اپنے پادری کی ہدایات کے مطابق کچھ وقت کے لئے معمولی فعالیات اختیار کرتا یا سال میں جب کرسمس ڈے آئے تو وہ مصروفیات مذہبی جو انہوں نے اپنے ان ایام کے لئے بنائے ہوئے ہیں ان کو انجام دے دیں تو

وہ شخص عیسائی ہے۔

دین عیسائی کا زندگی کے دیگر پہلوؤں کے ساتھ گرجے سے باہر نکل کر جتنی بھی مصروفیات زندگی ہیں ان کے ساتھ اس دین کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ عیسائی پادری اس سلسلے میں کسی قسم کی دخل اندازی کا حق رکھتا ہے۔ کچھ مخصوص دنوں کی فعالیت تمہاری دنیا و آخرت کے لئے کافی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ صلیب پر جا کر تمہاری تمام غلطیوں کی بخشش کا انتظام کر چکے ہیں تم جو کرنا چاہو کرلو۔ ہفتہ کے بعد پادری کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور گناہوں کا اعتراف کرلو۔

جو کچھ اپنے سیاسی، ثقافتی، اقتصادی، معاشی اور زندگی کے دیگر تمام پہلوؤں میں اپنی مرضی کو نافذ کرنے کیلئے ان شاطروں نے عیسائیت کے ساتھ کیا تھا یا دین یہودیت کے ساتھ کیا تھا انہوں نے چاہا کہ اسلامی معاشرے میں بھی اسی روش پر عمل کیا جائے اور ان کو بھی ایسا مسلمان بنا دیا جائے کہ چند ایک نظریات اسلامی کو مانیں اور اس قسم کی کچھ عبادات و فعالیت تک اپنے آپ کو محدود رکھیں کیونکہ اس سے نہ ہمارے سیاسی نظام کو دھچکہ لگے گا اور نہ اقتصادی نظام کو نقصان پہنچے گا اور نہ ثقافتی روش کو نقصان پہنچے گا اور نتیجتاً یہ ہماری مرضی کے مسلمان رہیں گے۔

کردار امام خمینیؒ:

دور حاضر میں دشمن کی جعل سازیوں، عیاریوں اور اس کی مکاریوں پر امام خمینی رضوان اللہ علیہ خوب آگاہ تھے، شاید آج کی اس دنیا میں کسی ماں نے ایسا بیٹا نہ جنا ہو جو استعمار کی عیاریوں سے ان جیسا آگاہ ہو۔ اس لئے بہت سے علماء و رہنما امام خمینیؒ کے ان عظیم اقدامات کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں اور فضل اسی کا جانا جاتا ہے جو کسی نظریہ کی بنیاد رکھے۔

امام خمینیؒ نے ہمیں سادہ الفاظ میں سمجھایا کہ اس وقت ایک اسلام امریکائی ہے اور ایک اسلام محمدی ہے سادہ لوح سوچتے ہیں کہ اسلام امریکائی کیسے ہوسکتا ہے؟ تو ایک وہ اسلام

ہے جسے امریکہ قبول کرتا ہے بلکہ اس اسلام کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اس اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی تمام قوتوں کو استعمال کرتا ہے جب اس قسم کے اسلام پر اسے کوئی مشکل نظر آئے تو اسے واشنگٹن میں سکون نہیں آتا اور جہاں اسلام محمدی کا مقام ہو تو اس کی ساری سازشیں اس کو مٹانے کے لئے عمل پیرا ہو جاتی ہیں۔

کارٹر نے ایک مرتبہ واشنگٹن میں کہا تھا کہ خمینیؒ کا اسلام بنیاد پرست قسم کا اسلام ہے ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ تہران کی مسجد جمران میں بیٹھ کر اس مرد مجاہد امام امتؒ نے کہا تھا کہ اے کارٹر! تو کب سے اسلام کا مفتی بن گیا ہے تجھے یہ حق کب سے حاصل ہو گیا کہ تو یہ فیصلہ دینے لگے کہ صحیح اسلام و غلط اسلام کیا ہے۔

عزاداری اور حفاظت اسلام:

ہر منصف مزاج کو یہی فیصلہ دینا چاہئے کہ جس کو امریکہ اسلام کہے وہ رسولؐ کا اسلام کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ خداوند عالم نے احسان فرمایا اور مکتب صادق آل محمدؑ کے فرزندوں کو شرف بخشا کہ ہم نے ہمیشہ کہا ہے کہ کربلا نے اسلام بچایا اور کربلا بچائے گی اور یہ عزاداران امام مظلومؑ کے لئے نور افتخار ہے۔

کربلا کی تڑپتی ہوئی لاشوں نے یزیدیت کو شکست دی تھی اور اس دور کی یزیدیت کا مقابلہ کیا تھا اور آج کے دور میں بھی اسلام پر حملہ کرنے والے عصر حاضر کی یزیدیت کا تعارف بھی فرزند امام موسی ابن جعفرؑ نے کرایا ہے۔ اور اس کی شناخت کربلا کے وارثوں نے کرائی ہے۔ اس لئے ہمیں عزاداری مظلوم پر فخر کرنا چاہئے اور اس عزاداری مظلوم کو جتنا زیادہ سے زیادہ پھیلا سکتے ہیں اس کو پھیلائیں اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کریں اور کرنا چاہئے۔

فلسفہ عزاداری:

سادہ لوح عزادار تو فقط یہی سمجھتا ہے کہ عزاداری آنسو بہانے کا نام ہے۔ عزاداری سینے پر ہاتھ مارنے کا نام ہے یا حسینؑ کہنے کا نام ہے۔ سادہ عزادار عام طور پر عمل کو تو جانتا ہے

فلسفہ عمل کو نہیں جانتا جیسے ایک نمازی نماز کا پابند ہوتا ہے لیکن نماز کے پس پشت حکمت اور فلسفہ سے اتنا آگاہ نہیں ہوتا جتنا وہ ہوتا ہے جو اسلام کا صحیح عالم ہوتا ہے۔

عزاداری کے فلسفے کو جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عزاداری امام حسینؑ کے پیچھے اسلام کا تحفظ پوشیدہ ہے اسی گریہ کے پیچھے یزیدیت کی شکست پوشیدہ ہے۔ اسی عزاداری کے سائے میں حسینیت کا پرچم بلند ہے نہ صرف ۶۱ ہجری میں بلکہ تا روز قیامت تک اسے سربلند رکھے گا آپ حسینی شمع کے پروانے ہیں، یزیدیت کو تباہ کریں گے آپ کربلا کے وارث ہیں، حسینیت کے پرچم کو سربلند رکھیں گے حقیقی عزادار۔

وہ عزادار ہوتا ہے جو عزاداری کی رسوم کو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق بدلنے کی فکر کرتا ہے اور کہتا ہے عزاداروں کو اس دور کے تقاضوں کے مطابق کچھ اس طرح ڈھال دیا جائے تا کہ اس دور کی یزیدیت سے مقابلے کی سکت اس میں پیدا ہوجائے جوں جوں شیطان اپنے جدید اسلحہ کے ساتھ تمہارے نظام کو خراب کرنے کے لئے میدان میں آئے تو تم حسینی، شیطان کے ہر اسلحے کو اس کے مقابلے میں ایسے اسلحے سے توڑ دو جو اس کی شیطانیت کو کافور کرنے کا موجب بن جائے۔

افکار یزیدیت کا مقابلہ:

تمام عزاداران کربلا کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہم اپنی روش عزاداری کو محفوظ رکھتے ہوئے آج کی یزیدیت کی چالوں کا علاج کس طرح کرسکتے ہیں؟ اگر آپ کے اختیار میں ہو تو آپ ریڈیو اسٹیشن اور ٹی وی اسٹیشن قائم کریں اس سے حسینیت کے پیغام کو ہوا کی لہروں پر سوار کر کے لوگوں تک پہنچائیں۔ یزیدیت اپنے فائدے کے لئے جس عمارت کو استعمال کرتی ہے اسی مورچے کو حسینیت کو بھی استعمال کرنا چاہئے اور ہدایت کی آواز وہاں سے بلند کرنا چاہئے۔

رہبر کبیر اور قوت حق:

اسلام ایک ایسا عظیم دین ہے جو خالق نے بنایا ہے اور مضبوط بنیادوں پر بنایا ہے تا روز قیامت شیطان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس دین کو مٹا سکے لیکن وہ اپنی پوری فورس کے

ساتھ اس دین کے چہرے کو بگاڑنے کے لئے اور اسے شکست دینے کے لئے میدان میں رہے گا جو جو بھی مخلص اسلام ہے اس کو شیطان کی چال و مکاری سے بچنا چاہئے اس کے مقابلے میں اپنے اسلحہ کو تیار کرنا چاہئے یقیناً حق میں اتنی طاقت موجود ہے کہ حق کا ایک طمانچہ باطل کی سینکڑوں سال کی محنتوں کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اس کا تجربہ ہم نے عصر حاضر میں دیکھ لیا ہے۔ ہمارے رہبر کبیر حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی عمر تو اسّی سال کی ہوچکی تھی آواز میں اتنا زور نہ تھا جو ایک جوان مقرر میں ہوسکتا ہے وسائل بھی انتہائی کمزور تھے لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود اس بوڑھے مجاہد کے طمانچے کے اثر کو تو ملاحظہ فرمائیے۔

وائٹ ہاؤس لرزہ بر اندام نظر آتا تھا وہ نہ صرف ان کی زندگی میں لرزہ بر اندام تھا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی بے چین نظر آتا ہے اس نے اس کے گرد و نواح میں اپنا گھیراؤ بنانے کی کوشش شروع کردی ہے ثابت ہوا کہ وہ نہ فقط اس بزرگ کی زندگی میں اسے خطرہ سمجھتا تھا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی میراث کو اپنے لئے سخت خطرہ سمجھتا ہے۔

حسینیت کے وارث:

انشاء اللہ جس طرح رسولؐ کی میراث کو کوئی یزید جیسا نقصان نہ پہنچا سکا اسی طرح رسولؐ کے بیٹے کی میراث کو جو دراصل رسولؐ ہی کی میراث ہے آئندہ بھی کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہوسکے گا جس طرح اس وقت میراث رسولؐ کو تباہ کرنے والے یزید ابن معاویہ کے مقابلے میں حسینؑ ابن زہرا کی ضرورت رہی تھی اسی طرح آج کے دور جدید کے یزید حاضر کے مقابلے میں بھی حسینیت کے پروانوں کی ضرورت رہے گی اور اگر اس کا مقابلہ کرسکیں گے تو حسینیت کے وارث ہی کرسکیں گے۔

یہ مقابلہ یزیدیت و حسینیت میں ہمیشہ رہے گا البتہ یزیدیت ہر دور میں نئے چہرے کے ساتھ میں آئے گی اور ہزارہا چالوں سے وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گی لیکن حسینی

پروانوں کا فرض ہے کہ ان کے اصول حسینی رہیں اور اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق میدان رزم میں نکلیں بنت زہرا کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہم کبھی ناکام نہیں ہوسکتے کیونکہ سب سے بڑی مشکل آئے تو یہ کہ مارا جاؤں گا لیکن اس راستے پر مارا جانا ناکامی نہیں بلکہ اسی کو کامیابی کہتے ہیں۔ اس راہ پر جان دے دینا یہی تو اصل زندگی ہے۔ اس شخص کی زندگی موت ہے جو اس راستے سے ہٹ کر زندہ رہنا چاہے اور اس کی موت زندگی ہے جو اس راستے پر مارا جائے اور یہی ابدی زندگی ہے۔

ایک زندگی ہے عمل کے میدان میں اور ایک ہے عقیدے و نظریئے کے میدان میں۔

رسول اکرمؐ نے سلمان فارسی سے فرمایا تھا کہ اے سلمان تیرا کیا حال ہوگا جب برائی زیادہ ہوجائے گی اور نیکی کم پھر جب برائی کی طرف دعوت دی جائے گی اور نیکی سے روکا جائے گا اور پھر جب لوگ نیکی کو برائی سمجھنے لگیں گے اور برائی کو نیکی سمجھنے لگیں گے۔

توحید و ولایت:

یہ آخری مرحلہ ہے جب انسان کی فکر تباہ اور عقیدہ بگڑ گیا اور معرفت راہ راست سے ہٹ گئی۔ عمل کی قیمت عقیدے کی بنیاد پر ہوتی ہے جس کا عقیدہ صحیح اس کا عمل صحیح، چونکہ عام طور پر اس جملے کا تاثر ولایت علیؑ ابن ابیطالب اور ولایت آئمہ ہدیٰؑ کی حد تک محدود رکھا جاتا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس کے دل میں ولایت علیؑ امیرالمومنین موجود ہے اس کا عمل قبول ہے جبکہ یہ بات اپنے مقام پر حق و سچ ہے لیکن اس کی طرف توجہ کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب مقابلہ اس معاشرے سے ہو جو عقیدہ ولایت کی حد تک کمزور ہو اب تو معاشرے کا یہ حال ہے کہ اصلاً عقیدہ اسلام کمزور ہونے لگا ہے عقیدہ توحید کو گزند پہنچ گیا ہے اور جو عقیدہ توحید میں کمزور ہو وہ کس طرح عقیدہ امامت میں مضبوط ہوسکتا ہے رسالت کا محور بھی الوہیت کا عقیدہ ہے۔ عقیدہ ولایت علیؑ برحق ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ علیؑ ولی اللہ کے حوالے سے ہو یعنی عقیدہ یہ ہو کہ منزل ولایت پر آپ کو فائز کیا تو کس نے؟ اللہ تعالیٰ نے۔

اگر کوئی ولایت علیؑ کو مانے مگر خدا و رسول کی ولایت کو نہ مانے یعنی علیؑ کو مستقل مانے تحتِ توحید و رسالت نہ مانے تو اس نے علیؑ کو اپنے خیال میں بہت کچھ مانا ہوا ہے لیکن نگاہِ رسولؐ میں اس نے علیؑ کو کچھ نہیں مانا۔ علیؑ مولا کی ساری عظمتوں کا راز رسولؐ کے وصی ہونے میں ہے اور رسولؐ کی رسالت اللہ کے نبی ہونے میں ہے۔ عزت وہ ہے جس کا تعلق سرچشمہ عزت کے ساتھ ہو اگر کوئی کسی کو باعزت مانے اور دنیا اس کی لاکھ عزت کرتی رہے لیکن جب خدا کے نزدیک اس کی کوئی عزت نہ ہو تو اس کی کوئی عزت نہیں ہے۔

اصلی حاکم کون ؟

سرچشمۂ عزت اللہ ہے۔ اصل حکومت کا حق اللہ کو حاصل ہے۔ اگر اللہ نے کسی کو حق حکومت دیا تو ہم پر اس کی اطاعت واجب ہوئی اور اگر کوئی حکمران بنا مگر اس نے حق حکومت حقیقی حاکم سے نہیں لیا تو ساری کائنات ہی کیوں نہ اس کے سامنے جھک چکی ہو اس کو حاکم حق کی حیثیت نہیں مل سکتی۔ ہمیں اس امر پر فخر کرنا چاہئے کہ دوسروں کے علماء تو تمغے لے کر کسی کے اولامر ہونے کا اعلان کردیتے ہیں لیکن ہمارے علماء سر کٹا دیتے ہیں کسی فاسق کو حق کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔

شاگرد مکتب صادق آل محمد کا کردار

مکتب صادق آل محمدؑ کا اصلی اثر اور حقیقی تصویر یہی ہے کہ جو واقعاً عالم ربانی و عالم مکتب صادق آل محمد ہوتا ہے وہ کٹ تو سکتا ہے لیکن ناحق کو حق نہیں کہہ سکتا۔ اس کی ساری کوشش اس حق کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے جس حق کو خدا نے حق بنایا۔ کتنی کوشش کی جاتی ہے ایسے بزرگان کو خریدنے اور جھکانے کی لیکن کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔

ہمارے یہاں علمائے صالحین کی شناخت یہی ہے کہ ان کے قول و عمل میں تضاد نظر نہ آئے جو عقیدہ رکھے اسی کے مطابق عمل کرتا ہوا نظر آئے۔ عقیدہ یہ ہو کہ اولی الامر آل محمدؐ کے سوا کوئی نہیں اور پھر میدان عمل میں ان جعلی اولی الامر کے پیچھے خوشامد کرتا ہوا نظر آئے۔ ایسا شخص علماء صالحین میں سے نہیں ہوسکتا۔

آئمہ معصومؑ نے فرمایا:

بئس العلمآء علی باب الامرآء

وہ علماء برے ہیں جو حکمرانوں کے دروازے پر نظر آئیں۔

پس علماء صالح وہ ہیں جن کے دروازوں پر حکمران نظر آئیں۔

قیام حسینی:

کیا امام حسینؑ نے فقط ایک بے نمازی کو نمازی بنانے کے لئے قیام کیا تھا؟

امام حسینؑ کا امر بالمعروف انفرادی نہیں تھا بلکہ اجتماعی امر بالمعروف تھا اس سرچشمہ شر پر نظر رکھے ہوئے تھے جہاں سے برائی پھوٹ رہی تھی اور نیکی کو تباہ کیا جارہا تھا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر آدمی اپنی طاقت کے مطابق کرتا ہے قوم کا ہر فرد اس قسم کا اجتماعی فریضہ خود انجام نہ دے سکے تو پھر اپنے رہبر کی اتنی پشت پناہی تو کرسکتا ہے کہ وہ اس کی بنیاد پر اس فریضہ کو انجام دے سکے جہاں اجتماعی طور پر امر بالمعروف انجام دینا مقصود ہو تو وہ فرد کی حیثیت سے ادا نہ ہوگا بلکہ اپنی ملت کی طاقت کی بنیاد پر ادا ہوگا۔

حسین ابن علیؑ کا مدینہ چھوڑنا اور مکہ معظّمہ میں جانا اس میں کوئی حکمت تو تھی مولا کا یہ انقلابی ترین اقدام تھا۔ آٹھ ذوالحجہ کو لوگ احرام باندھ کر حج کی تیاری میں مصروف تھے اور امام احرام کھول کر عراق کی طرف آمادہ ہونے لگے۔ حسینؑ ابن علیؑ اپنے ان تمام اقدامات کے ساتھ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے کہ اس وقت حج کرنے والو! تمہارا اس قسم کا حج اسلام کو نہیں بچا سکتا، میں حج چھوڑ کر اسلام کی بقا کے لئے نکلنا چاہتا ہوں۔

اس لئے امامؑ نے بہنوں کو بھی اپنے ساتھ لیا وہ کون سا ہدف تھا جس کے لئے اپنی چھوٹی چھوٹی بچیوں کو ساتھ لیا؟ امام برحق کی نگاہیں قیامت تک تھیں۔ انہوں نے اپنا فریضہ یہ سمجھا تھا کہ میں اس انداز سے اپنے اقدام کو انجام دوں کہ رہتی دنیا تک میرا یہ اقدام ایک بنیاد کی حیثیت اختیار کرلے تاکہ ان خطوط پر عمل کر کے میرے پروانے یزیدیوں کے خلاف کامیاب

ہوتے رہیں۔

گویا امام حسینؑ کو یقین تھا کہ میرا یہ اقدام فقط مردوں کی شراکت سے کامیاب نہ ہوگا بلکہ اس عظیم کام کو انجام دینے کے لئے خاندان تطہیر کی خواتین کی خدمات بھی حاصل کرنا ہوں گی۔

کردار انسانی سے عقل و شھوت کا موازنہ،

انسان ملائکہ سے افضل اور حیوانات سے بدتر بھی بن سکتا ھے

نظام تکوینی:

خالق کائنات نے یہ نظام تکوینی محکم، مستحکم، مضبوط اور حکیمانہ انداز میں خلق فرمایا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی اور کمزوری نہیں ہے جس خالق نے نظام تکوین کو اس طرح کے محکم و حکیمانہ انداز میں خلق فرمایا ہے تو جب وہ نظام تشریع قائم کرتا ہے تو وہ بھی اسی طرح کامل تر اور تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا اور ہر قسم کی کمی سے پاک و پاکیزہ ہوتا ہے خالق کائنات نے انسان کو دیکھتے ہوئے اس کائنات کو خلق فرمایا اس کو قدرت و اختیار کی دولت سے مالا مال کیا اور پھر اس کے اختیار کو دیکھتے ہوئے اس کے لئے نظام تشریع قائم کیا اور اس نظام تشریع کی ذمہ داریاں نظام رسالت و نبوت اور نظام امامت و وصایت پر ڈال دیں تاکہ انبیاء و رسل آئمہ ہدیٰ ؑ اور اوصیاء معصومینؑ اس انسان کے لئے نظام تشریع کو لے جائیں اور اس کو نظام تشریع پر آگاہ کریں اور اس نظام کے مطابق اسے تیار کریں تاکہ وہ اپنی ان منزلوں کو پانے میں کامیاب ہوسکے کہ جن منزلوں کے لئے اللہ نے انسان کو خلق فرمایا ہے۔

انسانی سفر، بلندی و پستی:

انسان ایک عجیب و غریب قسم کی مخلوق ہے اگر اپنی ماہیت و شخصیت کو نہ پہچانیں تو گھٹیا و پست بن جاتا ہے اپنی حقیقت و اصلیت کی معرفت حاصل کرلے تو یہ ترقی کا سفر شروع کرتا ہے۔ آئمہ ہدیٰ ؑ و انبیاءؑ انسان کو ترقی کی طرف لے جانے کے لئے تشریف لائے اور تنزلی و پستی سے بچانے کے لئے زحمتیں فرمائیں کیونکہ یہ انسان اگر پستی کا سفر شروع کرسکتا ہے تو اسی طرح انسان کا بلندی کا سفر بھی شروع ہوسکتا ہے۔

انسان جب اپنے ماحول پر نگاہ ڈالتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کائنات تکوین میں جتنی

مخلوقات اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔عموماً وہ اس انسان سے پست تر ہیں اس لئے کہ اس کی نگاہ جمادات پر پڑتی ہے تو جمادات میں حس وحرکت اور ارادے کی قوت موجود نہیں ہے اور نہ ہی وہ نشوونما پانے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں اس کے بعد جب اس کی نگاہ نباتات پر پڑتی ہے تو انسان یہ فیصلہ کرتا ہے کہ نباتات اپنے اندر نشوونما کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے ان جمادات سے برتر خاصیت کے مالک ہیں۔ اس لئے یہ نباتات جمادات سے بہتر ہیں پھر جب انسان کی نگاہ حیوانوں پر پڑتی ہے تو دیکھتا ہے کہ حیوانات نباتات سے زیادہ ایک اور خاصیت کے مالک ہیں کہ ان کے اندر حس وحرکت بھی موجود ہے ارادہ بھی موجود ہے اپنی مرضی سے حرکت بھی کرتے ہیں اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے کچھ اقدامات بھی کرتے ہیں اپنی غذاؤں ومشروبات کی پہچان اور اپنی جان ودفاع کے لئے منصوبے بھی بناتے ہیں۔

جب انسان اپنی طرف نگاہ ڈالتا ہے تو دیکھتا ہے کہ حیوانات میں بہت ساری کمزوریاں موجود ہیں جو انسان میں نہیں ہے اور انسان ان سے بہت بہتر مخلوق ہے اور انسان کو جب یہ اطلاع ملتی ہے کہ ایک اور مخلوق ہے جنہیں ملائکہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انسان جب مسلمان بن جاتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایمان لائے اور ملائکہ کے متعلق تسلیم کرے کہ وہ ایک ایسی مخلوق ہے جو اللہ کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے وہ ہمیشہ اللہ کے حکم کی تابعداری کرتے ہیں کوئی جملہ بھی مرضی الٰہی کے بغیر خارج نہیں کرتے۔ اس لئے انسان ان ملائکہ کی عصمت اور اطاعت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ملائکہ اس سے بہتر مخلوق ہیں۔

عقل و شہوت:

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

ان اللہ تعالیٰ خلق الملائکۃ فرکب فیھم العقل و خلق البھائم فرکب فیھا الشھوۃ و خلق بنی آدم فرکب فیھم العقل والشھوۃ فمن غلب عقلہ علی شھوتہ فھو

اعلٰی من الملائکۃ و من غلب شہوتہ علی عقلہ فھو

ادنی من البھائم.

اللہ نے ملائکہ کو خلق فرمایا تو ان میں خالص عقل کو ترکیب دیا، حیوانات کو خلق فرمایا ان میں خالصتاً شہوت کو ترکیب دیا، انسان کو خلق فرمایا تو ان میں عقل و شہوت دونوں کو رکھا اگر انسان کی شہوت پر عقل غالب آگئی تو وہ ملائکہ سے افضل ہے اگر شہوت عقل پر غالب آگئی تو وہ حیوان سے پست تر ہے۔

انسان عقل و شہوت دونوں سے مرکب ہے۔ انسان جب اپنے متعلق سوچتا ہے اسے اپنے اندر دونوں کیفیتیں نظر آتی ہیں کبھی کبھی حیوانیت اس کے اندر غالب آئی ہوئی ہوتی ہے تو وہ محسوس کر رہا ہوتا ہے کہ دوسرے کے بارے میں بھی اور اپنے بارے میں بھی کہ اس وقت میرے اندر فلاں خاصیت اور فلاں برائی زیادہ ہے۔ کبھی غصہ آجاتا ہے کبھی انسان غیظ و غضب کا شکار ہوجاتا ہے اور کبھی حسد، حرص اور لالچ جیسے دیگر امراض نظر آتے ہیں۔

شہوات نفسانیہ کی تقسیم:

شہوات نفسانیہ حیوانات میں تقسیم کی گئی ہیں جبکہ انسان میں سب کو ایک جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً ہم شیر میں بزدلی نہیں دیکھتے، ہم لومڑی میں بہادری نہیں دیکھتے اس قسم کی صفات و خصلتیں عموماً حیوانات میں سے ہر حیوان میں ایک خصلت زیادہ غالب ہوتی ہے اور حیوان کی وہ پہچان بن جاتی ہے اور جب ہم حیوانات کے بارے میں تبصرہ کرتے ہیں مثلاً لومڑی بڑی چالاک ہے۔ اونٹ میں کینہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ اونٹ کے کینے سے بچا جائے۔ ہر اک میں اپنی اپنی ایک خاص خصلت ہے اور یہ خصلتیں جنہیں اخلاق رذیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو عام طور پر حیوانوں میں بکھیر دی گئی ہیں۔ انسان میں ان سب کو جمع کر کے رکھ دیا گیا ہے اس لئے انسان مختلف حالات میں ان خصلتوں میں سے کسی ایک خصلت کا شکار ہوتا رہتا ہے

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے ماتحت کے لئے شیر اور اپنے سے مافوق کیلئے گیڈر بنا دکھائی دیتا ہے۔

آپ جتنے طاغوت دیکھیں گے ان طاغوتوں کی یہی صفت ہے اور عجیب ہے کہ وہ اپنے سے پست کیلئے شیر اور سپر پاور کیلئے گیڈر، اکثر استعماری طاقتیں اپنے زیر تربیت افراد کو ایسی ہی تربیت دیتے ہیں جو فورس استعماری قوتیں حرکت دیتیں ہیں تو ان میں یہ جذبہ زیادہ پیدا کرتے ہیں کہ اپنے سے مافوق کے سامنے بال برابر بھی سر نہ اٹھاؤ اور ماتحت پر کوئی نرمی نہ کرنا۔

عقل اور قوت عاقلہ:

عقل جو ملائکہ کو عطا کیا گئی تھی وہ انسان کو بھی عطا کردی تا کہ کوئی بھی بری خصلت ہم پر غلبہ کر رہی ہوتو اندر ضمیر نامی چیز یا عقل نامی صفت ہوتی ہے جو اندر ہی اندر انسان کو اپیل کر رہی ہوتی ہے کہ اپنے اس غصے کے تقاضے پر عمل نہ کر۔ غصہ کو کنٹرول کر اور سوچ کر اقدام کر، یہ ضمیر وہی قوت عاقلہ ہے اور فکری صلاحیت ہے جو خدا نے انسان کو دی ہے۔

اسی لئے بعض روایات ہیں اسی چیز کو اس انداز میں تعبیر کیا گیا ہے کہ انسان کے دل میں دو سوراخ ہیں ایک سوراخ پر فرشتہ اور دوسرے سوراخ پر شیطان بیٹھا ہے۔ ایک اس کے دل میں نیکی کی سوچ پیدا کرتا رہتا ہے اور شیطان اپنے شیطنت کو اس کے دل میں پھونکتا رہتا ہے۔ شہوت و خواہشات شیطان کے لئے ہتھیار ہیں اور عقل ملائکہ کے لئے ہتھیار ہے۔ عقل سے ملائکہ اور ملکوتی قوتیں فائدہ لیتی ہیں اور اس کو راہ ہدایت پر اس عقل کے ذریعے گامزن کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور شیطان و شیاطین کے فوجی خواہشات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راہ مستقیم سے اور صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

عقل و شہوت کا غلبہ:

پس جس نے اپنی عقل کو شہوت پر غلبہ دیئے رکھا اور اسی تکلیف کی حالت میں اپنی زندگی کو گزارا جب موت آئی تو غلبہ عقل بر شہوت والی زندگی گزار کر گیا تھا تو گویا کہ وہ ملائکہ سے بالاتر ہو کر زندگی گزار گیا اور اگر اس نے اپنی زندگی کو اس انداز سے گزارا کہ شہوت کو عقل

پر غلبہ دیئے رکھا جو بھی اقدام کیا، کردار اپنایا، شہوات عقل پر غالب رہیں وہ ان جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا۔

قوت، عقل و فکر:

اب ہم سوچیں ترقی کا سفر کیا ہے یا تنزلی کا سفر کیا ہے؟

کس کو کہتے ہیں ترقی یافتہ یا ترقی پذیر اور کون ہوتا ہے تنزل یافتہ؟

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُوْلٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ

(سورۃ اعراف، آیت ۱۷۹)

اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنّم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں (یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں)

فضیلت کا معیار:

یہ بات اپنے مقام پر عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے، ملائکہ اپنے مقام پر بہت برتر مخلص ہیں لیکن جس کو غیظ، غصہ، حرص اور شہوت اور اس قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ملی ہو مثلاً اگر سیدھی سڑک ہو، کھلی سڑک ہو، نہ کوئی گڑھا ہو، نہ کانٹا ہو، نہ کوئی گمراہ کرنے والا ہو اور نہ راہ راست سے اغوا کرنے والا تو جو سیدھا چلے اور منزل پر پہنچ جائے اس کا پہنچنا اتنا قیمتی نہیں ہے۔ جتنا پہنچنا اس شخص کا قیمتی ہے جس کے سامنے پہلے تو راستہ ہی واضح نہ ہو اور قدم قدم پر گڑھے ہوں، قدم قدم پر گمراہ کن طاقتیں ہوں اور چوراہے کے اوپر شیطان خبیث کھڑا ہوا

ہو اس کی کوشش یہ ہو کہ اس کو راہِ مستقیم سے بھٹکا دے اور اس کو الضالّین میں سے یا مغضوب علیہم میں سے بنائے اور یہ ان سب مشکلات کے باوجود صراط مستقیم پر بڑھتا ہوا منزل پر پہنچے تو اس کے مقابلے میں وہ پہلے والا بہتر نہیں ہوسکتا ، یہ کہہ کر کہ، میں بھی تو منزل پر پہنچا ہوں تو دوسرا جواباً کہے گا تیرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی میں نے تو تمام مشکلات کو عبور کر کے منزل حاصل کی ہے۔

عقل انسانی اور راہ حق:

عقل انسان کو راہ حق کی ہدایت کرتی ہے اور شہوت راہ حق سے دور کرتی ہے جو ان شہوات نفسانیہ و حُبّ دنیا کو روندتا اور پامال کرتا ہوا منزل پر پہنچتا ہے وہ ملائکہ سے افضل نہ ہو تو کیوں ؟

راستے میں رکاوٹیں موجود ہیں لیکن کوئی اتنا اطاعت گزار بن جاتا ہے کہ

رسول اکرمؐ کہتے ہیں کہ

السّلمان مِنّا اھل البیت (حدیث رسول)

سلمان میرے اہل بیتؑ میں سے ہیں۔

اگر انھیں ملائکہ سے افضل کہا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہی بات ثابت ہے شہدائے کربلا کے کردار کو دیکھ کر اگر ملائکہ انگشت بدندان ہوں تو انہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان بے چاروں کو کیا معلوم یہ کشش شہوانی کیا ہے، نہ انہیں حسن کا پتہ اور نہ ہی حسن کی کشش کا پتہ ہے۔ نہ مال رکھتے ہیں اور نہ اس کی حرص، نہ غصہ رکھتے ہیں نہ اس کا غلبہ، نہ جاہ طلبی ہے نہ خواہش پرستی۔

نور عقل:

یہ انسان ہے کہ دل میں لالچ پیدا ہوتی ہے ادھر نور عقل کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ یہ مال یقیناً تجھے پیارا ہوسکتا ہے لیکن دیکھ اسے ہاتھ نہ لگانا کہ وہ تیرے لئے حرام ہے لیکن اگر کوئی

الٹا چلے نور عقل پکارتا رہے پکارتا رہے لیکن وہ حرام کا ارتکاب کرے، وہ اندر ہی اندر جنگ میں شکست کھاجائے تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی آنکھ ہونے کے باوجود گڑھے میں گر جائے۔ ایسا شخص نابینا سے بھی بدتر ہے، اندھے کوتو معاف کیا جاسکتا ہے لیکن جس کے پاس نور عقل جیسی روشنی موجود ہو اسے معاف نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جو آنکھیں ہونے کے باوجود گڑھے میں گر جائے وہ اندھے سے بھی بدتر ہے۔

میدان محشر اور اعمال مجسم:

روایت میں ہے کہ

بروز قیامت جب انسانوں کو محشور کیا جائے گا تو اس وقت مختلف انسان مختلف حیوانی شکلوں میں محشور ہوں گے، کوئی بندروں کی شکل میں، کوئی خنزیر کی شکل میں محشور ہوگا تو اس میں انسان خدا سے شکوہ نہ کرے کیونکہ جب انسان اپنی تصویر اپنے کردار سے بنا رہا ہے تو ایسی اصلی شکل بروز قیامت اسے عنایت کردی جائے گی اس لئے کہ اس دنیا میں ہم اپنی ماں کے بطن سے آتے ہیں یہ دنیا مقام جزا و سزا نہیں۔ یہاں کمرہ امتحان ہے یہاں وہ شکل جو خدا نے ہمیں اپنے علم کے مطابق دی اور خدا اس شکل پر فخر کرتا ہے اور

هُوَالَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ

(سورۃ آل عمران، آیت ۶)

خدا ماؤں کے رحم میں تمہاری تصویر کشی کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

(سورۃ مومنون، آیت ۱۴)

تو وہ خدا سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۔

خود چیلنج کرتا ہے میں احسن الخالقین ہوں۔

اور اس خوبصورت تصویر کو بحال رکھنا اس کی نورانیت میں مزید اضافہ کرنا یا اس کو بگاڑنا دنیا میں اس کا اختیار خدا نے ہمیں عنایت فرمایا ہے چاہیں تو اس کی نورانیت میں مزید اضافہ کریں یا پھر حیوانات کی شکل میں بدلوادیں۔

حجت باطنی اور حجت ظاھری:

وہ نور جو انسان کی ہدایت کا ضامن ہے اور شہوت نفسانیہ پر غلبہ دلواسکتا ہے وہ عقل ہے اور اس کو ہم نے غلبہ دینا ہے پھر کیا عقل ہی سب کچھ ہے یا دراصل اس عقل کو اپنی منزل تک پہنچانے کے لئے خدا نے اور بھی بہترین انتظامات فرمائے ہیں کیونکہ اگر شہوات سے فائدہ اٹھانے کے لئے شیطان موجود ہے اور یہ شہوت اس کے لئے حربے و ہتھیار کا کام کرتی ہے تو اللہ نے اپنی اس مخلوق پر دوقسم کی حجتیں قائم فرمائیں ہیں :

اول) حجت باطنی۔

دوم) حجت ظاہری۔

حجت باطنی................عقل انسانی

حجت ظاہری................رسل و انبیاء اور کتاب خدا و آئمہ ہدیٰ علیہم السلام

یہ جو خدا نے نظام ہدایت بیرونی قائم فرمایا ہے اس وقت تک خلق نہیں کیا جب تک بنی آدم کی ہدایت کے لئے ہادی کو خلق نہ فرمایا۔ نظام رسالت، نبوت، امامت، ولایت، انزال کتب، انزال میزان اور حق و باطل کا نظامِ ہدایت اس قدر محکم بنیادوں پر قائم فرمایا ہے کہ کل کوئی بروز قیامت یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میری شہوت میری عقل پر غلبہ کرلیتی تھی تو کوئی نہ تھا جو میری عقل کی مدد کرے۔

یہ شہوانی خواہشات راکھ کا ایک ڈھیر ہے، شہوت ایک راکھ کی شکل میں ہے جو انسان کی عقل کے نور کے اوپر گر جاتی ہے اور اس کی چنگاری اس کے نیچے دب جاتی ہے تو وہ بت پرستی کرنے لگتا ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کی غلامی کرنے لگتا ہے، راہ کج پر چلنے لگتا ہے تو ایسے میں

وہ آ جاتا ہے جسے اللہ نے حجت ظاہری بنا کر روانہ فرمایا ہے۔ دور کھڑا ہوا پکارتا اور تبلیغ کرتا ہے اپنی گفتگو کی تاثیر کے ساتھ اور رحم دلی کے ساتھ، کردار کے ساتھ، افعال کے ساتھ، علم کے ساتھ، کمال کے ساتھ، اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں کے ساتھ اپنی اس پوری نورانیت کے ساتھ آ کر اس نور عقل کو اپیل کرتا ہے اور اس راکھ کے ڈھیر کو ہٹاتا ہے جو نور عقل پر جمع ہو چکی ہوتی ہے۔

نور حجت ظاہری:

یوں سمجھئے جب نور حجت ظاہری کی کرن نورِ باطنی کی کرن سے ملتی ہے تو یہاں سے ایمان جنم لیتا ہے۔ عقل حجت باطنی ہے انسان سادہ ہے، شیطان مکّار ہے شہوت اور اس کو استعمال کرنے والا شیطان اس کے پاس ایسی ایسی چالیں موجود ہیں کہ شہوت کے فیصلے کو عقل کا فیصلہ کہلوا دیتا ہے۔ فیصلہ کرواتا ہے حسد میں ڈوبا ہوا، حرص کی وجہ سے فیصلہ، غضب و غیظ کی وجہ سے فیصلہ اور کہلوا دیتا ہے کہ یہ عقل کا فیصلہ ہے یعنی کہ شیطان عقل کو بھی دھوکہ دے دیتا ہے اور شیطانی اور شہوانی خواہش کو معقول اور صحیح دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور خواہش زدہ لوگ اسے عقل و عدل کے مطابق خیال کرنے لگتے ہیں۔

ایسے مرحلے پر حجت ظاہری کی کمک کی ضرورت ہوتی ہے ایسے مرحلے پر امام و نبی وغیرہ جو حجت ظاہر ہیں یہ انسان کی کمک کو پہنچتے ہیں اور وہ جب کمک کے لئے پہنچتے ہیں تو فقط زبان کمک کے لئے استعمال نہیں کرتے بلکہ ہر طرح تعاون کرتے ہیں وہ کون سی محنت ہے وہ کون سی کاوش ہے جو حجت ظاہری انجام نہیں دیتی۔

سر نوک سناں پر چڑھ جاتا ہے، نوک سناں پر سر چڑھنا گوارا ہے لیکن شیطان کے دھوکے میں آنے والے انسان کی نجات سے باز نہیں آتے تاکہ کوئی نہ کہہ سکے بروز قیامت کہ تو نے میرے لئے نظام ہدایت کامل معین نہیں فرمایا تھا خدا تمام انبیاء و رسل کو بلائے گا اور پوچھے گا تم نے اپنے فریضے کو ادا کیا یا نہیں؟ ابراہیمؑ کہیں گے کہ اے خداوندا جلتی ہوئی آگ میں ڈال

دیا گیا میں نے برداشت کیا تا کہ ان عقلوں کے اوپر پڑی ہوئی راکھ دور ہو جائے۔

حجر ابن عدی اور بلندی ایمان:

آسان تو نہ تھا انسان کو انسان بنانا، انسان کو ملکوتی سفر کی طرف لے جانا، انسان کو نور ایمان سے منور کرنا اور پھر اس ایمان کو اتنا مضبوط کرنا کہ حجر ابن عدی کی منزل کو انسان پہنچے کوئی معمولی بات نہیں، حجر ابن عدی اپنے دیگر دس ساتھیوں سمیت جب امیر شام کے پاس پہنچائے گئے اور ادھر سے یہ فیصلہ ہوا اگر یہ حُب علیؑ کو نہیں چھوڑتے ہیں اور ولایت علیؑ سے باز نہیں آتے ہیں تو ان کی سزا موت ہے قبریں کھودیں گئیں شام کے وقت ان کو قبروں کے کنارے لایا گیا اور کہا گیا یہ قبریں اور یہ تم۔

ایک رات کی مہلت ہے اگر حُب علیؑ سے باز نہیں آتے ہو تو ان قبروں کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اگر چھوڑنے کے لئے تیار ہو تو سزائے موت سے معاف کیا جاسکتا ہے اور یہاں عجیب بات یہ ہے کہ حجر ابن عدی خود بزرگ سال تھے اور اس میں ان کا ایک نوجوان بیٹا بھی ساتھ موجود تھا اب جوان بیٹا ہے اور باپ، فیصلہ باپ نے کرنا ہے پہلے اپنا سر کٹواؤں یا پہلے بیٹے کے سر کو، یعنی بیٹا مجھے قتل ہوتا دیکھے یا میں اسے دیکھوں۔

خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے ویسے ضعیف العمر باپ کے لئے جوان بیٹے کے لاشے کو تڑپتا ہوا دیکھنا قابل برداشت نہیں ہے جب حضرت علیؑ اکبر نے کہا تھا بابا پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے تو امام حسینؑ نے فرمایا تھا میرے لخت جگر اپنی زبان کو ذرا میرے دہن میں داخل کرو۔ علیؑ اکبر کا زبان کو داخل کرنا تھا کہ فوراً زبان نکال لی۔ کہا کہ بابا میری زبان سے زیادہ آپ کی زبان خشک ہے۔ بعض محققین علماء کہتے ہیں کہ مولا نے یہ زبان اس لئے داخل کروائی تھی تا کہ علیؑ اکبر کو پتہ چل جائے جوان بیٹے کو اس حال میں دیکھنا باپ کے اوپر کیا اثر کرتا ہے یعنی بوڑھے باپ کے لئے جوان بیٹے کو زخمی یا تڑپتا دیکھنا آسان نہیں ہے۔

حجر ابن عدی بھی اس مقام امتحان پر پہنچے ہوئے تھے حجر کا پہلے یہ خیال تھا کہ میں اپنا

سر پہلے کٹاؤں گا اور جوان بیٹے کو پھر موقع دوں گا لیکن صبح ہوئی جب یہ شہادت شروع ہوئی تو حجر ابن عدی چونکہ سربراہ قافلہ تھے سب سے پہلے اپنے جوان بیٹے کو بلایا اور کہا میرے لخت جگر میرے سامنے سب سے پہلے تم اپنا سر قربان کراؤ جب اس جوان کو قربان کیا تو ساتھیوں نے پوچھا پہلے آپ کی رائے یہ تھی کہ پہلے آپ اپنا سر قربان کریں گے پھر اپنے بیٹے کو موقع دیں گے تو پھر آپ نے رائے کیوں بدل لی۔

حجر ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے رات کو سوچا کہیں ایسا نہ ہو میری رگیں کٹتا دیکھ کر اور میرے لاشے کو تڑپتا دیکھ کر میرے بیٹے کے ایمان میں تزلزل آ جائے، میں جا چکا ہوں گا یہ گھبرا کر کہیں حُبّ علیؑ سے دور نہ چلا جائے، علیؑ کے پاس گیا ہے تو محبّ علیؑ بن کر گیا ہے اور مجھے اپنے اوپر سو فیصد یقین ہے کہ میں اس سے کبھی بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور مجھے اس جوان بیٹے کی قربانی دینے میں کوئی باک نہیں ہے۔

حجت ظاہری کا حکیمانہ انداز:

اربوں انسان میں سے حجر ابن عدی جیسے انسان کو بنایا یہی تو حجت ظاہری کا کام ہے حجت ظاہری جبر، تشدد اور تسلط سے کام نہیں لیتے، ایک ایسا انداز حکیمانہ ہے اور ایسی جاذبیت و کشش ان حجج ظاہریہ میں موجود ہے کہ اگر انسان واقعی انسانیت کے راستے میں چل نکلے تو اس سے بڑھ کر کائنات میں کوئی اور رہنما تصور نہیں کیا جاسکتا۔

یہ عام باتیں جسے ہم ایمان، عمل صالح اور نیکی و تقویٰ سے تعبیر کرتے ہیں ان کو بڑی سادگی سے تعبیر کرلیا جاتا ہے۔ قسم بخدا انسان کو فرشتہ صفت بنانا آسان نہیں ہے سفر ملکوتیت کا ہے اور چاروں طرف سے خواہشات میں گھرا ہوا ہے اور بالخصوص آج کی اس دنیا میں جہاں شیطان اپنے تمام مراکز کو بہت زیادہ ترقی دینے میں کامیاب ہوگیا ہے اور کون سا ایسا مرکز ہے جس کو وہ انسان کی گمراہی کے لئے مکمل استعمال کرنے سے باز رہتا ہے۔ سو فیصد حملہ اس کی طرف سے ہو رہا ہے اس کانٹوں بھرے دور میں جو کوئی علیؑ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ان کے نقش

قدم پر چلے گا تو انشاء اللہ موجودہ دور میں تقویٰ کا سفر متقیوں کے لئے اللہ کی طرف سے اور زیادہ اجر کا باعث ہوگا۔

آج کے دور میں راہ تقویٰ پر عمل کرنا اگرچہ خاصا تکلیف دہ ہے بہت زیادہ رکاوٹوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن جو اس راستے پر چلے گا اور اس راستے کو ترک نہ کرے گا امید کی جاسکتی ہے کہ انشاء اللہ اس کی جزاء بھی اس کے لئے اس ماحول سے زیادہ بہتر خدا کے یہاں موجود ہوگی جس میں اس قسم کی مشقتیں موجود نہیں ہے۔

انبیاء و رسل اور امور تکوینیہ:

انبیاء و رسل کے کام کو آسان نہ لیا جائے اگر انبیاء و رسل کے ذمہ فقط امور تکوینیہ اور اس کائنات کے امور پر لگا دیا جاتا تو پھر کوئی مشکل نہ تھا لیکن ابولہب اور ابوجہل جیسوں سے مقابلہ کر کے کسی کو راہ راست پر لانے کے لئے کامیابی حاصل کرنا آسان نہیں اور پھر عزم و حوصلہ دیکھئے عزم صمیم دیکھئے۔

اس سلسلے میں ایک نکتہ قابل غور ہے قرآن میں ابولہب اور اس کی بیوی کے جہنمی ہونے کی نص صریح موجود ہے اور قرآن مجید کی آیات میں سوائے ابولہب کے کسی دشمن رسول کا نام نہیں لیا گیا اور بھی دشمن رسول تھے نام آیا ہے تو فقط اس کا۔

جب ابولہب کے جہنمی ہونے کی آیت نازل ہوئی اس وقت وہ زندہ تھا ادھر رسالت مآب کی طرف سے اسلام کی طرف دعوت ہے اور رسولؐ کا اعلان ہے کلمہ پڑھو فلاح پاجاؤ آیا رسولؐ کی طرف سے دعوت عام ہے یا خاص، سب کو دعوت ہے یہاں تک کہ ان کو بھی ہے جو اب تک نہیں آئے اس دعوت میں ابولہب اور اس کی بیوی بھی شامل ہے یا نہیں؟

حکم قرآنی اور دعوت رسول:

قرآن نے کہا ہے کہ دونوں جہنم میں جائیں گے ابھی یہ دونوں زندہ ہیں اور قرآن نے کہا ہے کہ دونوں جہنم میں جائیں گے تو پھر رسولؐ نے ان دونوں سے دعوت واپس لے لی یا

نہیں ؟

یہ دعوت انسان کو کس وقت ہوتی ہے؟ موت تک۔

اگر بالفرض اب یہ موت سے پہلے ایمان لے آئیں تو کدھر جائیں گے؟

رسولؐ کے سینے میں کتنی وسعت ہے۔ رسولؐ کی ہدایت میں کتنی جرأت ہے رسول کی محنت کس قدر عظیم ہے گویا رسول کا اپنی دعوت کو برقرار رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو قرآن کا ان کو جہنمی قرار دینا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ اگر موت تک انہوں نے رسول اکرمؐ کی دعوت پر لبیک نہ کہی تو پھر جہنمی اور اگر قبول کر لی تو میں ان کی جہنم والی بات کو ختم کر دوں گا اور رسول کی دعوت کو بحال رکھنا یہ رسولؐ کی طرف سے اعلان ہے اگر اب بھی موت سے پہلے وہ ایمان لے آئیں میں خدا کے اس فیصلے کو بدلوا دوں گا جہنم سے نجات کی میں ذمہ داری لے لوں گا۔

دیکھئے حجت ظاہری کی محنت کہاں تک چلتی ہے وہ کس حد تک اپنی کاوشوں کو انجام دیتے ہیں اور ان کو کسی بھی شخص کے ہدایت یافتہ ہونے کے ساتھ کتنی محبت ہوتی ہے لیکن ہماری ایک کمزوری ہے کہ ہم جب بسا اوقات کسی سے ناراض ہوجاتے ہیں تو ہم اس موقع پر کہتے ہیں جائے جہنم میں اور جو اللہ کی طرف سے حجت ظاہریہ کے فریضہ کو لے کر آتے ہیں ان کی آخری دم تک سر توڑ کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو جاتے ہوئے بھی جہنم سے نکال لیں اور وہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں جو انسانیت کو ملکوتیت کی طرف پرواز دے سکیں۔

کائنات خداوندی میں غور و فکر

قانون جبر:

خالق کائنات نے دو قسم کے نظام اس دنیا میں قائم فرمائے ایک نظام تکوینی اور دوسرا نظام تشریعی، نظام تکوینی ہم اس نظام کو کہتے ہیں جس پر خالق کائنات نے اپنے ارادہ تکوینی کو حکومت بخشی ہوئی ہے اور جو اس کے ارادہ تکوینی کے صدقے وجود میں آیا ہے اور پھر وہ وجود اس ارادہ تکوینی کے سائے تلے اپنی بقا کے سفر کو طے کر رہا ہے۔

نظام تکوینی خالق کائنات کی طرف سے قانونِ جبر کی بنیاد پر قائم ہے اور ہر ذرہ کائنات اس قانون کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور کسی بھی مخلوق کو اس خالق کے ارادہ تکوینی سے انحراف اور سرتابی کی اجازت نہیں ہے۔ مالک کائنات چونکہ غیر محدود قدرت، حکمت اور علم کا مالک ہے اس لئے اس نے جو کام بھی کیا ہے وہ محکم، مستحکم، مضبوط اور ایسی بنیادوں پر مشتمل ہے کہ جس میں رائی برابر بھی نقص کا امکان نہیں ہوسکتا اس لئے کہ نقص ہمیشہ ایسے موجد کی ایجاد میں ہوتا ہے جس موجد کے اپنے اندر نقص موجود ہو اور یا وہ ناقص چیز بنانے کا پروگرام بنائے ہوئے ہو اور اگر نہ موجد میں نقص ہو اور نہ موجد کی منشاء ناقص چیز بنانے کی ہو تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مخلوق نقص میں مبتلا ہو۔

چونکہ خالق کائنات کے علاوہ جتنے بھی ایجادات کرنے والے ہیں وہ جس قدر کامل ہوں بالآخر ان میں نقص موجود ہے کیونکہ ان کا کمال آخرکار محدود ہے اور اس خالق کائنات کا کمال لامحدود ہے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ
يَنقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ

(سورۃ ملک، آیت ۳،۴)

اس کائنات کے اندر تم اپنی نظروں کو دوڑاؤ بار بار دوڑاؤ مسلسل اس

میں غور وفکر کرو اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو تمھاری یہ دید پھر اس کو دیکھ کر پلٹے گی تو یقیناً تھکی ہوئی ہوگی اور اپنی شکست کا اعتراف کر رہی ہوگی۔

احساس نعمت:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورۃ نحل، آیت ۱۸)

اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ کی کسی ایک نعمت کو تو تم کبھی بھی اپنے دائرہ شمار میں نہ لاسکو گے۔

یہاں ساری نعمتوں کی تعداد شماری کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک نعمت گننے کی طرف ہے یہ اشارہ کیوں ہو رہا ہے؟ بظاہر مراد یہ ہے کہ ایک نعمت میں خدا نے جتنے مفادات تمہارے لئے رکھے ہیں اگر تم ایک نعمت کے مختلف پہلوؤں کو شمار کرنا چاہو تو تم ایک نعمت کے پورے منافع کو گننے پر قادر نہیں ہو۔

مثلاً آنکھ جو نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اس نعمت کا احساس اس کو زیادہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ ہو عموماً ایک چیز کی صحیح معرفت اس کی ضد کو دیکھ کر ہوتی ہے بینائی، آنکھ و چشم کی صحیح شناسائی اور احساس نابینے کو زیادہ ہے اس لئے کہ بینا تو مسلسل دیکھتا ہے اس کو معلوم نہیں ہے اس نعمت کے نہ ہونے سے کیا ہوگا جس طرح کہ مچھلی کو پانی کی نعمت کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک پانی میں رہتی ہے جب وہ پانی سے نکلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ پانی کتنی بڑی نعمت ہے اسی طرح نابینا کو زیادہ احساس ہوتا ہے کہ بینائی کتنی بڑی نعمت ہے۔

زیارت قبر معصوم:

بینائی کے عظیم نعمت ہونے کا ایک معنوی پہلو یہ ہے کہ مولا علیؑ کے چہرے کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے اگر یہ سخاوت یہیں تک محدود رکھی جاتی تو ہم کہاں جاتے؟ کس قدر فیاض ہے وہ ہستی جو یہ فرماتی ہے جو میری قبر کی زیارت کو آئے گا گویا کہ اس نے زندگی میں میری زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور اگر کبھی کوئی سائل یہ سوال کرے کہ مولا ایسا بھی تو ممکن ہے

کہ کوئی بے چارہ غربت و افلاس کے سبب زیارت مرقد مطہر سے محروم رہے، حالات کی مشکلات ہوں یا وسائل کی مشکلات ہوں تو اگر سخاوت وہاں تک رک جاتی تو پھر بھی محرومیت تھی آیئے آپ اس حد تک آگے بڑھتے ہیں کہ فرماتے ہیں جب کبھی تم ہماری تربت کی طرف انگشت شہادت بلند کرو اور کہو :

السلام علیک یا ابا عبداللہ ....

اے میرے مولا امام حسینؑ میرا یہ دور کا سلام قبول کیجئے۔

تو آپ کو وہی ثواب مل جائے گا جو آپ تربت سید الشہداء پر پہنچ کر حاصل کرتے ہیں۔

چھرہ امیر المومنین کی زیارت کی حقیقت:

نیز امیرالمومنین علیؑ نے فرمایا :

..... یا حار ھمدان من یمت یرانی

اے حارث ہمدانی جو جو مرتا ہے مجھے دیکھتا ہے۔

یعنی موت بھی مولا علیؑ کی زیارت کا ایک وسیلہ ہے اگر ہم چہرہ مولا علیؑ کی زیارت سے محروم ہوئے اس وجہ سے کہ خدا نے ہمیں ایسے زمانے میں بھیجا جب مولا علیؑ اس دنیا سے روانہ ہو چکے تھے تو خدا نے اپنی سخاوت میں کمی نہیں کی بلکہ اس عبادت کی کچھ اس طرح درجہ بندی کردی کہ پہلے فرمایا مولا علیؑ کے چہرے پر نگاہ کرنا عبادت ہے۔

مگر ہر ایک کے لئے نہیں..............؟

کیونکہ علی امیرالمومنینؑ کے چہرے مبارک پر نظر حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور عمار یاسرؓ کی بھی پڑی تو علیؑ کے چہرے کو ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب اور ایسے بہت ساروں نے بھی دیکھا۔

کیا ہر ایسے کی نظر زیارت ہوئی..............؟

جس کی دید نے اس کی محبت کو جنم دیا جسے محبت نے اس چہرے کو دیکھنے پر مجبور کیا اس کی عبادت بن گئی اور جس نے دیکھا اور جلا اور جلنے لگا، تو یہ اس کے لئے خدا کی لعنت بن گئی اور ہم اس ملعون کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ

خدایا اس کو اور جلا۔ پس نظر دو قسم کی ہے اگر کوئی علیؑ حیدر کرار کے چہرے پر نگاہ کرے اور علیؑ اس پر راضی ہوں تو عبادت اور اگر علیؑ راضی نہ ہوں تو عبادت نہیں ہوسکتی یا وہ علیؑ سے راضی نہ ہو بلکہ ان سے عداوت و بغض رکھتا ہو تو یہ نظر عبادت کے بجائے لعنت کا سبب بن گئی۔

پھر فرمایا کہ بوقت موت علیؑ دکھائی دیں گے تو امیرالمومنینؑ کو مرتے وقت، ماننے والا دیکھے گا اور نہ ماننے والا بھی دیکھے گا۔ بس دید میں فرق ہے اگر علیؑ کی طرف دید میں رضا کی جھلک ہے تو جو موت کے وسیلے پر چڑھ بیٹھا اور پھر علیؑ سے ملاقات ہوگئی۔ تو

اب دیکھنا ہے کہ علیؑ آنے والے سے راضی ہیں یا نہیں..........؟

اگر راضی ہیں تو اس سے بڑھ کر نعمت کیا ہوگی۔

لیکن اگر علیؑ اس پر ناراض ہیں تو واضح سی بات ہے جو اس دنیا میں جلتا تھا اور علیؑ کو نہ مانتا تھا وہاں علیؑ کو دیکھ کر چکر بازی نہیں کرسکتا وہاں دھوکہ نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ اگر کوئی اس دھوکہ میں ہو کہ چھین لی گئی ان سے خلافت، لوٹ لیا گیا ان کا مال، گھر میں فوج داخل ہوئی، ظلم پر ظلم ہوا،

﴿لیکن دنیا میں تو ان کو لوٹا جاسکتا ہے وہاں آخرت میں علیؑ سے کچھ نہیں لوٹا جاسکتا﴾

غور کریں مرنے والا جب دیکھے گا کہ وہاں ساری شاہی علیؑ کی ہے جو یہاں پر مانتا تھا تو اس کا دل واپس آنے کو چاہے گا یا آگے جانے کو؟ یقیناً جس کے دل میں علیؑ کا گھر اور علیؑ اس سے راضی ہیں وہ خواہ ایک مرتبہ ہی موت کے دریچے سے امیرالمومنین کی زیارت کرے گا اس کو پھر دوبارہ واپس آنے سے کوئی محبت نہ ہوگی۔

اے امیرالمومنین کے ماننے والے!

کوشش کر علیؑ تجھ سے روٹھا ہوا نہ ہو، ناراض نہ ہو کیونکہ اگر کوئی شراب کی حالت میں موت کی راہ پر چل پڑا کیا آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں دائمی ناراضگی کا خطرہ ہے اور اگر عارضی طور پر ناراض ہوں تو ﴿عارضی ناراضگی بھی علیؑ کی اس کے ماننے والے کے لئے مناسب نہیں﴾۔

جب علیؑ کی زیارت عبادت ہے تو پھر امام حسن مجتبیٰؑ اور امام حسینؑ شہید کربلا کے چہرے کی زیارت بھی عبادت ہے ہمارا یہ ایمان ہے کہ یہ فضائل و مناقب جو رسالت مآبؐ نے بنام حیدر کرارؑ بیان فرمائے ہیں یہ فقط مولا علیؑ سے مختص نہیں ہیں بلکہ عموماً فضائل اصلِ امامت کے ہیں اگر منبر غدیر پر چڑھ کر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر چاروں طرف گھما کر فرمایا:

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ

جس جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ اُس اُس کا مولا ہے۔

یہ دراصل نظام ولایت کا اعلان تھا ہاں چونکہ اس نظام ولایت کا پہلا فرد علیؑ تھے اس لئے ہاتھ علیؑ کا پکڑ کر دکھایا گیا پس علیؑ کے نام کی وجہ سے اس کمال کو ان کی ذات تک مختص و محدود نہیں کیا جاسکتا اگر کمال ولایت کے سائے تلے جائزہ لوگے تو یہاں اگر امام حسن مجتبیٰ کھڑے ہوتے تو وہ بھی اسی کمال کے مالک ہوتے بلکہ اس اعلان کے ضمن میں ہر زمانے کے امام اور اولی الامر کا اعلان ہوگیا اور ہر مولا کے چہرے کی زیارت عبادت قرار پا گئی۔

ابوبصیر اسدی کوفی:

امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک معروف شاگرد ابوبصیر اسدی ہیں جو بظاہر مادر زاد نابینا ہیں خدا نے انہیں عقل و فکر کی عظیم صلاحتیں بخشی ہیں اور شاگردی معصوم کے شرف سے مشرف ہوچکے ہیں صحبت صدق و صفا انہیں حاصل ہوچکی ہے اور امام جعفر صادقؑ کے فیوض سے سماعت کے ذریعے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمیں کیا معلوم

اس کے دل میں کتنی تمنا اٹھی ہوگی کہ میں ایک بار تو اپنے استاد امام صادقؑ کے چہرہ مبارک کی زیارت سے فیض یاب ہوتا۔

دست امامت اور ابوبصیر کی آنکھ:

ابوبصیر اسدی کوفی جنھیں آنکھوں کے ذریعے کائنات کے رنگ کا پتہ نہیں ہے البتہ سینہ نورِ علم سے پر ہے اور فیض یاب ہے۔ ایک دن امام باقرؑ یا امام صادقؑ کی خدمت میں ابوبصیر تشریف لائے امام اس دن کس مزاج میں تھے کہ اپنے دست امامت کو ابوبصیر کی آنکھوں پر پھیرا اور وہ بینا ہوگئے۔ اندازہ کیجئے تقریباً ساٹھ سال جس شخص نے دنیا کو نہ دیکھا ہو اور اچانک اسے دید ملے اور وہ دیکھے جب اس کی نگاہ امام معصومؑ کے چہرہ مبارک پر پڑی ہوگی تو کس قدر لطف محسوس کیا ہوگا اور وہ دیکھتے رہے دنیا کو اور پھر اس کا دیکھنا کہ جس کے سینے میں تربیت صادق آل محمدؐ کا نور موجود ہے اور جس کی عقل وفکر اس خاندان اہل بیتؑ کی تربیتوں سے تربیت یافتہ ہے وہ یہ مناظر دیکھ کر کیا سوچ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر گذری ابوبصیر نے لطف لے لیا۔

ابو بصیر سے ایک سوال:

اس موقع پر امام معصومؑ بولے اے ابوبصیر بینائی تو تیرے پاس آگئی اب میرا تم سے ایک سوال ہے اللہ نے تمہارے لئے بینائی کے بدلے جنت میں ایک درجہ تیار کر رکھا ہے اب تمہاری مرضی ہے بینائی اپنے پاس رکھو اور اس جنت کے درجے سے محروم ہوجاؤ اور چاہو تو اس بینائی کو واپس کردو اور اجر کو بحال کرلو۔ امام اپنے اس شاگرد کے ایمان کا امتحان لے رہے ہیں۔

اگر ہم ابوبصیر کی جگہ ہوتے تو ہم کیا جواب دیتے؟

خداوند قدوس کی طرف سے جو کوئی بھی اس قسم کی نعمتوں سے محروم ہوتا ہے اور اللہ اسے اس کی اس دکھی زندگی کا معاوضہ ضرور دیتا ہے۔

ابوبصیر نے کہا کہ مولا جیسے پہلے گزری ہے گزر جائے گی میں جنت کے اجر سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔

بینائی چلی گئی ابوبصیر کامیاب ہوگئے.......................!

بینائی نعمت خداوندی:

یہ دنیا اتنی قیمتی نہیں ہے کہ انسان اس پر اپنی آخرت کو قربان کردے انسان کی بینائی بہت بڑی نعمت ہے اور جس کو یہ نعمت ملی اس کو اس نعمت سے بالاتر نعمت کو بھی سمجھنا چاہئے۔ انسانی آنکھ اگرچہ ایک نعمت شمار ہوتی ہے لیکن اس نعمت کے متعلق جو تحقیق اس وقت سے شروع ہوئی ہے جس وقت سے یہ آنکھ دنیا میں وجود بن کر آئی ہے اس کی بناوٹ، خاصوں، صلاحیتوں، استعدادوں، کمالات کو اس میں پیدا ہونے والے نقائص کو دور کرنے کے علاجات کو اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کی تحقیق کرنے میں آج تک ہزاروں برس گزرنے کے باوجود محققین مصروف ہیں۔

بلکہ اس آنکھ کے مختلف شعبوں پر تحقیق کو تقسیم کردیا گیا ہے یعنی آنکھ کے ایک پہلو پر تحقیق کے لئے لاکھوں ڈاکٹر تحقیق کرتے ہیں اور کئی برس گزرتے ہیں تو یہ پہلو کئی اور پہلوؤں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ ایک آنکھ پر تحقیق اتنے شعبوں میں تقسیم ہوچکی ہے یہ لاکھوں ریسرچ والے ڈاکٹرز ریسرچ کر کر کے تھک چکے ہیں لیکن یہ محققین اس ایک عضو کے بارے میں کمال معرفت حاصل کرنے سے قاصر ہیں اور عاجز ہیں تو پھر کیسے افضل المخلوقات رسول اعظمؐ کے کمال کے متعلق کوئی دعویٰ کرسکتا ہے کہ ہم ان کے بارے میں کمال معرفت حاصل کرسکتے ہیں۔

انسان کا جسم سادہ مخلوق ہے مٹی سے خلق ہوا ہے جس کی کل حقیقت جس میں چھپے ہوئے اسرار اور اس نعمت کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے یہ کروڑوں ماہرین اپنے اتنے ترقی یافتہ وسائل کے باوجود قاصر رہے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ معنویت کی معراج پر پہنچنے والے اور روحانیت کی عظمت کو پانے والے رحمت اللعالمینؐ کی حقیقت کو پاسکیں گے۔

انسان ایک بڑی عجیب چیز ہے ایک طرف سے احسن تقویم والا ہے اور ہر شئے کو اپنے لئے مسخر کرلیتا ہے لیکن دوسری طرف سے دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں توانائیاں، استعداد، صلاحتیں بہت کچھ ہونے کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں انتہاؤں تک پہنچنے کی گنجائش پیدا نہیں ہوتی اور بالآخر میری پرواز محدود ہے۔

﴿ اس لئے خدا یہ بتانا چاہتا ہے کہ تو کیا ہے اور میں کیا ہوں۔
ذرا غور کیجئے یہ نظام تکوینی آسان نہیں ہے اس قدر کامل، گہرا اور عمیق ہے
کہ اس کے عمق میں جس قدر غوطے لگاؤ گے اسی قدر علم و معرفت کے موتی پاؤ گے ﴾

مولا علیؑ سے منقول ایک شعر:

اتزعم انک جرم صغیر و فیک انطوی العالم الاکبر
و انت الکتاب المبین الذی باحرفه یظهر المضمر

معرفت اهل بیت کے بغیر ریسرچ:

کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو چھوٹی سی چیز ہے اللہ نے تیری اس چھوٹی سی جان کے اندر ایک بہت بڑے جہاں کو لپیٹ کر رکھ دیا ہے سوچیں یہ نظام تکوین کس قدر عمیق ہے اب رب ذوالجلال کی تخلیق میں غور وفکر کے ذریعے ہم کس طرح اس کی عظمت کو پاسکتے ہیں لیکن اس کے لئے رہنما چاہیئے، پیشواء، رہبر، نور اور نور علیٰ نور چاہیئے تب جا کر انسان اس راستے پر جاتا ہے۔

قرآن و اہل بیتؑ سے جدا انسان کائنات پر ریسرچ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ نیچر نے یہ کیا کہ آفتاب سے ایک ٹکڑا جدا ہوا اور تھوڑے عرصے کے بعد ٹھنڈا ہو کر جدا ہوگیا فطرت کا تقاضہ ہوا اور یوں ہوگیا۔

نور قرآن و اہل بیتؑ اور معصوم پیشواؤں سے جدا ہو کر تحقیق کی تو قدرت کو فطرت کے ناموں سے منسوب کردیا اگر یہ لوگ پیشوایان برحق کے شاگرد ہوتے تو پھر آپ دیکھتے کہ ایک ایک ذرے سے درس توحید تک انسان کی راہنمائی کرتے۔

کائنات خداوندی میں غوروفکراور درس توحید:

اس لئے ہمارے نصاب ہائے تعلیم میں نفس انسانی میں غور کرنا، فکر کرنا، تشریح الاعضاء میں غور کرنا شامل ہونا چاہیئے۔ اس میں جتنا گہرائی میں چلے جائیں مفید ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے نصابوں میں درس توحید کو داخل کردیں اور اسرار کائنات میں کسی سمت کے راز سے آگاہ ہونے کے بعد اسے شاگردوں کے سامنے بیان کریں تو اس گفتگو کو خدا کی جانب پلٹا دیں یعنی خدا کی قدرت اور عظمت کی طرف توجہ دلائیں تو ان کا وہی لیکچر اللہ کی بارگاہ میں عبادت بن جائے گا۔

خدا نے اس کائنات کو ایسی بنیادوں پر خلق فرمایا ہے کہ اس میں جتنا فکر کریں تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ انتہاؤں تک پہنچ گیا ہے یہ کائنات کسی نہ کسی انداز میں محدود ہے نہ کہ لا محدود، سمندر کے کتنے قطرے ہیں ہماری قدرت گننے سے عاجز ہے لیکن اس کی تعداد محدود ہے کیونکہ جب زمین خود محدود ہے تو پانی کیوں نہ محدود ہوگا۔ اس لئے کہ جو محدود کے اندر آجائے وہ خود محدود ہے محدود کے اندر غیر محدود نہیں ہوسکتا اور جب محدود کے اندر غیر محدود نہیں آسکتا تو ہماری فکریں محدود ہیں اور وہ غیر محدود ہے، تو پھر ان محدود فکروں میں وہ غیر محدود آئے کیسے، دنیا کی ساری ہمتیں اکٹھا ہوجائیں اس کو پانے میں کامیاب نہ ہوسکیں گی یہ تمام عقلیں اس کو پانے میں کامیاب نہ ہوسکیں گی۔

لَا یُدرِکُه بُعدُا لهِمَم وَلاَ ینالُه غَوصُ الفِطنِ

لیس لصفته حدّ محدود ولا نعت موجود

(نہج البلاغہ خطبہ ۱)

عمل نہ ہو تو علم وبال، علم نہ ہو تو عمل ضلال

عالم علم لدنی:

ایسے علم کو قابل فخر قرار نہیں دیا جا سکتا جو علم عالم کو عمل پر مجبور نہ کرے اور ایسے عمل کو کافی قرار نہیں دیا جا سکتا جس عمل کا پھل علم کے بیج سے نہ اٹھا ہو اور یہ بات جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ علم بغیر عمل کو کافی قرار نہیں دیا جا سکتا جس عمل کا پھل علم کے بیج سے نہ اٹھا ہو تو ایسا علم قابل فخر نہیں یہ تو ہم نے کچھ ہلکے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہی بات اگر اس عالم سے پوچھی جائے کائنات میں جس سے بڑھ کر عالم کا تصور نہیں ہو سکتا یعنی وہ صاحبِ منبرِ سلونی کہ جن کا دعوائے سلونی گواہ ہے کہ کائنات کے ذہن میں کوئی ایسا سوال ابھر نہیں سکتا جس کا جواب اس دعوائے سلونی والے کے پاس موجود نہ ہو۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضرت حیدر کرارؑ عالمِ علمِ لَدُنّی جس منبر پر بیٹھ کر دعوائے سلونی سلونی فرما رہے تھے وہ مخاطب اس سلونی کا فقط ان افراد کو قرار نہ دے رہے تھے جو زیر منبر امیر المومنینؑ اس مسجد میں موجود تھے اور نہ یہ سلونی فقط اس زمانے کے افراد تک محدود ہے جو اس دور میں اس زمین پر موجود تھے بلکہ حق یہ ہے سلونی کا حقیقی مخاطب ہر وہ انسان ہو سکتا ہے جس میں سوال پیدا ہونے کی استعداد موجود ہے۔

تا طلوعِ شمسِ قیامت جتنے بھی سوال کرنے والے پیدا ہو سکتے ہیں ان سب کو منبر پر بیٹھے ہوئے علیؑ امیر المومنین پکار رہے ہیں کہ تم میں سے کوئی ہے جو مجھ سے پوچھے، یہ بات صحیح ہے کہ بظاہر خطاب ان لوگوں کو تھا جو سامنے موجود تھے لیکن اگر قرآن صامت **یا ایھا الذین آمنو........؟** کا خطاب کرے اور ہم اس کے جواب میں کہیں کہ اس کے دائرے میں فقط وہ مومن نہیں آتے جو رسولؐ اکرم کے زمانے میں تھے بلکہ ہر وہ قیامت تک ایمان کے دائرے میں آئے گا پس اگر قرآن صامت کا یہ اعلان قیامت تک کے ہر مومن کو اپنی طرف پکار رہا ہے تو پھر قرآن ناطق کا سلونی کیوں نہیں ہر اس کو دعوت دے رہا جس کے ذہن میں سوال پیدا ہونے

کا امکان موجود ہے؟

جب دائرہ اتنا وسیع کر دیا جائے گا تو خواہ اس سوال کا تعلق ان دنیوی علوم کے ساتھ ہو یا دین کے ساتھ ہو غرض ماضی کا ہو، حال کا ہو یا مستقبل کا ،سائنس ، ریاضی ، فلسفہ ، بیالوجی ، تاریخ ، نماز اور روزے سے متعلق ہو یا زمین کی گہرائیوں سے متعلق یا عرش کی بلندیوں سے متعلق مشرق و مغرب کے حصے کے متعلق ، کائنات کا سوال ہو یا کائنات سے ماوراء کا سوال ہو، جہاں سے کوئی سائل یہ کہے میرا سوال یہ ہے علیؑ کے پاس اس کا جواب موجود ہے۔

عارف علم لدنی:

وہی علیؑ ، وہی عالمِ علم لَدُنّی ، وہی خطیب منبر سلونی ، وہ سوال کے رازوں کو سمجھنے والا اور جواب کے اسرار پر آگاہ ، نہ فقط اجسام کو جانتا ہے بلکہ اجسام کے اسرار کو جانتا ہے، بلکہ باطن سے باطن تک کا جاننے والا ہے اتنا بڑا عالم، اتنا بڑا عارف ، اتنا بڑا راز دان ہے فرماتے ہیں وہ علم قابل فخر نہیں جو عمل پر نہ اُبھارے۔

مولا علیؑ صحیح کو صحیح کہنے والے ہے، اس کی زبان میں میزان کے مطابق گفتگو آتی ہے نہ جھکاؤ ادھرِ اور نہ اُدھر اور اس کی گفتگو میں جھول ہے اور نہ الفاظ کے انتخاب میں کسی قسم کا کوئی قصور، بولتا ہے تو سوچ کر ، اس حکیمِ مطلق سے اس کی حکمت کا رابطہ ہے جتنا قرآن جچا تُلا ہے جتنا قرآن وزن کے مطابق نازل ہوا ہے یعنی جہاں جو لفظ آنا چاہئے تھا وہی آیا ہے جس طرح اس کو بیان کیا جانا چاہئے تھا اسی انداز میں بیاں کیا گیا، الفاظ کا انتخاب ہو کہ جملوں کا بندھن، ہر چیز کو وہ حکیم حکمت کے ترازو میں تول تول کر نازل فرماتا رہا ہے اور اس حکیم کی حکمتوں کو سینے میں خزانہ کرنے والاوہ عارفِ علم لَدُنّی بھی جب بولتا ہے تو تولتا ہے۔

رسولؐ اکرم فرماتے ہیں :

انا مدینة العلم و علی بابها

انا دار الحکمة و علی بابها.

میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہے،
میں حکمت کا گھر ہوں علی اس کا در ہے۔

بس سوچ لیجئے جہاں علم ہے وہاں حکمت بھی ہے عالم ہونا اور ہے حکیم ہونا اور ہے جو عالم ہو حکیم نہ ہو وہ بولتا جائے گا بولتا جائے گا جو کچھ اس کے پاس ہے کہے گا یہ نہ سوچے گا کہ یہاں بولنا ہے یا نہیں یعنی اس کے پاس بول ہے تول نہیں ہے حالانکہ یہ جملہ مشہور ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔

﴿ بلواتا تو علم ہے لیکن تولنے والی چیز کا نام حکمت ہے تول کا ترازو حکمت ہے ﴾

حکمت کا کنٹرول:

بولنے کی استعداد علم کی وجہ سے ہوتی ہے علم نہ ہو تو بولا نہیں جا سکتا لیکن اگر بولا جائے مگر تولا نہ جائے تو اس بول کی مصیبت بھی آپ جانتے ہیں سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز زبان ہے اتنی بڑی نقصان پہنچانے والی ہے شاید اس سے بڑھ کر نقصان پہنچانے والی چیز موجود نہ ہو اگر یہ نقصان پہنچاتی ہے تو اس وقت پہنچاتی ہے جب اس کے اوپر حکمت کا کنٹرول نہ ہو جب اس کی لگام حکمت کے ہاتھ میں نہ ہو۔

اور جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ علیؑ باب مدینۃ العلم ہیں تو ساتھ ساتھ یہ بھی ایمان ہے کہ علیؑ باب دارالحکمت بھی ہیں علم و حکمت کی تمہید کے بعد اس جملہ کا وزن کریں کہ!

مولائے کائناتؑ نے فرمایا : ''العلمُ بدُونِ العملِ وَبَال''

حکمت امیر المومنین :

اگر علیؑ غصہ کی اعلیٰ منزل پر ہوں تو ان کا غصہ حکمت پر غلبہ نہیں پا سکتا ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ علیؑ جلال میں تھے علیؑ کو حق پہنچتا ہے کہ جہاں دشمن کی ناروا حرکتوں کو دیکھیں، سازشوں پر نظر ڈالیں، جب اسلام کے دشمنوں کے کرتوت کو سامنے دیکھ رہے ہوں تو اس وقت علیؑ جلال میں آئے اگر یہاں نہ آئے تو پھر کہاں آئے ؟

آخر جلال علیؑ کو ملا ہی اسی لئے تھا اللہ ذو الجلال نے اپنے جلال سے حصہ دیا ہی اسی لئے تھا یعنی یہ ذو الجلال آ جاتا ہے جلال میں جب موقع ہو جلال دکھانے کا، لیکن ہماری لاکھ جان قربان جب علیؑ جلال میں ہوں تو بھی حکمت اس جلال کے آگے آگے چلتی ہے یاد کرو اس وقت کو جب علی ابن ابی طالبؑ اس کے مقابلے میں نکلے،

کل ایمان و کل کفر:

جس کو رسولؐ فرما رہے تھے :

مَنْ لِھٰذَا الکَلبِ ؟

کون ہے جو اس کتے کے منہ کو بند کرے۔

اور رسولؐ کہتے ہیں:

برز الایمان کله الی الکفر کله

آج کل ایمان کل کفر کے مقابلے میں نکلا ہے۔

اب ذرا اُس کے انداز دیکھئے کرتوت دیکھئے، تلوار نیام سے نکال کر میدانِ مبارزہ میں لئے کھڑا ہوا ہے اس اندازِ سے گفتگو کر رہا ہے اے محمدؐ اور محمدؐ کے ماننے والوں اگر کافر کو مارو تو تم غازی بنتے ہو اور مارے جاؤ تو تم شہید ہوتے ہو غازی بنو تو بھی جنت تمھاری اور شہید بنو تب بھی جنت تمھاری پس اگر کافر سے مارے جانے میں جنت ہے تو لو میری تلوار کے نیچے جنت تقسیم ہو رہی ہے۔

کیا انداز ہے اس بے ایمان کل کفر کا ! کہ رسول کے کلام کو کاٹ رہا ہے اسلام کے اصولوں کو ذبح کئے جا رہا ہے وہ کیونکر مسلمانوں کی غیرت کو للکار رہا ہے اسلام کی گردن پر چھری چلانا اور مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کرنا ایسے مقام پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہماری اپنی عزت و ناموس پر حملہ ہو تو ہم بھڑ کتے ہیں جبکہ اس سے زیادہ اس وقت بھڑ کنا چاہئے جب اسلام کی عزت و ناموس پر حملہ ہو، آ گئے علیؑ جلال میں ، ایسا ماحول ہو علیؑ جیسا

شیر ہو، کانوں سے سن کر جائزہ لینا اور ہے آنکھوں سے دیکھ کر جائزہ لینا اور ہے، اندازہ کیجئے جلال کی اس چوٹی پر کھڑا ہوا ہے علیؑ۔

لیکن اشارہ ہوتا ہے اِجلِس یا عَلِی ،فوراً بیٹھ جاتے ہیں ذرا غور کیجئے اجلسِ کے بعد بیٹھ جانا باب الحکمت ہونے کی دلیل ہے اسی سے پتہ چلتا ہے حکمت آگے آگے رہتی ہے پھر جب پہنچ گئے اس کل کفر کے سامنے ،تو جس پیرائے میں ہم اس غصے کو دیکھتے ہیں اس پر تو مہلت نہیں دینی چاہئے اور جاتے ہی کام تمام کر دینا چاہئے لیکن عجیب ہے علیؑ۔

خانہ خدا اور عمر بن عبدود:

علیؑ امیر المومنین کہتے ہیں اے عمرو بن عبدود میں نے دیکھا تھا کہ تو ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے پردے سے چمٹا ہوا تھا ان پردوں کو پکڑ کر تو یہ کہہ رہا تھا کہ اے رب کعبہ اگر کوئی مرد میدان میرے مقابلے میں اترنے والا مجھ سے جنگ میں تین سوال کرے تو میں تین میں سے ایک مطالبہ مان لوں گا پتہ چلا کعبہ کو وہ کافر اپنے طور پر مانتے تھے۔

علیؑ امیر المومنین کہتے ہیں ابھی تک اپنے وعدہ پر قائم ہے؟ کل کفر ہوتے ہوئے بھی کہتا ہے میں اپنے وعدہ پر ہوں ہمیں سمجھ نہیں آتی وہ مسلمان کیسا مسلمان ہے؟! جبکہ وہ کل کفر ہونے کے باوجود وعدہ سے ہٹنا اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتا تو مسلمان کو وعدے سے ہٹنا کیسے مناسب نظر آجاتا ہے۔ جبکہ اس نے وعدہ بھی اللہ اور رسول اللہ سے کیا ہو۔

عہد مومن:

سب سے بڑا وعدہ وہ ہے جو ہم اللہ کے ساتھ کرتے ہیں رسولؐ وعلیؑ ولّی کے ساتھ کرتے ہیں اس لئے کوئی ناراض نہ ہو اور گواہی دیجئے کہ جب سے ہم نے **لا الـہ الّا اللّٰـہ** کہا ہے تو اب اللہ سے وعدہ ہوا۔ کہ خدا وندا تیرے مقابلے میں آنے والی ہر قوت کو تو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن تجھے نہیں اور علی ولی اللہ پڑھا تو وعدہ کیا ہے علیؑ ہم نے تمھیں ولّی اللہ مان لیا امامت برحق کا اقرار کر لیا تو آپ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کے مقابلے کی ہر طاقت کو چھوڑ سکتے ہیں۔

مال کی محبت اور خدا سے مقابلہ:

ضروری نہیں کہ اللہ، رسولؐ اور علیؑ ولی کے مقابلے میں آنے والی طاقت انسانی جسم ہی ہو بلکہ یہ دولت بھی ہو سکتی ہے، یہ کرنسی نوٹ خود کچھ نہیں کرتے بلکہ ہمارے دلوں میں اس کی محبت گھر کر لیتی ہے اور جب ہم حُبّ دنیا کو اختیار کر جاتے ہیں تو ایک طرف علیؑ حیدر کرار کہہ رہے ہوتے ہیں کہ میری اولاد میں کوئی مسکین، بیمار ہے یا مراکز دینیہ ہیں تعلیم و اسلام کے لئے وسائل کی ضرورت ہے اس لئے ان کو ایک لاکھ روپے میں سے بیس ہزار کی ضرورت ہے تو یہ بیس ہزار کی محبت مقابلہ میں آ سکتی ہے خمس و زکوۃ سے انحراف بھی علیؑ کا انکار ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص بے ایمان بن کر خمس و دیگر اموال بٹور لیتا ہے تو یہ بے ایمان بھی حُب دنیا کا مریض ہے اور گویا یہ بھی علیؑ کے مقابلے میں کھڑا ہوا ہے۔

امیر المومنین اور کل کفر:

جب کل کفر اپنے وعدے سے منحرف نہیں تو مومن اپنے وعدہ سے کیوں منحرف ہو؟

علیؑ امیر المومنین کل کفر سے گفتگو کرتے ہیں کہ،

کلمہ پڑھ لو ایمان لے آؤ اس راستے کو چھوڑ دو!

کہا: میں یہ مطالبہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں،

دوسرا مطالبہ علیؑ نے پیش کیا لڑنے والے اور بہت ہیں تم چلے جاؤ!

کہا عرب کی عورتیں کیا کہیں گی،

ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں علیؑ کا اتنا بڑا جلال اتنی دلیری ہے لیکن کچھ دیر لگی بات چیت ہوئی گفتگو شروع ہوئی ٹھنڈے انداز میں، علیؑ پیار پیار سے اسے سمجھانے کے راستے پر آ گئے ہیں علیؑ کا جلال اپنے مقام پر محفوظ ہے لیکن حکمت آگے بڑھ کر کہہ رہی ہے پہلے اس کو ایمان کی دعوت دے دو۔

علیؑ کے جلال و غیظ و غضب پر حکمت ہمیشہ غلبہ دیتی ہے کبھی بھی حکمت سے ہٹی ہوئی

گفتگو علیؑ کی نہیں اور نہ حکمت سے جدا علیؑ کی کوئی حرکت ہے اور نہ سکون، علیؑ خاموش ہے تو اس میں بھی حکمت ہے میدان میں ہے تو بھی حکمت ہے۔

بغیر عمل، علم وبال:

اس علیم، حکیم اور اس العلی العظیم کا نمائندہ علیؑ فرماتے ہیں:

العلم بدون العمل و بالُ

علم جس عالم کے اندر عمل کو نہ ابھارے وہ علم اس عالم کے لئے وبال ہے۔

وبال کا معنی تو سب ہی جانتے ہیں اور جس عالم کا علم اپنے لئے وبال ہو اس کا علم دوسروں کو کیا فائدہ دے گا ؟ علیؑ امیر المومنین نے لفظ علماء استعمال نہیں کیا ہے بلکہ لفظ علم استعمال کیا ہے جتنے بھی اس منبر کے نیچے تشریف لے آتے ہیں اگر وہ علیؑ کے بتائے ہوئے جملوں، اشاروں، حدیثوں پر مطلع ہو جاتے ہیں تو اس حد تک ان کے ہاں بھی علم آ گیا۔

علیؑ ولی کا جو کلمہ پڑھتا ہے، اس کی معرفت وسیع ہو جاتی ہے دل اس کا کھل جاتا ہے ذہن اس کا دوست ہے عقل اس کی سالم ہے نور ہے جو اس کے سینے میں کرن کی طرح راسخ ہوا جا رہا ہے اگر علیؑ حیدر کرار کی گفتگو ہمارے سینے کو منور نہیں کرتی تو پھر کہاں سے آئے گی وہ شے جو ہمارے سینے کو منور کر سکے؟!

اگر بقاء ہے تو اس علم کو ہے جو ہے تو زمین پر مگر اس کا راستہ عرش پر قائم ہے منبر پر آ کر بیٹھنے والے عالم، علماء، علامہ، مولوی، مولانا اور فلاں فلاں القاب والے ہیں، آپ کے دیئے ہوئے الفاظ میں سب سے بڑا عالم وہی ہے جس کے علم کی کوئی حد نہیں، ہاں وہ جس کو جتنا زیادہ دیتا ہے وہ اتنا بڑا عالم ہوتا ہے محمدؐ و آل محمدؐ کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

اس نور سے تھوڑی تھوڑی کرن حاصل کرنے والے موالیانِ حیدر کرار مجالس امام حسینؑ کے صدقے سب ہی ایک حد تک عالم ہیں لیکن ہر عالم کو یہ سوچنا چاہئے کہ علیؑ مجھے کہہ

رہے ہیں کہ علم بغیر عمل کے وبال ہے لہٰذا اگر ہم کسی چیز کو وبال نہیں بننے دیتے تو پھر اس علم کو بھی وبال نہیں بننے دینا چاہیے۔

بغیر علم، عمل ضلال:

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں!

والعمل بدون العلم ضلالٌ

عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

بہت سے لوگ عجیب گفتگو کرتے ہیں کہ نہ عمل کریں گے، نہ علم کی ضرورت پڑے گی، اور نہ ہی گمراہی میں جائیں گے! اتنی آسانی سے بچ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاید علیؑ سے دامن بچا کر نکل جائیں گے! ان کو معلوم نہیں کہ فقط نماز کا نام عمل نہیں بلکہ دیکھنا بھی عمل ہے، سننا بھی عمل ہے، بولنا، چلنا، کھانا بھی عمل ہیکوئی لحہ حرکت وسکوں سے خالی نہیں ہے بلکہ قدم قدم عمل ہے، ہر حرکت عمل ہے۔

قرآن کے ترجمان علیؑ امیرالمومنین فرماتے ہیں:

الیوم عمل ولا حساب و غَداً حسابُ ولا عَمَل

آج عمل کا دن ہے حساب نہیں کل حساب کا دن ہے عمل نہ ہو گا۔

صبح سویرے کام کو جا رہے ہیں تو بھی عمل ہے اور یہ کام نہیں تو آوارہ ہوا اور آوارہ ہونا بھی عمل ہے اگر منزل ہے تو اس عمل کی قیمت منزل کے مطابق قرار پائے گی اگر وہ منزل مسجد، مجلس، مرقدِ رسولؐ، روضہ بتولؑ، تعزیہ آل عباء کربلا ہے تو ہمارا قدم قدم عمرہ و حج ہے اگر منزل برائی کا اڈہ، مرکز سود و فحاشی ہے تو قدم قدم اس مرکز کے قریب جا رہا ہو تو ہر قدم حرام۔ اگر ملازمت و کاروبار میں جھوٹ ہے، دھوکہ ہے رشوت ہے تو ہر قدم حرام ہے۔

نماز قصر اور سفر حرام:

سفر میں نماز قصر ہے مگر اس وقت قصر ہے جب سفر حرام نہ ہو یہاں عجیب باریکیاں

ہیں برائی کو جاتے ہوئے سفر حرام ہے لیکن واپس آتے ہوئے حلال ہے کیونکہ جاتے ہوئے حرام ہدف تھا اور آتے ہوئے گھر ہدف ہے جانے والے سفر کو اس حرام منزل نے حرام کر دیا تھا اس لئے نماز پوری تھی اور آنے والی منزل نے سفر کو حلال کر دیا تو نماز قصر ہوگئی پس انسان کی زندگی کا کوئی لحہ عمل سے خالی نہیں ہے سونا بھی عمل ہے اور اگر باوضو ہو کر سویا ہے تو یہ سونا بھی عبادت ہے۔

سلمان فارسی، رات بھر عبادت:

رسولؐ اللہ نے سلمان فارسیؓ سے پوچھا تھا ہر رات میں عبادت گذار رہتے ہو سلمان نے کہا ہاں یا سول اللہ ہر رات عبادت گذار رہتا ہوں کچھ لوگ بیٹھے تھے اعتراض کیا کہ سلمان تو ہر رات سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک تیز مزاج سے رہا نہ گیا اور اعتراض کیا، رسول سے رہا نہ گیا اور کہا سلمان میری امت کا لقمان ہے اور لقمان کی حکمت معروف ہے سلمان فارسیؓ سے رسولؐ اکرم نے پوچھا سلمانؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ ہی نے تو فرمایا تھا جو شخص رات کو سونا چاہے اور حالت وضو میں بستر پر چلا جائے حکم خدا آتا ہے ملائکہ یہ جب تک سوتا رہے اس کی نیند کو عبادت لکھتے رہو۔

علم کیساتھ عمل:

نیند کبھی مرحلۂ عبادت میں ہے تو کبھی اس منزل پر پہنچتی ہے کہ خدا فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ رَئُوْفٌ بِالْعِبَادِ (سورۃ البقرہ آیت ۲۰۷)

اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کیلئے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

جبریل جاؤ وہ دیکھو علیؑ المرتضیٰ بستر پر سوئے ہوئے ہیں جبریل کہتے ہیں :

بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابْنَ اِبیطَالب :

مبارک، علیؑ ابن ابیطالب تمھاری نیند پر بھی اللہ ملائکہ پر فخر کرتا ہے عبادت ہے نیند، جب نیند بھی عمل سے جدا نہیں تو بیداری کو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عمل سے جدا ہے علیؑ نہ اتنا سادہ ہے کہ اسے کچھ پتہ نہیں ہے جس کے ہاتھ میں اللہ نے جنت و دوزخ تقسیم کی ہے وہ اتنا بھولا بھالا نہیں ہے۔

کچھ نکھے ایسے ہیں کیونکہ دولت کثیر ہے کام کاج کچھ نہیں ان کی آنکھ دیکھ رہی ہے تو کیا دیکھ رہی ہے؟ کچھ نہیں معلوم ! بس دیکھ رہا ہے! جبکہ نگاہ کو اسی مقام پر ڈالنا چاہئے جس کو اس نظر دینے والے نے حلال قرار دیا ہے ۔ اسی پر آ کر انسان کا سب کچھ موقوف ہو جاتا ہے اب کوئی عمل کئے جائے اور علم کی ضرورت محسوس نہ کرے تو غلط ہے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ علم حاصل کرے اور آگاہ ہو کہ اس عمل کے بارے میں قرآن ، رسولؐ و اہل بیتؑ نے کیا فرمایا ہے لہٰذا عمل بغیر علم کے اور علم بغیر عمل کے دونوں ہی غلط ہیں۔

مجلس میں آنے والا نہ جاہل ہوتا ہے اور نہ جاہل واپس جاتا ہے بلکہ ہر مجلس حقیقتاً علم میں اضافہ کرتی ہے جتنا علم میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی عمل کا تقاضہ بھی بڑھ جاتا ہے ۔علیؑ سے بڑھ کر ہمارا کوئی مخلص نہیں جب علیؑ فرما رہے ہیں کہ علم چاہئے تو عمل کے ساتھ ، ہمیں جوں جوں پتا چلتا جائے ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور جو عمل کر رہے ہوں اس کے حکم اسلامی کا علم نہ ہو تو اس کی معلومات کے لئے کوشش کریں ؟

یہ زندگی انسان کو اسی مقصد کے لئے ملی ہے بالآخر ایک وقت آئے گا جب اسے خدا واپس لے لے گا اور اس کے حساب کا میدان شروع ہو جائے گا عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا اس وقت واپس پلٹنے کیلئے کہنا چاہئیں گے :

لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ

اے کاش خدا تھوڑی سی مہلت دے دیتا تا کہ میں صدقات و خیرات
کرتا اور اعمال صالحہ بجا لا کر صالحین کی فہرست میں شامل ہو جاتا!
(سورۃ المنافقون آیت ۱۰)

خداوند قدوس جواب میں کہتا ہے:

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خدا کسی کی مقررہ مدت سے ایک لمحہ بھی موخر کرنے کی اجازت نہیں
دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔ (سورۃ المنافقون آیت ۱۱)

یہ اشارہ ہے تمھارا کتنی مرتبہ ایکسیڈنٹ ہوا ساتھ والا چلا گیا تم بچ گئے تمھیں یاد نہ آیا! اس سے بڑھ کر یہ کہ اگلے جہاں کو یاد کرنے کا وقت مل گیا میں تمھیں نعمتیں دیتا ہوں اور تم زیادہ تکبر و غرور میں مبتلا ہو میں تمھیں زیادہ مہلت دیتا ہوں تم بے پرواہ ہو جاتے ہو!

اگر یہ ہدایت مقصود نہ ہوتی، اس کو قیمتی بنانا، اس کے عمل و علم کو مضبوط بنانا، منزل ہدایت کا مسافر بنا کر انسان کو اس کا راہی بنانا مقصود نہ ہوتا تو کبھی زہراؑ کی بیٹیاں مصائب برداشت نہ کرتیں، ہم جتنا کربلا کے مصائب کو روئیں کم ہے۔

اے حسین ابن علیؑ بتایئے علی اکبرؑ جیسے جوان کو لے جاتے سکینہ کو نہ لے جاتے تو کیا ہوتا؟ اور عباسؑ علمدار کو لے جاتے زینبؑ کبریٰ کو نہ لے جاتے تو کیا ہوتا؟ تو یقیناً جواب میں امام حسینؑ فرمائیں گے تمھیں معلوم نہیں میرا فریضہ کتنا عظیم ہے کتنے عرصے تک کے لئے اسلام محمدی کا تحفظ کرنا چاہتا ہوں۔

احسان شناسی ، معرفت الٰهی کا ذریعه

احسان شناسی

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْکَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ (سورة توبه آیت ۳۳)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

خداوند عالم نے حسب معمول اپنے ایک احسان کو اپنی معرفت کا وسیلہ بتاتے ہوئے واضح کیا کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے پہچانیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مختلف راستے ہو سکتے ہیں لیکن اس نے جس طریقے و راستے کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا ہے اور جس نکتے کے ذریعہ وہ اپنی مخلوقات کو زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ طریقہ اور نکتہ، اپنے احسانات کو بیان کر کے اپنی معرفت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

آپ اگر اس فارمولے کے پیش نظر قرآن مجید کی آیات کا سرسری جائزہ لیں اور یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ احسانات کون کون سے ہیں ؟اور کس کس احسان کو بیان کر کے اللہ نے اپنے محسن ہونے کی طرف متوجہ کیا ہے اور لوگوں کے قلوب میں اپنی معرفت کو راسخ کرنا چاہا ہے تو اس طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر منظر دکھائی دیں گے اور اگر آپ اس طرح معرفت میں ڈوب جائیں تو تلاوت قرآن کا لطف کچھ اور ہی ہو گا۔

تلاوت قرآن اور غور و فکر:

تلاوت قرآن عبادت ہے اور آئمہ معصومینؑ نے بکثرت تلاوت کے ثواب کو بیان کیا ہے لیکن اگر ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ تلاوت زیادہ ثواب رکھتی یا قرآن میں غور وفکر کرنا زیادہ

ثواب کا حامل ہے؟ یعنی ایک ہے تلاوت بغیر غور وفکر کے اور ایک تلاوت ہے غور وفکر کے ساتھ۔ قرآن کی تلاوت حافظ بھی کرتے ہیں شبینوں میں بھی اسے پڑھا جاتا ہے(ہم کسی بھی تلاوت کی توہین نہیں کرنا چاہتے) مگر اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ سارے رسول قابل احترام ہیں لیکن یہ سارے رسول ایک جیسے نہیں ہیں ان کی فضیلتوں میں فرق ہے :

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيسَی ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۳)

وہ سارے ہمارے رسول ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض کو دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔ اور کچھ دوسروں کو درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح اور روشن دلائل دیئے اور ہم نے اس کی روح القدس کے ذریعہ تائید کی۔

لہٰذا ایسی ہستیاں جب رسول و انبیاء ہوتے ہوئے فضیلت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے فرق رکھتی ہیں تو محافل قرآن بھی محترم ومکرم ہونے کے سبب فضیلت کے لحاظ سے فرق رکھ سکتی ہیں۔

مثلاً ایک محفل قرآن ہے جو مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے منعقد کی جاتی ہے ۔ یہ ایک رسم ہے اور جب بھی کسی کا انتقال ہو جائے تو فاتحہ خوانی کی جاتی ہے اور ہم جو فاتحہ خوانی کرتے ہیں کیا اپنے لئے پڑھتے ہیں یا مرحومین کیلئے ؟یاان کیلئے جو سامنے مرحوم کے وارث بیٹھے ہیں ؟ عموماً مرحوم کیلئے ہوتی ہے۔

یہ بھی تلاوت قرآن کی محفل ہوتی ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ کا تعلق قرآن حکیم سے ہے اور اس سورۃ میں خداوند عالم نے قرآن کے مفصل موضوعات کو مختصر کر کے بیان کیا ہے پس ایک وہ محفل ہے جہاں تلاوت ہوتی ہے بغیر غور وفکر کے جبکہ ایک ہوتی ہے غور وفکر کے ساتھ۔

تلاوت غور وفکر کے بغیر افضل ہے یا غور وفکر کے ساتھ.....................؟

خدا وند عالم مختلف مقامات پر فرماتا ہے :

اَفَلا تعْقِلُوْنَ . اَفَلا تَتَدَبَّرُوْنَ . مَالَکُم کَیفَ تَحکُمُوْنَ.

کیا تمھیں عقل نہیں ہے ؟

تم غور وفکر نہیں کر سکتے ؟

تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

اور حدیث میں ہے کہ

اَلتَّفکُّرُ اَفضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃً۔

کہ غور وفکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

ہمارے یہاں جو محافل بنام حضرت امام حسینؑ منعقد ہوتی ہیں دیکھا جائے تو یہ ایسی محافل قرآن ہیں جو غور وفکر کے ساتھ ہیں اور ایک مومن نہیں بلکہ کثیر تعداد میں اہل ایمان غور و فکر کرتے ہیں! پھر خود ہی اندازہ لگایئے کہ ایک اجتماع کا قرآن میں ایک گھنٹے غور وفکر کرنا کس قدر باعث ثواب ہو گا۔

احسان شناسی اور معرفت الٰہی:

خدا وندعالم نے جو عمومی روش اختیار کی ہے اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں مگر ان میں اتنی عمومیت نہیں ہے جتنی عمومیت احسان کو بتلا کر معرفت الٰہی کی دعوت دینے میں ہے۔ طریقہ کار منفرد اور عجیب ہے احسان کے ذریعہ محسن شناسی کرنا اور محسن کا شکریہ ادا کرنا ، اس کی مخالفت سے گریز کرنا، اس کی حمایت کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا یہ ایسا انداز ہے جسے صرف انسانوں میں نہیں بلکہ حیوانات میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کی فطرت میں ہے کہ جو ان پر احسان کرے ان کو پہچانتے ہیں اور پھر ان کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور حالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اگر کوئی دشمن ان کے محسن پر حملہ آور ہو تو وہ حیوان اپنے محسن پر جان

قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے اور اس طرح کی ہزاروں مثالیں ملیں گی اور نجس العین جانوروں میں بھی یہ باتیں ملتی ہیں۔

فطرت حیوانی اور فطرت انسانی:

احسان کے وزن کے مطابق محسن کو پہنچانا اس امر کو خدا نے جانوروں میں بھی رکھا ہے اور انسانوں میں بھی، جانور اپنی فطرت کو سمجھتا نہیں لیکن انسان اپنی فطرت کو سمجھنے پر بھی قادر ہے یعنی حیوان میں فطرت موجود ہوتی ہے مگر وہ اپنی فطرت سے آشنا نہیں ہوتا مگر انسان اپنی فطرت کو پہچان جاتا ہے کیونکہ انسان اپنے نقائص کو بھی پہچان سکتا ہے اور کمال کو بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان میں ترقی کی صلاحیت موجود ہے اور جانوروں کو یہ صلاحیت حاصل نہیں اور اسی کی وجہ سے انسان کو آزمائشوں میں رکھا ہے اور حیوان کو امتحان میں نہیں رکھا۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ

(سورۃ الدھر، الانسان آیت ۲)

ہم نے انسان کو ایک ملے جلے پانی سے پیدا کیا ہے تاکہ اس کو امتحان میں ڈالیں اور اس طرح امتحان میں کامیاب ہونے والا اعلیٰ علیین کا سفر کرتا ہے اور ناکام ہونے والا اسفل السافلین میں چلا جاتا ہے۔

خداوند عالم نے انسان کو ایسی عجیب مخلوق بنایا ہے جس میں اپنی تمام شاہکار چیزوں کو سمو دیا ہے اور اس کے بعد اس کی ہدایت کے لئے بہت بڑا نظام ہدایت بنایا ہے اور اس نظام ہدایت کا نام رکھا ہے دین حق۔ اور اس دین حق کو جس کے حوالے کر کے ہم تک پہنچانے کیلئے منتخب کیا ہے اسے کائنات میں سب سے افضل قرار دیا ہے۔

اللہ کے لاتعداد احسانات میں سے سب سے بڑا احسان کون سا ہے؟

ہدایت و دین حق:

اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان اس ہدایت اور اس دین حق کا بھیجنا ہے جس کے ذریعہ انسان ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے ہمیں خود کو سمجھنا چاہئے ،بسا اوقات لوگ اپنی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اپنی خوبیوں کو بھول جاتے ہیں جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم گناہ گار بندے ہیں ہم آزمائش کے قابل نہیں ہیں اس میں ایک پہلو ہے انکساری کا، اگر اس میں حقیقت ہے تو پھر کوئی بحث نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے مراجع ، علماء اور دیگر شخصیات بلکہ خود آئمہ ہدیٰ ؑ انکساری کے مقام پر کیا فرماتے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ میں امتحان کے قابل نہیں ہوں لہٰذا خدا مجھ سے کوئی امتحان نہ لے اور اس کا بغیر امتحان کے اعلیٰ علیین تک پہنچنے کا پروگرام ہے تو پھر اللہ کی یہ صریح آیات کہاں جائیں گی؟!

ابتلاء و آزمائش:

خداوند عالم فرماتا ہے : ہم ضرور آزمائیں گے.............!

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ.

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۵ تا ۱۵۶)

اور ہم یقیناً تمہیں تھوڑے خوف تھوڑی بھوک اور اموال نفوس اور ثمرات کی تھوڑی کمی سے آزمائیں گے اور اے پیغمبر آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔

کیا یہ خطاب فقط معصومین ؑ سے ہے کہ تمھیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا تمھارے بیٹے مارے جائیں گے کبھی بھائی اور والدین کی موت کو دیکھنا ہو گا کبھی زمین اجڑ جائے کبھی زلزلے آئیں گے یہ ایسا واضح آشکار سلسلہ ہے جو ہر ایک کے ساتھ اور ہر بشر کے ساتھ ہے جب مصائب مختلف شکلوں میں تمھارے اوپر آئیں تو مصائب کا مقابلہ صبر سے کرنا ہے اور صابر بنو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے او اگر کفران نعمت کرو گے یا بے صبرے بنو گے تو ناکام ہو جاؤ گے۔

اگر تم صابر بن گئے اور تمھارا صبر تمھیں زیرو سے اوپر کی طرف لے جاتے ہوئے بالآخر اس منزل تک پہنچا دے گا کہ قرآن پکار پکار کر کہے گا :

اُولَئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَاُولَئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۵۷)

ان صابروں پر خداوند قدوس کی طرف سے رحمتیں اور درود نازل ہوتے ہیں۔اور یہی لوگ ہدایت یافتہ افراد میں سے قرار پائیں گے۔

ایمان کے مطابق امتحان:

معلوم ہوا آزمائش و ابتلاء والی بات فقط اولیاء اللہ اور معصومینؑ تک محدود نہیں ہے ۔البتہ خداوندعالم ہر ایک سے اس کے ایمان کے مطابق امتحان لیتا ہے کیونکہ یہ واضح سی بات ہے کہ ممتحن امتحان تو لینے آئے پرائمری کلاس کا اور اس سے سوال کرے بی اے کلاس کا ، اس میں ممتحن کو قصور وار قرار دیا جائے گا نہ کہ اس امتحان دینے والے کو اور اس کو عدل کے تقاضوں کے خلاف سمجھا جائے گا جبکہ خداوند عالم نہ عدل کو کبھی چھوڑ سکتا ہے اور نہ کبھی ظلم کر سکتا ہے کیونکہ وہ تو ہمیشہ فضل و کرم کرتا ہے۔

اس لئے جو جو جس جس امتحان میں کامیاب ہوتا جاتا ہے خداوندعالم اسے اس سے سخت امتحان میں مبتلا کرتا جاتا ہے اور جب اس میں بھی کامیاب ہوجاتا ہے تو اس سے بھی سخت کے لئے تیاری ہوتی ہے، اے بشر اے انسان تیرا امتحان ایمان کے درجات کا ہے بشرطیکہ پہلے میں کامیاب ہو کر نکلیں۔

﴿لہذا آپ کو کبھی ایسے مقام پر پہنچا دیا جائے کہ جہاں میثم تمار کھڑے ہوں تو کوئی بعید نہیں﴾

تربیت دینے والے اساتذہ تیاری کراتے ہیں تو وہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ اگلی کلاس کا حامل کون ہے ہر ایک کو میثم تمار، ابوذر اور سلمان جیسی تربیت نہیں ملتی، سلمان وہ بنتا ہے جس میں بننے کی قابلیت ہو تو تب وہ منا اہل البیتؑ کی منزل تک پہنچتا ہے۔

﴿تو پھر ہمارا کیا ارادہ ہے ہم تو پانچ روپے کا امتحان دینے کو تیار نہیں ہیں کجا پانچ ہزار کا امتحان﴾

توحید و ولایت کے حق میں منافق:

اے حُبّ اہل بیتؑ کا نور اپنے سینے میں رکھنے والو! بہت بڑا انعام ربانی اور احسان الٰہی ہے جو ہمارے سینے میں موجود ہے، حُبّ اہل بیتؑ کا نور اس کے سینے میں آتا ہے جو اس لائق ہوتا ہے مگر ایسا نہ ہو کہ ہم حُبّ اہل بیتؑ سے دھوکہ کھانا شروع کر دیں! کیونکہ جب توحید و رسالت کے حق میں کوئی منافق ہوسکتا ہے تو اسی طرح کوئی ولایت کے حق میں بھی منافق بن سکتا ہے! کیونکہ زبان پر کچھ اور ہو اور دل میں کچھ اور! ہوسکتا ہے کہ کوئی ظاہر میں ہمارے ساتھ علی ولی اللہ کا ماننے والا بن جائے اور دل میں ایسی کوئی بات نہ ہو۔ اور آج کل کے دور میں اس کا سخت خطرہ بھی ہے یاد رکھیں کہ آستین کا سانپ جو نقصان پہنچا سکتا ہے وہ بیرونی دشمن نہیں کرسکتا!

اس لئے اے علیؑ والو!

قدم پھونک کر چلنا! ہر آنے والے کا فوری استقبال نہ کرنا، بلکہ پرکھنا چاہئے کہ کیا وہ مخلص ہے یا نہیں؟ بہر حال وہ بھی ہمارا محسن ہے جس نے دین و ہدایت کو بھیجا اور وہ بھی محسنین میں سے ہیں جن کے توسط سے خدا نے دین و ہدایت کو ہم تک بھیجا۔

دین و ہدایت:

پھر قرآن حکیم اور احادیث رسولؐ ہم پر یہ امر بھی واضح کرتی ہیں کہ جو کوئی انسان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا وہ کبھی اللہ کا شکر گذار نہیں ہوسکتا پس جو شخص بھی آل محمدؐ کے احسان کے سلسلے میں شکر سے گریزاں نظر آتا ہے وہ جتنے بھی شکراً اللہ کے سجدے کرے خدا ایسے شکر کو قبول نہیں کرتا۔

خداوند عالم نے فرمایا!

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

تا کہ اس دین کو غالب کر دے دیگر تمام ادیان پر اگر چہ مشرکین یہ بات پسند نہ کریں۔

خداوند عالم جہاں دین و ہدایت کا تذکرہ کرتا ہے وہاں اس کے بھیجنے کا مقصد بھی بیان کرتا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہیں اور یہ کوشش بغیر رکاوٹ کے کامیاب نہ ہو گی۔

کیا دین کو پھیلانے کی ذمہ داری فقط آل محمدؐ تک مختص ہے؟

اور امت محمدی کے فرائض میں شامل نہیں؟

یعنی ہم تماشائی ہیں کیونکہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ذمہ داری فقط امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ہے اور وہ ہی اس کو ادا کریں گے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم حق کی مدد کرنے والوں کی صف میں نہیں ہیں بلکہ حق و باطل کے معرکے کے سلسلے میں تماش بین ہیں! لہٰذا اس کے لئے ہمیں تبلیغ اسلام کی ابتداء پر غور کرنا ہو گا۔

حبشہ کی طرف ھجرت:

اسلام کی تبلیغ کا جو آغاز ہوا اور اس سلسلے میں جو کچھ کاوش ہوئی اس میں تنہاء رسولؐ ہیں یا امت کو ساتھ لیا تھا؟ اگر اسلام کو معجزانہ طور پر پھیلانے کا پروگرام ہوتا تو نہ اصحاب پر ستم ڈھایا جاتا، نہ ہجرت حبشہ کا واقعہ ہوتا، نہ ہجرت مدینہ پیش آتی، نہ جنگیں ہوتیں، بلکہ آپ کی انگشت کا ایک اشارہ دشمن کو تہس نہس کرنے کے لئے کافی ہوتا، اور نہ ہی حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا جاتا۔ کیونکہ اگر اسلام کی تبلیغ کے لئے معجزہ کو بنیاد بنایا جاتا تو نہ کوئی جنگ ہوتی اور نہ کوئی ہجرت۔

رسول اکرمؐ اصحاب سے فرماتے تھے اگر تمھاری زندگی مکّہ میں اجیرن ہو گئی ہے تو پھر مکّہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ وہاں نجاشی نامی بادشاہ ہے جو عادل و رحم دل ہے جغرافیہ

پر نظریں دوڑانے والو دنیا کا نقشہ سامنے اٹھالو اور سامنے رکھو اور دیکھو بیت اللہ کس نکتے پر ہے اور افریقہ کا حبشہ والا ملک کہاں واقع ہے تو پھر سمندر اور خشکی کے رستوں کا جائزہ لیجئے پھر ذہن میں اونٹوں کا سفر! ساتھ میں خواتین بھی ہیں غور کریں! ان لوگوں نے کتنے ستم اٹھائے، حضرت اسماء بنت عمیسؓ خاتون معظمہ جس نے آخری دم تک حضرت زہراءؑ کی کنیزی پر فخر کیا تھا حضرت جعفر طیارؓ کی زوجیت میں حبشہ کا سفر اختیار کیا تھا اور جب وہاں ان نوجوانوں اور مخلصین کو پریشاں کرنے کے لئے مشرکین مکہ جا پہنچے تو پھر کس طرح جعفر طیارؓ نے سورۃ مریمؑ کی تلاوت کی اور نجاشی کے دل کو موہ لیا، بالآخر نجاشی مسلمان ہوا اور رسول اکرمؐ نے اس کی وفات پر آنسو بہائے۔

معجزہ کی حقیقت:

اس لئے اگر معجزہ اسلام کی تبلیغ کا اہم عنصر ہوتا تو کون عقلمند ہے جو زحمتیں برداشت کرتا۔ لیکن رسولؐ نے ان کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

اے غلامانِ آل محمدؐ، اے شیعیان علیؑ امیر المومنین!

جس قدر ہم معجزہ پر ایمان رکھتے ہیں کائنات میں کوئی اس قدر ایمان نہیں رکھتا مگر ایسا نہ ہو کہ ہم معجزہ کے ہی اتنے قائل ہو جائیں کہ ہر امر میں معجزہ کے منتظر ہو جائیں۔ اور خود کوئی زحمت نہ اٹھائیں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ دین حق کی نصرت کے لئے کوشش کریں پھر معجزے بھی ہوں گے اور فرشتے بھی ہماری مدد کے لئے اتریں گے۔ کیونکہ غیبی امداد اور فرشتوں کا اترنا رسولؐ و آل رسولؐ کے دور کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس غیبت کے دور میں بھی (اِن تَنصُرُ اللّٰہَ یَنصُرکُم) اگر آج بھی تم دین کی نصرت کے لئے قدم بڑھاؤ تو تائید الٰہی متعدد شکلوں میں شامل ہو سکتی ہے۔

تائید ربانی:

اسلامی انقلاب (ایران) کی کامیابی میں نصرت الٰہی اور تائید ربانی کے جو واضح

واقعات ہیں ان سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس قادر مطلق کی حمایت نہ ہوتی تو امام خمینیؒ جیسا قائد اتنے بڑے طاغوت کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہوتا لیکن یہ تائید ہوئی اسوقت جب اِدھر سے قربانی پیش کی گئی گویا اپنے گناہوں سے سچی توبہ اور خدا سے عہد کر لینا کہ خدا وندا ہم اپنے گناہوں کی غلاظت کو صاف کرنے کے لئے اپنے خون سے نہانے کے لئے بھی تیار ہیں جب یہ ثبوت مہیا کر دیا سڑکوں پر خون بہنے لگا، بچے تڑپنے لگے، نوجوان قربان ہونے لگے، ماؤں کے دل دھڑکنے لگے، مائیں اپنے بچوں کے لاشوں پر رو کر صبر کا مظاہرہ کرتی رہیں اور اور کہتی رہیں یہ تو ایک بیٹا ہے اگر اللہ مجھے سات دے دیتا تو میں اللہ کے راستے میں انہیں بھی قربان کر دیتی۔

دین کی نشرو اشاعت اور محافظت:

تب اللہ نے اس خلوص کے جواب میں وہ مددیں شامل حال کیں کہ وقت کی سب سے بڑی طاغوتی طاقت اپنے ہیلی کوپڑوں کے ساتھ گوریلوں کو بھیجتی ہے تو ریت کے ذرات ان کو اپنی آگ میں بھسم کر دیتے ہیں اور اس طرح انقلاب حق اپنی حقانیت کو ثابت کرتا ہے۔ اس لئے ان تمام حقائق کی روشنی میں شیعیان اہل بیتؑ کا کردار صف اوّل کا کردار ہے دین کی نشرو اشاعت اور حفاظت کے لئے اب اگر ہم مجالس میں جائیں فقط تبرک کھانے کے لئے، ثواب کمانے کے لئے اور اپنے گناہوں کو معاف کرانے کے لئے ،لیکن جب وقت آئے راہ حق میں قربانیاں دینے کا تو وہاں ہم تماش بین کا کردار ادا کریں !واضح ہے کہ ایسی ملّت پر الٰہی مدد نازل نہیں ہوتی بلکہ نصرت الٰہی ان پر نازل ہوتی ہے جو ساعت ، تائید مالی قربانی اور جانی قربانی کے ہر موقع پر نظر آئیں ایسا نہ ہو زکوٰۃ کا وقت آئے تو دو فیصد لوگ ادائیگی کرتے ہوئے نظر آئیں، خمس کی ادائیگی میں صرف ایک فیصد لوگ نظر آئیں!

اے دوست !

اگر ہم اپنے مال کی سالانہ بچت کا یا۲۰% فیصد راہ خدا و رسولؐ اور قرآن میں دینے

کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر کس بل بوتے پر اس رب العزت کی نصرت کے طلب گار ہو سکتے ہیں؟!

علم الاخلاق کے ماھرین:

علم الاخلاق کے ماہرین کہتے ہیں۔

یہ جو دنیا کی محبت ہے جس کو حرص وطمع سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے یہ ایک ایسی مصیبت ہے جتنا آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے یہ اتنا جوان ہوتی جاتی ہے۔

ہم نے ماہرین کی بات جو بیان کی ہے اس پر جو سفید ریش بزرگان ہیں وہ مجھے اس سلسلے میں معاف رکھیں گے کیونکہ اس بات کے علاوہ کچھ علائم اور تجربات بھی سامنے آتے رہتے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ بڑھاپے میں مال کی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اے جوانو!

جب تم اپنی کمائی والے ہو گئے ہو تو اپنی کمائی میں سے راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے اپنے بزرگان کی حمایت کا انتظار نہ کرو کیونکہ جب والد گرامی ساٹھ سال سے خمس نہیں دے رہے تو وہ آپ کو اس کی اجازت کیسے دیں گے؟ اگر والد گرامی داڑھی نہ رکھیں تو بیٹے کو کیسے کہیں گے کہ تم رکھ لو!

کیونکہ جو سفید بالوں کو منڈواتا ہے وہ کیسے کہے گا تو اپنی سیاہ داڑھی رکھ لے......؟

شیعہ علی کی ذمہ داری:

پس اگر اس دین حق کو دیگر ادیان پر غلبہ دینا ہے تو امت مسلمہ کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا صف اوّل کا ہراول دستہ وہی ہو سکتے ہیں جن کو رسولؐ نے یہ تمغہ دیا ہو کہ **یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون** شیعہ ہونا کوئی معمولی بات نہیں شیعہ علیؑ کو رسولؐ کی زبان وحی نے کامیابی کی نوید سنائی ہے اور اگر ہم نے ایسا ہونا ہے تو پھر ہمارے مقابلے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی۔

آج جتنی بھی شیطانی قوتیں ہمیں امریکہ، روس اور اسرائیل کے نام پر نظر آتی ہیں یہ منفی قوتیں شیعہ علیؑ کے مقابلے میں جتنی بھی رکاوٹیں ڈال رہی ہیں وہ آپ کے سامنے روشن و واضح ہیں لیکن شیعہ لشکرِ دشمن کو نابود کرنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس کے اپنے اندر وحدت موجود نہ ہو لشکر کی وحدت کامیابی کی چابی ہے اور باہم دست و گریباں ہونا اس کی ناکامی کا بنیادی عنصر ہے۔

اے دوستو!

دور حاضر کی نزاکتوں کا جائزہ لو مسائل کی اہمیت کا ادراک کرو، دشمن کی پالیسیوں پر نظر رکھو موت نہ معلوم کس وقت آجائے، ہم اس قافلہ کے ایک رکن رہیں لہٰذا ہر تفرقہ سے بچتے ہوئے، ہر نفاق کو روندتے ہوئے اور ہر اختلاف کا علاج کرتے ہوئے کاروان کو آگے بڑھاتے رہیں کسی نادان دوست کا شکار نہ بنیں اور کسی دانا دشمن کی چال میں بھی نہ آئیں کیونکہ یہ دونوں ہمارے اہداف کے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ جو لوگ اس نکتے کو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔

رب العزت نے آج کے شیعیان علیؑ کو بہت بڑی کامیابیاں نصیب فرمائی ہیں ایک زمانہ تھا جب ایک شہر کا شیعہ دوسرے شہر کے شیعہ سے مربوط نہیں ہوتا تھا اب شہروں کے شیعہ تو کجا پورے عالم کے شیعہ ایک دوسرے کے درد کو محسوس کرتے ہیں جتنی سائنسی ترقی بڑھتی جا رہی ہے اتنے ہی حق پرست قریب ہوتے جا رہے ہیں۔

لبنان میں اگر کوئی شہید ہوتا ہے تو پاکستان کے مومن کا دل تڑپتا ہے اور وہ اس کے لئے آواز اٹھاتا ہے اور مذمت کرتا ہے اور یہ بات شیعہ ہونے تک محدود نہیں بلکہ شیعہ ہر مسلمان کے لئے تڑپ رہا ہے جب بوسنیا میں ظلم ہوا تو ہمیں معلوم نہیں کہ وہاں علی ولی اللہ والے تھے یا نہیں مگر دیکھا گیا کہ ہر شیعۂ علیؑ کا دل ان کے لئے خون بہانے لگا اور انکی امداد و نصرت کیلئے جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔ اس لئے کہ جہاں احساس ہوتا ہے وہیں قدم بڑھایا جاتا ہے۔

اسلئے خداوندعالم ہمیں دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق اقدامات کرنے کی توفیق عنایت فرمائے کیونکہ جذبات ہر شئے کا علاج نہیں ہے۔ خداوندا! ہمیں وہ درد عطا فرما جو حقیقت میں حضرت حبیب ابن مظاہرؓ کے دل میں موجود تھا ۔وہ جذبہ عنایت فرمائے جو مسلم ابن عوسجہؓ کے قلب میں موجود تھا۔

محبت خدا. محبت رسول. محبت آل رسول
اور داستانِ حضرت موسیٰ کلیم اللہ

مومن سے خدا کی محبت:

یہ بات سمجھنی چاہئے کہ اللہ کے نظام میں کوئی کمزوری نہیں ہے بلکہ انسان چونکہ ناجائز اقدام پر لگا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں ہر طرف غربت و افلاس پھیلی ہوئی ہے خدا وند عالم نے اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار کیا ہے اور آل محمدؑ کے یہاں یہ نکتہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو محروم رکھنے کا نظام نہیں بنایا ہے۔

خدا وند عالم فرماتا ہے کہ

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا

(سورۃ ہود آیت ۶)

اللہ کی زمین پر کوئی حرکت کرنے والی شئے موجود نہیں ہے مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھا ہوا ہے۔

کبھی ہم نے سوچا ہے کہکیا وجہ ہے کہ خدا وند عالم فرماتا ہے کہ میں انسانوں میں سب سے زیادہ محبت مومن سے رکھتا ہوں؟ گویا مومن وہ ہوتا ہے جو نظام الٰہی سے بغاوت نہیں رکھتا، خدا کے سسٹم سے باغیانہ سلوک نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنے محبوب و محبّ کی منشاء کے مطابق زندگی گذارتا ہے اس لئے اس سے ظلم سرزد نہیں ہوتا اور جس سے ظلم سرزد ہوتو پھر اس کو سوچنا چاہئے کہ کیا وہ مومن ہے؟

کیا مومن ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ رسولؐ اللہ کو مان لیا، آئمہؑ اثناء عشر کو مان لیا اور زبان سے انکا اقرار کر لیا اور بس ہم مومن اور محبوب خدا ہونے میں کامیاب ہو گئے!؟

اگر ٹیلی فون کی گھنٹی بجے اور آپ اس کا ریسیور اٹھائیں اور دوسری طرف سے آواز آئے میں اس ملک کا صدر مملکت بات کر رہا ہوں، آپ کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں! اب

بتایئے یہ ٹیلی فون آپ کو اچھا لگے گا یا بوجھ، یہ آپ کو بوجھ نہیں لگے گا کیونکہ سامنے جو شخصیت ہے وہ ملک کی اعلیٰ ترین شخصیت ہے اور آپ چاہیں گے کہ اکثر یہ فون آتا رہے فقط مثال یہ دی جا رہی تھی کہ اگر ایک ملک کا سربراہ گفتگو کرے اور ہم سے اظہار ہمدردی کرے تو ہم پھولا نہ سمائیں گے مگر وہ خدائے بے مثل اپنے رسول اعظم کے ذریعہ قرآن میں کہے اے میرے پیارے مومن!

اے میرے پیارے مومن کے جملے کا آپ کو یقین ہے یا نہیں لیکن جو حضرت محمد المصطفیٰ کے وسیلے سے ہم تک پہنچا ہے اس پر تو ہمیں یقین ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ یا خدا ہم سے براہ راست خطاب کرے کیونکہ خالق کی اس قسم کی آواز نہیں ہے۔ وہ متکلّم ضرور ہے لیکن اس کی اپنی کوئی زبان ہے، نہ آواز ولہجہ ہے اور نہ اس کی کوئی صدا ہے اس کے متکلم ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ وہ جس چیز میں چاہتا ہے اپنی منشاء کے مطابق آواز پیدا کر دیتا ہے۔

موسیٰ اور دختر شعیب :

یہی وہ منظر تھا جو حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر دیکھا تھا کہ جب وہ اپنی زوجہ محترمہ دخترِ حضرت شعیب علیہ السلام کو(دس سال کی خدمت کرنے) کے بعد لے جا رہے تھے تو راستے میں سردی لگی جنگل سے گذر رہے تھے بظاہر لگتا ہے کہ دونوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا تھا اب جب سردی محسوس ہوئی تو لکڑی اور اس کی آگ کی ضرورت محسوس ہوئی مگر نبی ہونے کے باوجود کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جس سے آگ جلائی جاتی یعنی ماچس وغیرہ۔

حضرت موسیٰ صاحب ثروت تھے یا نہیں.............؟

کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے آگ جلائیں اور سردی کو ختم کریں قرآن نے اس خاتون کی بھی بہت تعریف کی ہے جو حضرت موسیٰ کی زوجیت میں آئی تھی۔ اس کیلئے ہمیں ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔

حضرت موسیٰ خوف کی وجہ سے فرعون کی نگری سے روانہ ہوئے کیونکہ ایک مومن مخفی

نے حضرت موسیٰ کو اطلاع دی کہ وہاں آپ کو سزا دینے اور قتل کرنے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے اس لئے حضرت موسیٰ گھبرائے ہوئے فرعون کی نگری سے نکلے اور بڑا طویل سفر کرتے ہوئے مدائن کی طرف گئے۔ وہاں دیکھتے ہیں کہ ایک کنواں ہے جس پر بہت سارے لوگ اپنی بکریوں اور جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں دور دو نوجوان لڑکیاں کھڑی ہوئی ہیں ان کے پاس ریوڑ ہیں مگر وہ ان کو پانی نہیں پلا پا رہی ہیں حضرت موسیٰ ان تک پہنچتے ہیں اور پوچھتے ہیں تم یہاں کیوں کھڑی ہوئی ہو وہ کہتی ہیں کنویں پر مردوں کا رش ہے اس لئے ہماری باری نہیں آ رہی ہے۔ جب تک یہ مرد حضرات فارغ نہ ہوں ہم نہیں جا سکتے۔

معلوم ہوا کہ خواتین میں یہ حیاء اس وقت بھی موجود تھی قرآن نے اس بات کو تعریف کے ضمن میں لیا ہے یا مذمت کے سلسلے میں، اگر یہ خواتین باحیاء نہ ہوتیں تو حضرت موسیٰ ان کی مشکل کے دور کرنے کیلئے تعاون کی پیش کش نہ کرتے اور جب حضرت موسیٰ نے ان سے تعاون کیا اورانھیں پانی دلوایا تووہ وقت سے پہلے ہی ریوڑ لے کر گھر پہنچ گئیں !تو ان کے باپ نے پوچھا کہ تمھارے جلدی آنے کی وجوہات کیا ہیں؟ خواتین نے کہاکہ ایک نوجوان آ گیا تھا جس نے اس سلسلے میں ہم سے تعاون کیا جس کے نتیجے میں ہمیں جلد فراغت ہو گئی۔

حضرت شعیبؑ نے حکم دیا جاؤ اور اس نوجوان کو بلا لاؤ ایک خاتون نے یہ پیغام حضرت موسیٰ تک پہنچایا۔

واقعہ قرآن اور حیاء داری:

فَجَآئَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا.(سورة القصص آیت ۲۵)

اور ان دولڑکیوں میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی وہ حیاء میں ڈوبی چل رہی تھی اس نے آ کر کہا میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو ہمیں پانی پلانے کے عمل کا اجر دیں۔

روایات نے اس سلسلے میں ایک اور انداز بیان کیا ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کے بلانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تو موسیٰ نے اس خاتون کو کہا کہ میں آگے چلتا ہوں تم میرے پیچھے پیچھے چلنا اور مجھے راستہ بتاتے جانا کیونکہ کسی نوجوان خاتون کے پیچھے نوجوان مرد کا چلنا مناسب نہیں۔

دور جدید میں قرآن کے واقعات کو بیان کرنا فقط لفاظی نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس میں جو درس، عبرت و ہدایت پوشیدہ ہے اگر اس سے استفادہ نہ کیا جائے تو قرآن پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ حیاء داری ثابت کر رہی ہے کہ یہ خاتون معمولی خاتون نہیں ہے انتہائی شرافت ، دیانت ،شرم و حیاء والی ہے پھر جب حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچے تو آخر نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں بہنوں میں سے ایک بہن کے ساتھ حضرت موسیٰ کا عقد ہوگیا۔

عقد میں مہر کیا معین کیا گیا.................؟

آٹھ سال کی مزدوری:

آٹھ سال کی یا دس سال تک بھیڑیں چرانے والی محنت و مزدوری۔

قَالَ اِنِّي اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِي ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(سورۃ القصص آیت ۲۷)

تو (حضرت شعیب) نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کردوں اس شرط پر کہ آپ میرے پاس آٹھ سال تک مزدوری کریں۔ اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے۔ تو یہ آپ کی طرف سے زیادہ مناسب رہے گا۔ اور میں آپ پر کوئی سختی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ انشاء اللہ آپ مجھے نیک بندوں میں سے پائیں گے۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (سورۃ القصص آیت ۲۸)

حضرت موسیٰ نے کہا۔ یہ میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہوا۔ (یعنی مجھے اس شرط پر یہ نکاح قبول ہے) اور ان دو مدّتوں میں سے جو مدّت میں اختیار کروں گا اس میں مجھے اختیار رہے گا۔ لیکن بہرحال کسی صورت میں مجھ پر ظلم نہیں ہو گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اس عہد پر ضامن قرار دیتا ہوں۔

حضرت موسیٰ نے حضرت شعیبؑ کے یہاں آٹھ یا دس سال مزدوری کا وعدہ پورا کیا جب سال مکمل ہوئے تو اپنی زوجہ کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں جنگل تھا رات کا وقت ہو رہا تھا سردی کا موسم تھا ایک نبی تھا اور ایک نبی کی بیٹی تھی، ان کے پاس کچھ نہیں ہے کس آزمائش میں ہیں آگ جلانے کیلئے ان کے پاس ایک چقماق پتھر بھی نہ تھا، خدا جانے حضرت شعیب نے کوئی جہیز بھی دیا تھا یا نہیں۔ ظاہری افلاس وغربت میں ڈوبے ہوئے جوڑے کی حقیقی عظمت کو دیکھئے حضرت موسیٰ اپنی زوجہ سے کہتے ہیں آپ یہیں بیٹھیں میں دور کوئی روشنی دیکھ رہا ہوں معلوم ہوتا ہے وہاں کوئی آگ ہوگی میں وہاں سے آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں گا اور یہاں لکڑیاں اکھٹے کر کے اسے جلائیں گے تاکہ اس سردی سے بچنے کا انتظام ہو جائے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (سورۃ القصص آیت ۲۹)

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ مقررہ مدت پوری کر لی تو اپنی اہلیہ کو لے کر چل دیئے۔ تو انھوں نے کوہ طور کی سمت میں آگ کا وجود پایا۔ تو اہلیہ سے کہا۔ آپ یہاں ٹھہریں۔ میں ادھر آگ کا وجود محسوس کر رہا ہوں۔ (وہاں جاتا ہوں) شاید کوئی اطلاع یا آگ

کا کوئی شعلہ (انگارہ) لے آوں گا۔ تا کہ تم اس سے آگ تاپو (اور اپنی سردی کو دور کر لو)۔
کیا نبیوں کو بھی سردی لگتی ہے یا نہیں.....................؟

بشریت معصوم:

ہمارے بہت سے بزرگ ایسے ہیں جو منبروں پر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کے ہاں عام انسانی حالات نہیں پائے جاتے ان کے ہاں کوئی بھوک ہے، نہ کوئی افلاس ، نہ گرمی کا اثر ہے اور نہ سردی کا یعنی نبی و امام صرف ظاہر میں انسان ہوتا ہے حیرت ہے کہ ہمارے ہاں بہت سے افراد اس قسم کی باتوں کو بڑی سادگی سے قبول کر لیتے ہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو بشریت انبیاء و رسلؑ اور ائمہؑ اور صلحاء کے ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ فقط نظر آنے والے انسان ہوتے ہیں ان کے اندر بشری تقاضے موجود نہیں ہوتے ! جب کہ میدان کربلا کا واقعہ پڑھتے ہیں تو وہاں تین دن کی پیاس بھی پڑھتے ہیں، پیاس کا رونا، پیاس کی شدت ،تلواروں کا لگنا، خون کا بہنا، بازوؤں کا کٹنا، رگوں کا کٹنا، گلوں سے خون کا بہنا بھی پڑھتے ہیں مصائب میں سارے بشری تقاضے صحیح ہوتے ہیں مگر فضائل میں غلط ہو جاتے ہیں جس کا مصائب کچھ اور ہو اور فضائل کچھ اور ہو وہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مذہب اہل بیتؑ کا ترجمان نہیں ہو سکتا۔

اسلئے حق یہ ہے کہ معصوم کی بشریت کا انکار جائز ہے اور نہ ہی نورانیت معصومینؑ کا انکار جائز ہے وہ بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں وہ ایسے بشر ہیں ان جیسا کوئی بشر نہیں اور نور ہونے میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ اور یہ ہم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ بشریت نور کے ساتھ اور نورانیت بشریت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ علیؑ امیر المومنین نور علیٰ نور بھی ہیں اور سید البشر بھی ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا!

عَلِیٌّ خیرُ البَشَرُ مَن اُبیٰ فَقَد کَفَرَ

میرا بھائی خیر البشر ہے جو نہ مانے وہ کافر ہے۔

نیز آپ نے فرمایا:

اِذا ظَهَرَتِ البِدَعُ فَعَلَی العالِمَ اَن یُظْهِر عِلْمَه وَاِلاَّ فَعَلَیْه لَعْنَةُ اللّٰه.

جب اُمت میں بدعتیں ظاہر ہونے لگیں تو جو عالم جاننے والا ہو اگر وہ بدعتوں کے خلاف نہ بولے تو اس عالم پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس لئے ہم مجبور ہیں اس حقیقت کو روشن کریں۔

حضرت موسیٰ اور کوہ طور:

حضرت موسیٰ نبیوں میں سے ایک نبی ہیں اس لئے قرآن میں ان کے واقعات کو ہدایت امت محمدی کے لئے نازل فرمایا ہے اور اس واقعہ سے ثابت ہے کہ نبی کو اور اس کے اہل وعیال کو سردی لگتی ہے اگر سردی محسوس نہ کرتے تو اپنے اہل و عیال کو تنہا چھوڑ کر نہ جاتے اور جب موسیٰ روشنی کے پاس پہنچے تو منظر دیکھ کر حیران ہو گئے دیکھا ایک درخت ہے اور اس کے ہر پتے سے شعلہ نکل رہا ہے، نہ پتہ شعلہ کو بجھاتا ہے اور نہ شعلہ پتہ کو جلاتا ہے۔

یک دم آواز بلند ہوئی!

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

(سورۃ القصص آیت ۳۰)

پس جب حضرت موسیٰ علیہ اسلام اس جگہ پہنچے تو اس امن والی وادی کے کنارے سے اس مبارک مقام میں ایک درخت سے یوں ندا دی گئی۔

اے موسیٰ: میں اللہ ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اے موسیٰ تو ایک پاکیزہ ومقدس وادی میں آچکا ہے اپنے جوتوں کو اتار دو میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے یہ صدا کوہ طور سے بلند ہوئی اور حضرت موسیٰ نے سنی۔

کیا وہاں اللہ اپنی زبان سے بول رہا تھا............... اللہ تعالیٰ کا نہ تو جسم ہے اور

نہ جسم والی زبان۔

یہ اللہ کی آواز تھی مگر وہ آواز نہ تھی جو زبان سے بلند ہوتی ہے وہ آواز نہ تھی جسم کے ایک حصے کے دوسرے حصے کے ساتھ ٹکرانے کے ساتھ نکلتی ہے کیونکہ ایسی آواز رب کائنات کے لئے ثابت کرنا عقیدہ توحید اور معرفت توحید کے خلاف ہے مگر یہ وہ آواز تھی جسے اپنی قدرت سے پیدا کیا حضرت موسیٰ کے سامنے وہ آواز اس درخت سے بلند ہو رہی تھی لیکن کلام متکلم میں چونکہ متکلم کی بات ایسی تھی اور اس میں معجزانہ انداز ایسا تھا اور سارے کوائف ایسے تھے جس سے موسیٰ کو یقین تھا کہ میرا رب مجھ سے گفتگو کر رہا ہے اور گفتگو کے نتیجے میں خدا نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو معجزات عطا فرمائے۔

حضرت موسیٰ کو کہا اپنے عصاء کو زمین پر پھینک دو تو اس سے ایک دوڑتا ہوا اژدھا نظر آیا اس سانپ کو دیکھ کر موسیٰ پیچھے کی طرف ہٹے خدا نے کہا موسیٰ ڈرو نہیں اس کو پکڑ لو اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب تم اسے بلاؤ گے تو ہم اس کو اس کی اصلی حالت میں پلٹا دیں گے عصاء بھی مل گیا اور ید بیضاء بھی مل گیا۔ موسیٰ جاؤ! فرعون سرکش ہو چکا ہے اس کو ہدایت کرو اور اس طرح حضرت موسیٰ اللہ سے کلام کر کے کلیم اللہ بن گئے۔

قرآن مجید بیان کرتا ہے:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ
يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ اُسْلُکْ
يَدَکَ فِیْ جَيْبِکَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْکَ
جَنَاحَکَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِکَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَئِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (سورۃ القصص آیت ۳۱ تا ۳۲)

اے موسیٰ اپنا عصاء زمین پر پھینکو۔ پھر جب اس کو دیکھا تو وہ دوڑ رہا تھا کہ وہ ایک اژدھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پیچھے کی جانب پلٹے اور مڑ کر نہ دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ اس کی طرف آگے بڑھو اور ڈرو نہیں۔ یقیناً آپ محفوظ رہیں گے۔ (کچھ نہ ہوگا)

اور اپنا ہاتھ اپنے جیب (گریبان) میں ڈالو وہ ایک سفید اور نورانی ہاتھ بن کر باہر آئے گا جس میں کوئی عیب نہ ہوگا۔ اور ہر خوف سے دور رہنے کیلئے اپنا بازو اور ہاتھ اپنے سینے سے ملا لو۔ پس یہ واضح براہین (معجزات) تجھے تیرے رب کی جانب سے دیئے جا رہے ہیں۔ تاکہ تم فرعون اور اس کے گروہ کے پاس (اسے ہدات کرنے کیلئے) جاؤ۔ کیونکہ وہ لوگ بہت ہی بدکار ہو چکے ہیں۔

حب علی امیرالمومنین:

اس کلام الٰہی اور دیگر کلمات ربانی سے روشن اور واضح ہوتا ہے کہ خدا جب مومن کو خطاب کرتا ہے تو اس میں محبت و الفت ہوتی ہے، جتنا ایمان میں اضافہ ہوتا جائے گا اللہ کی محبت اتنی حاصل ہوتی جائے گی اور اگر مخاطب وہ امیر المومنینؑ ہو، وہ جو اپنے ایمان کے حوالے سے اتنے بلند درجے پر فائز ہو کہ اس کے ایمان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے بلکہ اس کے ایمان کا مقام اتنا بلند ہو کہ رسولؐ اکرم کو کہنا پڑے۔

بَرَزَ اَلْاِیْمَانُ کُلُّهٖ اِلَی الْکُفْرِ کُلّه

ایمانِ کل، کفرِ کل کے مقابلے میں جارہاہے تو محبت الٰہی کا اظہار کسقدر دلکش ہوگا؟

خداوند عالم نے رسول اکرمؐ کے ذریعہ یہ پیغام دے دیا ہے کہ یہ ہستیاں میرے نزدیک اتنی محبوب ہیں کہ اب میں کسی سے محبت نہ کروں گا جب تک کہ کوئی ان سے محبت رکھے گا آئندہ کے لئے رب کائنات نے فارمولا بنا دیا کہ اب میری محبتوں کا محور محمدؐ و آلؐ محمد کی محبت ہے، یہ کسی کے دل میں نہیں ہے تو وہ میری محبت کا ذرہ پانے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

یاد رکھئے آپ کی نمازیں روزے، زکوٰۃ، حج، طواف اس وقت تک اللہ کا محبوب نہیں

بنا سکتے جب تک آپ کے قلب میں حُبّ علیؑ کا نور موجود نہ ہو۔

رسول اعظمؐ فرماتے ہیں !

کوئی شخص اپنی زندگی کی ہر رات عبادت میں گذارے، ہر دن روزے سے گذارے، ہر سال پیدل حج کرے، کوہِ احد جتنا سونا راہ خدا میں بانٹ دے اور صفا و مروہ کے درمیان بے گناہ مارا جائے اور ایسے کے دل میں حُبّ علیؑ موجود نہ ہو تو جنت تو درکنار وہ جنت کی خوشبو کا بھی حقدار نہیں۔

جو علیؑ محبتوں کا مرکز بنا دیا گیا ہے تو کیا یہ پارٹی بازی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ علیؑ نے اپنے ایمان کو وہاں پہنچایا ہے کہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ اے میرے علیؑ تو ایمان کا وہ درجہ رکھتا ہے کہ جو تجھ سے محبت نہیں رکھتا وہ بے ایمان تو ہوسکتا ہے مومن نہیں ہوسکتا بس مومن وہی ہوا جو محبّ علیؑ بھی ہو اور محبّ رسولؐ و خدا بھی ہو۔

حب علی اور توحید سے نفرت:

کچھ لوگوں نے عقیدہ محبت کو کچھ اس طرح بنایا ہوا ہے کہ وہ محبت علیؑ رکھتے ہیں مگر حُبّ خدا سے فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں ! جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو حُبّ علیؑ کو حُبّ خدا کا وسیلہ نہیں بنا سکا وہ دراصل حُبّ علیؑ ہی نہیں رکھتا وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ وہ محبّ علیؑ ہے جبکہ علیؑ اس لئے آئے تھے کہ بھٹکے ہوئے کو خدا کے راستے پر بلائیں علیؑ اپنی قصیدہ خوانی کرانے کیلئے نہیں آئے تھے۔ہاں ان کے فضائل کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت پر اعتقاد کا وسیلہ ہے۔

علیؑ امیر المومنین کے فضائل کا بیان اسلئے عبادت ہے کہ علیؑ کو ہر فضیلت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اس لئے علیؑ کی فضیلت ہم جتنی مانتے جائیں گے تو ہمیں اس کو بھی اتنا ماننا پڑے گا جس نے علیؑ کو علیؑ بنایا۔قابل غور ہے کہ جو خود علیؑ کو علیؑ بنانے والا ہے وہ کتنا علی و بلند ہوگا اور تعجب کا مقام ہے کہ نام علی کا خدا نے رکھا تو کس مقصد کے تحت رکھا؟ جبکہ والدین کو حکم

یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام اچھا رکھیں اور بہتر ہے معصومینؑ کے نام گرامی پر رکھا جائے تا کہ اس کی عزت میں اضافہ ہو۔علیؑ کا نام ایسا نام ہے کہ علیؑ پر پوری طرح منطبق ہے۔علی کا معنی بلند اور بلند ہونا ہی علی کی شان ہے۔

کچھ لوگ بچوں کے نام تجویز کرتے وقت ستاروں کے چکر میں پھنس گئے ہیں اے مومن ان ستاروں پر ایمان نہ رکھ بلکہ محمدؐ و آل محمدؐ کے نام کی برکت پر ایمان رکھ۔ شیخ مرتضیٰ انصاری اور دیگر علمائے شیعہ جعفریہ نے اپنی کتب فقہیہ میں بڑی صراحت سے لکھا ہے علم نجوم پر ایمان رکھنے والا کبھی صحیح راستے پر نہیں چل سکتا علم نجوم پر ایمان رکھنے سے آل محمدؑ نے منع فرمایا ہے۔

امیرالمومنین اور نجومی:

حضرت امیر المومنینؑ جنگ (شاید نہروان) کیلئے نکلنا چاہ رہے تھے اور سامنے سے ایک نجومی آ گیا اور کہا یہ ساعت آپ کیلئے سعد نہیں ہے بلکہ نحس ہے لہٰذا آپ جنگ کیلئے نہ نکلیں(یہ ہنداؤ نہ باتیں ہیں جو مسلم معاشرے میں پھیل چکی ہیں بسا اوقات خواتین اس کا زیادہ شکار ہوتی ہیں) حضرت نے اس نجومی سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا کہ میں نے آپ کے برج میں آگ جلتی ہوئی دیکھی ہے۔

تو آپ نے فرمایا!

اے نجومی ! اگر میرے شام والے برج میں تو نے کوئی جلتی ہوئی آگ دیکھی ہے تو اس سے تو نے یہ فیصلہ کر لیا یہ آگ میرے نقصان میں جائے گی تو کیا یہ نہیں ہوسکتا یہ آگ میرے دشمن کے نقصان میں جائے اور میرے فائدے میں جائے۔

اے نجومی !آگ میرے نقصان میں جائے گی یہ تیری تحقیق ہے تیری تحقیق ناقص بھی ہوسکتی ہے پھر اس جنگ میں علیؑ اتنی فتح حاصل کرتے ہیں کہ دس ہزار کی تعداد میں دشمن جمع تھے ان میں نو صحیح نکلے اور باقی مارے گئے۔

یہ آگ کس پر برسی دشمن پر یا علیؑ امیر المومنین پر..............؟

اس طرح علی حیدر کرارؑ نے امت کو یہ درس دے دیا کہ اے ستاروں کی چال پر یقین رکھ کر تحقیق کرنے والے، تیرا علم ناقص اور نتائج ناقص۔

علی کا نام کس نے رکھا؟

تو علیؑ کا نام خود خدا نے رکھا اور ان کا نام اس دنیا میں آنے سے پہلے رکھا گیا ہے حضرت آدمؑ اس نام کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے علامہ سید مقبول احمد دہلوی اور دیگر علماء نے تفسیر عیاشی کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی قوم میدان میں پھنس گئی تھی سارا دن اس مشکل سے نکلنے کے لئے کوشش کرتے مگر راستہ نہ ملتا تھا اور میدان سے باہر نہ نکل پاتے پانی کی قلت سے یہ پریشان ہونے لگے اور حضرت موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے

یہ سن کر حضرت موسیٰ نے دست دعا کا بلند کیا۔

اَللّٰھُمَّ بِحقِّ مُحمد سید الأ نبیآءِ. وَبِحقِّ علی سیدِ الأ وصیآء. و بِحقِّ فاطِمَۃَ سیّدۃِ النّساء و بحقِّ الحِسنِ سیدِ الاولیاء، وَبحقِّ الُحسینِ سیدِ الشُّھدآءِ وبحقّ عترتھِم سَادَۃِ الاذکیآءِ اِسُقنا مَآءً.

(اے خدا تجھے محمدؐ سید الانبیاء کا واسطہ، علیؑ سید الاوصیاء کا واسطہ، فاطمہؑ سیدہ النساء کا واسطہ، حسنؑ سید الاولیاء کا واسطہ، حسینؑ سید الشہداء کا واسطہ اور ان کی آل پاک کا واسطہ ہمیں پانی پلا۔)

اتنے میں وحی آئی کہ:

فَقُلْنَا اضْرِبْ بّعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

(سورۃ بقرہ آیت ٦٠)

موسیٰ یہ سامنے جو پتھر پڑا ہوا ہے اس پر ڈنڈا مارو جب مارا گیا تو جن کے صدقے

سے حضرت موسیٰ نے دعا مانگی تھی اس پتھر سے بارہ چشمے نمودار ہوئے یہ اسمائے مقدسہ خدا کے علم میں پہلے سے ہیں اور خود اس نے ان ناموں کو منتخب کیا ہے۔

خداوند عالم نے اپنے نام سے مشتق کر کے علیؑ نام رکھا ہے کہ یہ اس پر فٹ آئے اور یہ ایسا علیؑ بنے گا کہ بلندیاں اس پر عاشق ہو جائیں گی عظمتیں اس کی مرید بن جائیں گی اور نتیجتاً علیؑ بلند ہوتا رہے گا۔ علیؑ بلند ہے، تھا اور رہے گا اور انھیں بلندیاں مل رہی ہیں۔

مستقبل میں بھی علیؑ کو بلندیاں ملتی رہیں گی، علیؑ کو ہمیشہ بلندیاں ملتی رہیں گی، دینے والا ہے اللہ اور لینے والا ہے علیؑ امیر المومنین، نہ دینے والے کا خزانہ کم ہوگا اور نہ لینے والے کا ظرف بھرے گا ہم پر کس قدر احسان ہے اس علی اعلیٰ کا کہ اس نے ہمیں علیؑ دیا اس سے بڑھ کر ہم پر احسان کیا ہوگا جب ایمان صحیح منزل پر ہو تو اس میں کبھی تنزلی نہیں آتی ہے وہ کبھی کمزور نہیں ہوتا ہے۔ اور اے مومن تجھ سے خدا نے محبت کا اظہار کیا ہے کہ روزہ دیا ہے۔

روزہ نعمت خداوندی:

روزہ کی شکل میں خدا نے ہمیں یہ تحفہ دیا ہے یا زحمت دی ہے؟ اگر ہم اس کو زحمت سمجھیں گے تو پھر اس سے فرار اختیار کرنے لگیں گے اور اگر اس کو نعمت سمجھیں گے تو پھر اس کو ڈھونڈیں گے اور اگر کوئی ہمیں اس سے دور کرنے کی کوشش کرے گا تو ہم اس کو دھتکار دیں گے۔ روزہ کی عبادت مصیبت نہیں نعمت ہے منبر پر آنے والے ایسے لوگ موجود ہیں جو عبادات، احکامات اور اس کے عوامل کو مصیبت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خود بھی عبادت کرنے سے بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لوگ جب خود ان امور سے بھاگتے ہیں تو وہ آپ کو کیسے اس کی ترغیب دیں گے؟ یاد رکھیں ایسوں کو اپنا رہبر نہ سمجھیں۔ اور انھیں اپنا منبر نہ دیں۔

حدیث امیر المومنین:

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا۔

المومن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیرفی القفس.

مومن مسجد میں ایسے آتا ہے جیسے مچھلی کو پانی ملے اور منافق مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں پھنس گیا ہو۔

ہمیں مولانے کیا حکم دیا کہ ہم عبادت میں سکون محسوس کریں یا بے چینی، کیسے عبادت میں سکون ملے گا کہ عبادت کو بوجھ سمجھا جائے! پس جب مجالس کو قائم کریں تو محمد و آل محمد کے کلچر کو قائم کرنے کے لئے نہ کہ ایسی باتوں کو پھیلائیں کہ آل محمد کچھ اور چاہتے ہوں اور ہمارا اسلامی و دینی کلچر کہیں اور جا رہا ہو۔

مجلس و نماز:

ہمارے چند ذاکرین نے مجالس کی کیا صورت حال بنادی ہے کہ مجلس میں یہ بحث ہوجاتی ہے کہ مجلس ہو رہی ہو اور درمیان میں نماز کا وقت آ جائے تو کیا نماز کے لئے وقت فراہم کرنا چاہئے یا نہیں؟ نماز با جماعت کا انتظام ہونا چاہئے یا نہیں؟ اے مومن تجھے عبادات میں تسکین ملنی چاہئے اور یہ نہیں مل سکتی جب تک کہ تیرے قلب میں وہ فلسفہ راسخ نہ ہو جائے جس کے لئے آل محمدؐ نے قربانیاں دی ہیں۔

اے مومنوں !اپنے مزاج کو بدلو، مزاج اطاعت نہ ہوتو نعرہ حیدری کا کیا فائدہ؟ شیعہ معاشرہ پاکستان میں اس وقت بہت مشکل مرحلے سے گذر رہا ہے یہ معمولی بات نہیں ہے!

امیر المومنینؑ کی شہادت فقط رونے یا ماتم کے لئے نہیں، ہاں ماتم داری اور عزاداری عبادت ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ ایک عبادت اچھی لگے اور دوسری سے نفرت ،ہم محمدؐ و آل محمدؐ کے غلام ہیں یا اپنے مزاج کے غلام ہیں؟ شیعیت نام ہے محمدؐ و آل محمدؐ کی غلامی کا، محمدؐ و آل محمدؐ نماز کی طرف بلائیں تو ہم نماز کی طرف محبت سے آئیں روزہ کی طرف ، حج کی طرف ، زکوٰۃ و خمس کا حکم دیں تو اس سے جان چراتے ہوئے نظر نہ آئیں بلکہ وہ کریں جس کا حکم ملا ہے۔

ضرورت مند کی مدد سے فرار:

جیسے سورۃ الدھر کہتی ہے!

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

(سورۃ الدھر آیت ۸)

وہ اسکی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

جب رسولؐ و آل رسولؐ مساکین و یتامیٰ سے محبت کرتے تھے تو پھر اپنے ماننے والوں سے کیا تقاضہ کرتے ہیں؟ اگر آپ نے اپنے مومن ہونے کا امتحان لینا ہے تو پھر کسی مولوی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ دیکھیں ہم مسجد میں جاتے ہیں تو ہمارے دل کی حالت کیا ہوتی ہے؟ اور اگر دل کو ایسا سکون ملتا ہے جس طرح مچھلی کو پانی میں، تو سمجھ لیجئے کہ آپ مومن اور اس کے برعکس ہو تو پھر اپنا جائزہ لیجئے؟

جب کسی مسکین یا یتیم یا بے گناہ قیدی کی مالی یا اخلاقی مدد کی طرف بلایا جائے۔ تو دیکھئے دل کی کیفیت کیا ہے؟ ان پر اپنا مال خرچ کرنے سے محبت رکھتے ہیں تو ہم مومن ہیں اور اگر اس سے دل تنگ ہوتا ہے اور فرار کرتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ ابھی تک دل میں ایمان کا نور نہیں آیا۔ اور ایسا دل والا اگر زبان سے ایمان کا کلمہ پڑھتا ہے تو وہ مومن نہیں منافق ہے، مومن تب ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ رسولؐ اللہ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے احکام اور فیصلہ جات سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرے، اطاعت کرے اور دل سے اطاعت کرے۔ اوامر کی تابعداری اور نواہی سے پرہیز یہی حقیقی ایمان کی علامت ہے۔

نعماتِ خداوندی کا ادراک اور حقیقتِ تشکّرُ

حکمت خداوندی:

دین اسلام دین حق ہے اس کا بنانے والا خالق کائنات ہے اس اللہ رب العالمین نے اس دین کو انسان کی فطرت کے عین مطابق بنایا ہے چونکہ وہ خود انسان کا خالق ہے اس لئے اس کی فطرت سے اس کا آگاہ ہونا یقینی ہے اس لئے اس نے جیسی فطرت بنائی اس کے مطابق اس نے دین کو وجود بخشا جس طرح اس نے انسانی فطرت کے عین مطابق اس زمین کو بنایا اور اس زمین پر انسان کو اسی لئے آباد کیا کہ یہی زمین انسان کی آبادی کیلئے لائق تھی اگر کسی اور کرہ ارض پر آباد کرتا تو وہ انسانی فطرت کے مطابق نہ ہوتا۔

اسلئے کہ اللہ نے بشر کو پانی اور مٹی سے خلق کیا ہے اور اسی مٹی والی زمین پر آباد کیا ہے تو معقولیت، دانائی و حکمت کا تقاضا ہی یہ بنتا ہے کہ انسان کو اس پر آباد کیا جائے اور اس زمین کو سجایا اور سنوارا جائے جیسا کہ یہی انسان کی ضرورت ہے۔ اسلئے جب سے انسان کو یہاں آباد کیا گیا اس وقت سے اب تک انسان نے آباد کرنے والے سے شکوہ نہیں کیا۔ آباد کرنے والے نے اس انسان کو شکایت کا موقع ہی نہیں دیا کیونکہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا انسان محتاج ہو اور زمین پر اس کا سامان موجود نہ ہو۔

نعمات خداوندی، ھوا اور پانی:

انسان کو جس چیز کی زیادہ ضرورت تھی خدا نے اس کو اتنا وافر مقدار میں پیدا کیا ہماری ضروریات میں سے ایک ضرورت ہوا ہے جس کے ذریعے ہم سانس لیتے ہیں ایک ضرورت پانی ہے جس کے ذریعے ہم زندگی کی گاڑی چلاتے ہیں ایک ضرورت غذا ہے جس کے ذریعے ہم پیٹ بھرتے ہیں۔ مثال کے طو پر ایک ضرورت گندم ہے اور دوسری نمک ان تمام ضروریات میں فرق ہے سب کی برابر برابر ضرورت نہیں پانی کی ضرورت گندم سے زیادہ ہے اور گندم کی ضرورت نمک سے زیادہ ، خدا کی اس کائنات میں ہوا پانی سے زیادہ ہے پانی گندم سے زیادہ

ہے گندم نمک سے زیادہ اس لئے کہ ہوا ہماری ایسی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر ہمارا ایک لمحہ بھی نہیں گذر سکتا اور ایک سانس کے بعد دوسری سانس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس ہوا کو اس نے اس انداز سے خلق فرمایا ہے کہ ہمیں ہوا کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے ہوا ہمیں خود ڈھونڈتی ہوئی آتی ہے۔

حکمت خداوندی اور سادہ انسان:

آج کے دور میں کمروں میں ایئر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈک کو برقرار رکھنے کیلئے کمروں کو مکمل بند کر دیا جاتا ہے لیکن سادہ لوح انسان بھول جاتا ہے کہ اسے ٹھنڈک کے ساتھ تنفس کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور وہ ہوا کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اسے ہم جتنا بند کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح جگہ بنا کر اتنی ضرور داخل ہو جاتی ہے کہ اس کے بغیر یہ سادہ لوح مر نہ جائے اسی لئے خدا نے ہوا کو اس انداز میں پیدا کیا ہے انسان کو اسے ڈھونڈنے کی ضرورت نہ ہو۔

اگر ہوا بھی کسی کے قبضے میں آنے والی چیز ہوتی اور کوئی طاغوت ہوا کو بھی اپنے قبضے میں لے سکتا ہوتا تو امریکہ کو ساری کائنات پر اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کیلئے پھر نہ ایٹم بنانے کی ضرورت ہوتی اور نہ اتنے بڑے بڑے بحری بیڑے بنانے کی ضرورت ہوتی بلکہ ہوا کو کھولتا اور بند کرتا، اپنی مرضی سے ،اور سارے لوگ ہاتھ پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے!

لیکن وہ خدا کتنا کریم ہے کہ ہوا کو ہر قسم کے طاغوت کے قبضے سے آزاد رکھا ہے اور کوئی بھی کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو وہ اس ظلم کو روا رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ تنفس پر کنٹرول کر سکے۔ اسکے بعد پانی کی مقدار کو دوسری ضروریات سے زیادہ خلق فرمایا ہے اور پانی اس نے اس انداز سے خلق فرمایا ہے۔ کہ:

خداوندعالم فرماتا ہے!

میں نے آسمان و زمین تمھارے لئے خلق کئے اور میں نے چاند، سورج اور رات اور دن کو بنایا اور تمھارے لئے پانی کو آسمان سے نازل کیا۔

پانی کی قسمیں:

پانی دو قسم کا ہے ایک جما ہوا پانی اور دوسرا بہتا ہوا پانی، جما ہوا پانی جس کو برف کہتے ہیں اور بہتا ہوا پانی جس کو بارش کہتے ہیں دونوں کو زیادہ مقدار میں نازل کرتا ہے ان حصوں کی طرف نازل کرتا ہے جس کو خدا نے نسبتاً بلند بنایا ہے، کوہ ہمالیہ، کے ٹو اور گلیشرز پر مسلسل برف کو نازل کرتا رہتا ہے اور میلوں کی بلندیوں میں وہاں برف موجود ہے اور اس برف کو اس نے ایسے بنایا ہے کہ قطرہ قطرہ پگھلتی رہے اور آہستہ آہستہ نچلے علاقے کی طرف بہتی رہے اور پھر وہ چھوٹے چھوٹے نالے بڑے بڑے نالے بڑے بڑے دریا بنتے ہیں اور بڑے دریا بالا خر دریائے سندھ میں جاتے ہیں دریائے سندھ کا پانی کوہ ہمالیہ کی پہاڑیوں پر سے بہتا ہوا کچی آبادی میں آجاتا ہے اور کچی آبادی والے اس کو اپنی زمینوں تک لے جاتے ہیں ضرورت بس نہر کھودنے کی ہے پانی کو دھکہ دینے کی ضرورت نہیں پانی کو بنایا ہی ایسا ہے کہ راستہ مل جائے تو پہنچ جاتا ہے۔

حکمت خداوندی و نظام خداوندی:

اگر اللہ برف بناتا اور وہ پگھلنے کے لائق نہ ہوتی تو معاملہ خراب ہوتا اور ایسی پگھلتی کے ایک ساتھ پگھل جاتی اس طرح یک دم سیلاب آتا یا پھر مکمل خشکی ہو جاتی، آج کل کچھ سائنس دان یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ ایٹم کے ذریعہ برف کو ایک ساتھ پگھلا دیا جائے! لیکن ان اللہ کے بندوں کو اس امر کی طرف توجہ ہے یا نہیں کہ اگر تم کسی ایسے بم کے ذریعہ گلیشرز کو پگھلاؤ گے جس سے توازن بگڑ جائے تو اللہ جانے اس توازن کو بحال کرنے میں کامیاب ہوسکو گے بھی یا نہیں ؟اور دوسرا یہ کہ پگھلا ہوا پانی یقیناً یک دم سیلاب کی شکل میں بہے گا اور تم اس کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکو گے اس طرح یہ سارا بہہ کر سمندر میں چلا گیا تو تم اس کو کیسے سنبھالو گے ؟!

اسلئے ہمیں اس خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے یک دم پگھلنے کا نظام نہیں بنایا

اسی لئے قطرہ قطرہ پگھلا یا ہے کیونکہ جب پہاڑوں سے پانی گرتا ہے تو وہ چھوٹے چھوٹے چشموں اور نہروں کی شکل میں نچلی زمین کی طرف آتا ہے پھر آہستہ آہستہ اکھٹے ہوتے ہوئے ایک بڑے دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور وہ دریا پھر بہتا ہوا ہماری زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔

بس انسان خدا کے اس نظام تکوینی کی گہرائیوں کا جائزہ لے سائنس ہماری نگاہوں میں اسی لئے عظیم ہے کہ سائنس خدا کے نظام کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتی ہے علوم سائنسی کائنات کے رموز کو درک کرنے میں معاون ہوتے ہیں البتہ جب انسان کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرے تو اپنے رب کو نہ بھول جائے ایسا نہ ہو انسان کائنات کے رموز کو سمجھ جائے اور پھر تکبر میں غرق ہو جائے اور اس کے اندر علمی تکبر پیدا ہو جائے۔

حکمت خداوندی اور بارش کا برسنا:

جب برف کی طرف توجہ فرمائی تو اب ذرا بارش کی طرف بھی توجہ فرمایئے !بارش بھی خدا کا برستا ہوا پانی ہے وہ آسمان سے زمین کی طرف نازل کرتا ہے لیکن برسات کی حد اوسط میدانی علاقوں کے مقابلے میں پہاڑی علاقوں کی زیادہ ہے اسلئے کہ اگر وہ زیادہ بارش برسائے تو میدانی علاقوں کا پانی اپنے ہی تالابوں وغیرہ میں جمع ہو جاتا ہے دریاؤں کی طرف نہیں پہنچ پاتا اور پہنچے بھی تو بہہ کر سمندر کی طرف چلا جاتا ہے اس کا اتنا فیض نہیں ہوتا جتنا پہاڑی علاقوں کی طرف برسنے کا ہے اسلئے جب بلندیوں کی طرف پانی نازل ہوتا ہے تو بہتا ہوا پستیوں کی طرف آتا ہے اور میدانی علاقوں کو سیراب کرتا ہے اب اس میں پہاڑی علاقوں کا احسان ہے یا نہیں؟ لہٰذا اس میں تعصب کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

بارش زیادہ پہاڑی علاقوں میں ہوتی ہے لیکن اس کا زیادہ فائدہ میدانی علاقے والے اٹھاتے ہیں اور لہلہاتے ہوئے کھیت ، گندم، کپاس، گنا اور دیگر فصلیں اُگتی ہیں سوچئے کہ اگر میدانی علاقے والے فخر کرتے ہوئے کہیں کہ پہاڑی علاقے والے ہماری گندم کھاتے ہیں! تو

جواب میں اگر پہاڑی علاقے والے کہیں کہ تم ہمارا پانی پیتے ہو، تو جواب کیا ہوگا ؟۔
حق بات یہ ہے کہ دونوں کو فخر نہیں کرنا چاہئے بلکہ دونوں کو مل کر اس رب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔
خداوند عالم نے فرمایا!

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ

(سورۃ ابراھیم آیت ۷)

اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کروَ گے تو میں تمہاری نعمات میں اضافہ کرتا جاؤں گا اور اگر کفرانِ نعمت کروَ گے تو پھر میرا عذاب سخت ہے۔
اور اس عذاب کا آغاز اور کچھ نہ ہوتو صرف اتنا تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی نعمات واپس لے لے۔
خداوند عالم فرماتا ہے!

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّأْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ

(سورۃ الملک ۳۰)

اگر تمھارا رب پانی کی سطح کو اتنا نیچے لے جائے اور تم نکالنے پر قادر نہ ہوسکو تو بتاؤ تمھیں یہ میٹھا پانی کون دے گا؟
اس لئے کہ جب وہ پانی دے سکتا ہے تو وہ لے بھی سکتا ہے کیونکہ جب تک تم نے میٹھا پانی استعمال کیا
تو خدا کا شکر ادا کیا..................؟

رواج تشکر:

عام طور پر شکر خدا کا جو رواج ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی نعمت ملے اس کے جواب میں زبان سے شکر ادا کیا جائے اور کوئی اس سے آگے بڑھے تو سجدہ شکر کر لیتا ہے کوئی

اس سے زیادہ آگے بڑھے تو وہ دو رکعت نماز شکرانہ پڑھ لیتا ہے اور کوئی شکرانے کیلئے تسبیح نکالتا ہے، مسجد میں گیا ہے اور شکر ادا کر رہا ہے یہ تمام باتیں تشکر کے زمرے میں آتی ہیں۔ اور صحیح اور ضروری ہیں۔

لیکن کوئی اس طرف سے تسبیح ہاتھ میں لے اور شکر اس بات کا ادا کرنا چاہے کہ اے خدا تو نے مجھے آنکھوں جیسا نور عطا کیا اور دوسری طرف وی سی آر لگائے اور اس پر کوئی فحش قسم کی فلم دیکھے اور دیکھنے کے ساتھ شکراً للہ کہے، تو کیا شکر ادا ہو گیا اور کوئی فحش فلم کے اختتام پہ سجدہ شکر بھی ادا کرے تو آپ کیا کہیں گے؟

اور کئی ایسے بھی بدبخت ہیں جو غیر اسلامی حکومت میں اپنے ناجائز مقدمات میں کامیابی کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے ہیں!

کچھ لوگ امام بارگاہوں میں آتے ہیں، مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں کہ میں فلاں مقدمے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں منّت کو ادا کروں گا لیکن اتنا نہیں سوچ رہا ہوتا کہ۔

غیر اسلامی حکومت میں یہ مقدمہ شریعت محمدیؐ میں اور زینب کبریٰؑ کی بچائی ہوئی شریعت میں حرام ہے جس نے اس شریعت کیلئے چادر دی، عون و محمد دیئے، حسینؑ، عباسؑ، علی اکبرؑ قاسمؑ و علی اصغرؑ دیئے جس نے ابن زیاد کے سامنے پیشیاں بھگتیں، جس نے یزید کے سامنے رسن بستہ حالت میں اپنے نانا کی شریعت کو بچایا یاد رکھ کہ اس شریعت میں حکومتی عدالتوں میں مقدمات پیش کرنا حرام ہیں تو پھر یہ مرادیں اور منّات خدا کی بارگاہ میں کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟

حقیقت تشکر:

اگر فلم میں فحش مناظر دیکھنے والا اپنی آنکھ کے حوالے سے شکراً للہ کہے تو تجھے تعجب ہوتا ہے کیونکہ اصول تو یہ ہے کہ کوئی بھی حرام کام ہم کریں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے شکر ادا نہیں کیا بس صرف زبان سے شکر، سجدہ شکر اور نماز شکر پڑھ لی یہ سب تب جا کر شکراً للہ بنتے ہیں جب ہم جس نعمت کا شکر یہ ادا کر رہے ہیں اس نعمت کو اس طرح استعمال کریں جس طرح نعمت

دینے والا پسند کرتا ہے اور اگر دینے والا ناراض ہو تو اس کو اس طرح استعمال نہ کریں لہٰذا صرف زبان سے شکر ادا کرنا اس مالک کے نزدیک شکر نہیں ہے۔

اسلئے اے مجلس میں آنے والو، شکر کرنے والو، نماز پڑھنے والو، غریبوں اور یتیموں کو کھانا کھلانے والو، ان ساری نیکیوں سے پہلے یہ دیکھئے کہ جس امر کا ہم شکریہ ادا کر رہے ہیں اس نعمت کو کہیں مرضی خدا کے خلاف تو استعمال نہیں کر رہے، چوری یا رشوت کا مال لے کر یتیموں کو کھانا کھلانا، ہیروئین فروخت کر کے مسجدیں بنوانا نیکی اور شکر نہیں ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے حرام کسب معاش کو اپنی عادت بنا رکھا ہے اور لوگوں کے اندر اپنے چہرے کو باعزت دکھانے کیلئے تھوڑی سی زکوٰۃ غریب کو دے دی، امام بارگاہ کو چندہ دے دیا کروڑوں کمایا حرام کا اور لاکھوں دے دیا اس نیک راستے پر اللہ کو بھی راضی رکھنے کی کوشش کی اور شیطان کو بھی، یاد رکھئے جہاں شیطان راضی ہو وہاں رحمان کبھی راضی نہیں ہوسکتا۔

سجدہ شکر اور امیرالمومنین:

﴿سجدہ شکر کرنا ہے، شکر ادا کرنا ہے تو آیئے علیؑ امیرالمومنین کو دیکھئے﴾

رسولؐ اکرم پر وحی ہوئی کہ اے رسولؐ آپ کو مشرکین نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے میں ابھی تیری شہادت کو پسند نہیں کرتا دین کو تیری ضرورت ہے اسلئے اپنے بستر پر علیؑ کو سلا دو اور خود ہجرت کر جاؤ آپ نے علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے میں چلا جاؤں اسلئے آپ میرے بستر پر سو جائیں، علیؑ نے کہا اگر میں آپ کے بستر پر سو جاؤں تو آپ کی جان بچ جائے گی جواب ملا ہاں تو مولا اس پر شکر ادا کرتے ہیں۔ اور سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ اب ذرا گذشتہ انبیاء میں سے دو باعظمت نبیوں کے واقعہ پر غور کیجئے۔

حضرت اسماعیلؑ نے خواب کے مسئلے پر اپنے بابا کو کہا تھا میں امرِ خدا پر صبر کا ثبوت دونگا اور صابر بنوں گا جبکہ علیؑ اسی منزل پر شکر ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں صبر وہ کرتا ہے جو اسے مصیبت سمجھتا ہے اور شکر وہ کرتا ہے جو نعمت سمجھتا ہے اسماعیلؑ فرزند خلیل اللہ اور خود ذبیح اللہ

ہیں اسماعیلؑ کی قربانی کا جذبہ خدا کو اس قدر پیارا تھا کہ اس نے ساری نسل انسانی کیلئے یہ سنت قرار دے دیا کہ اسماعیلؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس قربانی کو یاد کرو اور اپنے جانوروں کو قربان کیا کرو۔

اے خدا تو نے سنت ابراہیمی اور سنت اسماعیلی کو قائم رکھنے کا جو حکم دیا ہے جبکہ وہ اپنی جان کے نذرانہ بننے کو مصیبت سمجھ رہا ہے اور صبر کرنے کا اعلان کر رہا ہے ! کتنا بلند ہے وہ علیؑ جو جان قربان کرنے کو مصیبت نہیں سمجھ رہے بلکہ نعمت خدا سمجھ رہے ہیں اور سجدہ شکر انجام دے رہے ہیں! علماء نے لکھا کہ یہ وہ سجدہ شکر تھا جس میں علیؑ امیر المومنین نے اپنی پیشانی کے ساتھ ساتھ اپنے رخسارہ کو بھی زمین پر رکھا تھا آپ جب نماز پڑھتے ہیں تو آپ کی نماز کا آخری سجدہ کون سا ہوتا ہے وہ سجدہ شکر ہوتا ہے جس میں پہلے پیشانی رکھتے ہیں پھر دائیں جانب، بائیں جانب اور پھر دوبارہ پیشانی اور اس طرح کرنا دراصل سنت حیدر کرارؑ ہے۔

وہ شخص کتنا لائق تحسین ہے جو اہل بیتؑ کے گھرانے سے نماز کو لیتا ہے، اور وہ نماز پڑھنے والا جب نماز کو مکمل کرتا ہے تو اللہ کی عبادت بھی کر کے واپس آ رہا ہوتا ہے اور مولا علیؑ کی سنت کو بھی ادا کر کے آ رہا ہوتا ہے۔ ہر نماز کے بعد سجدہ شکر کی جو تلقین ملی ہے تو گویا ہمیں یہ بتلا رہی ہے، اہل بیت ہمیں بتلانا چاہتے ہیں اے نماز پڑھنے والے ! آخر میں سجدہ شکر ادا کر اس نیت کے ساتھ کہ یہ نماز تیرے لئے نعمت خدا ہے۔

نماز مصیبت یا نعمت:

ذرا سوچئے : نماز مصیبت ہے یا نعمت ہے؟ فقط نماز واجب نعمت ہے یا مستحب نماز بھی....؟

جو چیز نعمت ہو انسان اس کی طرف جاتا ہے یا اس سے بھاگتا ہے ؟ فرض کریں اعلان ہو کہ جو شخص بھی مجلس میں آئے گا اس کو دس تولہ سونے کی ٹکیہ دی جائے گی بتایئے پھر کوئی گھر میں رہے گا ؟ تو پھر یہ حیّ علی الفلاح کی آواز، بالخصوص حیّ علی خیر العمل کی صدا

ہمیں متوجہ کر رہی ہے جس بات کی طرف ، اللہ کا نمائندہ ہمیں بلا رہا ہے کلمۂ توحید، کلمۂ رسالت ،کلمۂ ولایت پڑھ کر بلا رہا ہے وہ جھوٹ تو نہیں بول رہا وہ جس چیز کی طرف بلا رہا ہے وہ تو سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہے! لیکن حقیقت میں ہم کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں اور، خدا اس پر راضی نہیں ہوتا۔

خداوند عالم فرماتا ہے !

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ الصّف آیت ۳)

سب سے زیادہ اللہ ناراض اس بات پر ہوتا ہے کہ جو تم کہتے ہو وہ کرتے نہیں۔

سچا عزادار:

(اے مجلس میں آنے والو، مجلس پڑھنے والو، نوحہ پڑھنے والو، ماتم کرنے والو ، علم ابولفضل اٹھانے والو) یہ سب اپنی جگہ نعمات ہیں ہر کی اہمیت کا اپنے ذہن میں عقیدہ رکھو! لیکن ایسا نہ ہو کہ عزاداری سے محبت ہو اور نماز سے نفرت ہو یا نماز سے محبت ہو اور عزاداری سے نفرت !

سچا عزادار وہ ہے جو عزادار ہو تو نمازی بھی ہو اور صحیح نمازی وہ ہے جو نمازی بھی ہو اور عزادار بھی ۔

اگر کچھ لوگ بولتے ہیں اور ذہنوں میں عزاداری کی اہمیت کو بیدار کرتے ہیں لیکن ساتھ نماز کی تاکید میں کمی کرتے ہیں بلکہ نماز کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور نماز سے دل دور ہو جاتا ہے اور عزاداری کی طرف فوراً مائل ہو جاتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے دین، اہل بیتؑ سے نہیں لیا اور اس بولنے والے نے آپ کے سامنے اہل بیتؑ کی ترجمانی نہیں کی۔

روز عاشور، شہادت و نماز:

آیئے !ذرا عاشور کو دیکھئے، عاشور کے دن شہادت بھی ہو رہی تھی اور نماز بھی ہو رہی

تھی، وہ وقت کتنا عجیب تھا جب کچھ شہید ہو گئے تھے اور کچھ انتظار کر رہے تھے ہر ایک اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا اور سورج ڈھل رہا تھا اُس وقت کہنے والے نے عرض کیا دل چاہتا ہے زندگی کی آخری نماز آپ کے ساتھ ادا کریں امام حسینؑ نے اسے دعا دی کہ خدا تجھے نمازیوں میں سے محشور کرے۔

فرمایا ان لوگوں کو کہو تھوڑی دیر کے لئے جنگ بند کر دیں تا کہ نماز ادا کی جا سکے۔ لیکن وہاں سے جواب آیا، تمھاری نماز قبول نہیں ہے امامؑ نے اس جواب کے باوجود مصلّیٰ عبادت کے لئے بچھا دیا، انصار اور جوانان بنی ہاشم نماز کے لئے پیچھے کھڑے ہو گئے دو محافظ معین کئے، نمازیوں پر تیر برسنے لگے اور وہ وقت آیا کہ جب نماز ختم ہوئی تو اس وقت محافظ کے سینے میں تیرہ تیر پیوست ہو چکے تھے اور وہ زمین پر گر گیا امام حسینؑ نے اس کے سر کو گود میں لے لیا۔ اس نے آخری سانس میں امام علیہ السلام کی زیارت کی۔ اور پوچھا هَلْ وَفَيتُ يا بنَ رَسُولِ الله ؟

فرزند رسولؐ! کیا میں وفا کر سکنے میں کامیاب ہو گیا،

تو امام علیہ السلام نے فرمایا۔ اَنتَ أَمَامِي اِلَى الجنّة،

تو جنت میں میرے آگے آگے جائے گا۔

علی کے شیعہ پر قرآن مجید کی تحریف کا الزام سراسر بہتان ہے

تحریف قرآن کا بہتان:

قرآن حکیم کا کلام اللہ ہونا برحق ہے اور جو حقائق بیان کئے گئے ہیں وہ بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ اس میں اگر سماوی تذکرے ہوئے ہیں تو وہ بھی برحق ہے اور ارضی بھی، ماضی کا بیان، حال کا ذکر، مستقبل کے بارے میں تذکرے سب برحق ہیں اور ہر ہر آیت برحق ہے اس کا ظاہر و باطن بھی برحق ہے اور جو اس کو مانتا ہے اور اس کا عالم ہے وہ بھی برحق ہے۔ اس کا ہر امر برحق ہے اس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس کے ہر قسم کے لاریب ہونے پر ایمان ہے اور اس کے محفوظ ہونے پر بھی ایمان ہے اور اگر کوئی ہم پر الزام لگاتا ہے کہ انہیں کتاب کے تحریف شدہ ہونے پر ایمان ہے تو یہ ہم پر بہتان، الزام اور اتہام ہے اور بہتان باندھنے والا اگر مفتی ہے تو وہ ایسا مفتی ہے جس کو خدا نہ اس دنیا میں بخشے گا اور نہ آخرت میں۔

ہمیں اس امر پر پوری تاکید سے بات کرنی چاہئے۔ کیونکہ دور حاضر کچھ ایسے لوگوں کا دور ہے جنہوں نے غلامان آل محمدؑ، شیعیان آل محمدؑ اور محبان اہل بیتؑ کے خون کو حلال بنانے اور ان کے قتل و غارت کو جائز قرار دینے کے لئے کچھ ایسے بہتان اور الزامات نوخیز نوجوانوں کے ذہن میں زہر کے انجکشن کی طرح داخل کئے ہیں کہ وہ احمق جوان ان سازشی سربراہوں پر اس طرح یقین کرنے لگے ہیں جیسے کوئی اندھا کسی ہاتھ پکڑنے والے کی بات پر یقین کرلیتا ہے حالانکہ کسی شخص کو آنکھ رکھتے ہوئے نابینا نہیں بننا چاہئے لیکن کیا کیا جائے جو لوگ سازشی، چالباز اور عیار ہوتے ہیں وہ نوجوانوں کو گمراہ کرنے میں شیطان کے پکے ایجنٹ ہوتے ہیں، ورغلانے، گمراہ کرنے میں ماہر ہوتے ہیں وہ اپنے اوپر ایسا خول چڑھالیتے ہیں کہ حقیقت چھپ جاتی ہے اس لبادہ کی وجہ سے نادان نوجوان ان کو بڑا مخلص، پاکباز، اور سچا سمجھنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ

نکلتا ہے کہ ایسے جوانوں کو ورغلا کر ان کے ہاتھوں میں علیؑ اکبر کے غلاموں کو قتل کرنے کا ظالمانہ اقدام کرایا جاتا ہے۔

شیعہ و قرآن:

ایسے حالات میں ضروری ہوتا ہے کہ بعض ایسی باتیں جو پہلے بھی روشن ہوتی ہیں ان اندھوں کے سامنے زیادہ روشن کردی جائیں۔ حقائق بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہئے تھی لیکن پھر بھی توضیع الواضحات اور تکرار بالاصرار ابوجہلوں کیلئے کرنی پڑتی ہے بہت بڑے جھوٹے، کذاب اور گمراہ کن ہیں وہ ظالم جو آل محمدؐ کے مذہب حق پر یقین رکھنے والے شیعہ اثنا عشریہ پر بہتان باندھتے ہیں کہ ان کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔

گوشہ و کنار میں چھپنے والے پمفلٹ بتاتے ہیں کہ اپنے حجروں کی تاریکیوں میں بیٹھ کر یا افغانستان کے غاروں میں جوانوں کو جمع کر کے یہ درس دیا گیا ہے بلکہ تسبیح کی طرح رٹایا گیا ہے کہ جو شیعہ ہوتا ہے اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہوتا اور ان کا قرآن کوئی اور ہوتا ہے۔

اے کاش ایسا ہوتا:

اے کاش ! وہ نوجوان کسی امام بارگاہ میں چلا جاتا، کسی تعزیہ کا جائزہ لیتا، کسی عالم دین سے پوچھ لیتا اور کسی شیعہ کے گھر چلا جاتا تو حقیقت سے آگاہ ہوجاتا۔ ہم چیلنج سے کہہ سکتے ہیں کہ ہر شیعہ کے گھر میں قرآن موجود ہے وہ کسی شیعہ کمپنی کا چھپا ہوا نہیں ہوتا بلکہ کسی تاج کمپنی یا چاند کمپنی کا ۔ اس پر بھی ہمارا ایمان ایسے ہی ہوگا جیسے کسی سنی کا اس پر ہے یا کسی بریلوی یا دیوبندی کا ہے یہ قرآن تمہارے گھر میں ہو تو تمہارا ایمان سچا،

تو ہمارا ایمان جھوٹا کیوں..................؟

جب محشر میں رسولؐ فریاد کریں گے کہ میری امت نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اس سے ہدایت حاصل نہ کی تو ہم اس وقت گواہی دیں گے کہ یا رسولؐ اللہ ہم نے نہ قرآن کو چھوڑا تھا اور نہ مع القرآن کو چھوڑا تھا۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

(سورۃ فرقان، آیت ۳۰)

اور اس دن رسول آواز دے گا کہ پروردگار ! میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کردیا تھا!

شیعیان آل محمد کا جرم:

ہم گالیاں کھاتے رہے، گولیاں برداشت کرتے رہے، ہمارے جنازے اٹھتے رہے، مسجدیں بے گناہ خون سے رنگین ہوتی رہیں، مجلس بھی فائرنگ کا شکار ہوتی رہیں، جلوسوں پر حملے ہوتے رہے، ڈاکٹرز بھی مارے گئے، علماء، مومنین، تاجر، بڑے، بوڑھے، بچے اور خواتین تک شہید ہوئیں لیکن آپ گواہ ہیں ہم نے نہ قرآن کو چھوڑا اور نہ ہی اہل بیتؑ کو چھوڑا۔

اگر ہمارا کوئی جرم تھا تو سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ ہم حسبنا کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والے نہ تھے۔ ہم نے صرف قرآن پر رک جانا اور من پسند تفسیریں کرنا اس کو مناسب نہ سمجھا تھا کیونکہ نہ خود قرآن اس کی اجازت دیتا تھا اور نہ وہ رسولؐ اجازت دیتے تھے جن کے قلب پر قرآن نازل ہوا تھا اور نہ آل محمدؑ اجازت دیتے تھے جن کو رسولؐ نے مع القرآن بنایا تھا اور نہ عقل اس کی اجازت دیتی تھی جس کو اللہ نے ہمارے لئے حجت قرار دیا ہے۔

اسلئے آل محمدؑ ہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے قرآن کی حفاظت کی ہے اور اس کو تحریف سے بچایا ہے اس لئے جب قرآن کے سلسلے میں ہم پر کوئی تہمت لگائی جاتی ہے تو سر کو جھکایا نہ کریں بلکہ سر اٹھا کر جواب دیا کریں کیونکہ ہم نے سر کٹایا ہے جھکایا نہیں اور نہ ہی کوئی خیانت کی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

هُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ

مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ (سورۃ آل عمران، آیت ۷)

ترجمہ: وہ اللہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے اس کی کچھ آیات محکمات (پختہ) ہیں جو اس کتاب کی بنیاد ہیں اور کچھ دوسری متشابہات (غیر واضح) ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور انحراف ہوتا ہے وہ ان متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کا مقصد فتنہ ہوتا ہے اور اس کی تاویل کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس کی تاویل تو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان ہستیوں کے جو علم راسخ رکھتے ہیں۔

اے نوخیز نوجوانو! ان کے تیروں سے نہ گھبراؤ، متاثر نہ ہونا، اپنی شرافت کو محفوظ رکھو، اپنی دیانت کو محفوظ رکھو، اخلاق کو علیؑ اکبر سے سیکھو، کربلا کو ماننے والو! فقط رونے کیلئے کربلا کو نہ مانو بلکہ شجاعت و شرافت کیلئے بھی مانو، دیانت، عزت، غیرت، خلوص وفا کربلا والوں سے سیکھو اور ابوالفضل العباسؑ جیسے شہداء سے سیکھو۔

اگر آپ قرآن سے پوچھیں تو جس بات کو وہ اخلاق عظیم سے تعبیر کرتا ہے وہ کردار، وہ اخلاق کربلا کے شہیدوں میں چلتا پھرتا نظر آئے گا۔ ایک عملی تصویر نظر آئے گی، وہاں صورت بھی مثلِ رسولؐ ہے تو سیرت بھی مثلِ رسولؐ ہے یعنی شہزادہ علیؑ اکبر کی۔ اور یہ بات ہم نے نہیں بنائی بلکہ خود امام حسینؑ اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہہ رہے ہیں: اے خدا! تو گواہ رہنا اب وہ جوان چلا ہے مقتل کی طرف جس کو صورت تو نے رسولؐ خدا والی دی تھی تو سیرت کو خود علیؑ اکبر نے ان کی مثل ثابت کیا ہے۔

نوجوانوں کا آئیڈیل:

اے نوجوان مرد و خواتین! اگر تم نے کسی کو آئیڈیل بنانا ہے تو وہ تمہیں کربلا میں ملے گا اور خاندان آل محمدؐ سے ملے گا کسی اخبار نویس سے متاثر نہ ہونا، فلمی رسالے، ناول، ڈرامے

اور دیگر ظالمانہ تصاویر سے متاثر نہ ہونا۔ اگر آپ نے کسی تصویر کو لینا ہے تو کربلا کی تصویر بنایئے اور اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں سجایئے یہی کردار زندگی کیلئے آئیڈیل ہونا چاہئے۔

متشابہ آیات:

اے خدا ! اگر یہ متشابہ آیات فتنہ کا ذریعہ ہیں تو ہم اس پر عمل کیسے کریں اور اس کی گہرائی اور حقیقت کو کیسے معلوم کریں ؟ تو خدا فرماتا ہے اس کو میں جانتا ہوں یا پھر وہ جو راسخون فی العلم ہیں۔ خدا نے قرآن خود ان بنیادوں پر نازل کیا ہے کہ ان آیات کے رموز کو سمجھنے کیلئے اپنے اوپر بھروسہ نہ کرو۔ خود ملاّ ، مفسر نہ بنو اگر خود تفسیریں کروَ گے تو ان ہی آیات کا تم پر حکم لگے گا کہ ان کے دلوں میں کجی ہے اور انحراف ہے اسلئے کہ اسکے رموز خدا کے پاس ہیں اور خدا تک براہ راست کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ بشر کی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو برداشت کرے۔

خداوند عالم نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ

(سورۃ شوریٰ، آیت ۵۱)

ترجمہ: کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے مگر یہ کہ وحی کرے یا پردے کے پیچھے سے بولے یا اپنا (فرستادہ) فرشتہ بھیجے جو اذن خدا کے مطابق جو وہ چاہے اس پر وحی کردے۔

کیا کان میں کوئی تیل ڈالا جائے یا کوئی دوا استعمال کی جائے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلام سن سکیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہاں ظاہری طاقت کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس کیلئے روحانی بلندی کی ضرورت ہے اس بلندی تک اس وقت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا جب تک فضل خدا شامل حال نہ ہو اور اس کیلئے خدا خود اس کو منتخب کرتا ہے اور ابتداء سے اسے ایسا لائق بناتا ہے کہ وہ اس کی

وحی کو برداشت کر سکے اور جس کو لائق بنانا چاہتا ہے اس کو فرعون اگر پیدا ہونے سے پہلے ختم کرنا چاہتا ہو تو موسیٰ کو منتخب کرنے والا اللہ فرعون کے سارے حربوں کے باوجود موسیٰ شکم مادر میں محفوظ ہیں۔ ولادت بھی کرا دیتا ہے صندوق میں ڈلوادیتا ہے سمندر میں غرق بھی نہیں ہونے دیتا، اور دشمن کی گود میں بھی پہنچا دیتا ہے دودھ ماں کا پلاتا ہے اور پیسے دشمن سے ادا کرواتا ہے۔

یہ ہے حکمت خداوندی اپنے امر کے احیاء کیلئے۔

رواج و شریعت

نجس العین جانور:

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں دو حیوانوں کو نجس العین قرار دیا ہے ایک وہ جانور ہے جو جنگلی ہے اس کو نجس العین قرار دیا ہے اور ایک جانور وہ ہے جو جنگلی نہیں بلکہ شہری اور انسانی آبادی سے انس رکھنے والا مزاج رکھتا ہے اس کو بھی شریعت مصطفیٰؐ میں نجس العین قرار دیا گیا ہے۔

یہ جنہیں شریعت مصطفیٰؐ نے نجس العین فرمایا ہے وہ انسانوں کیلئے نجس العین ہے یا خود اپنے لئے ؟ واضح ہے کہ وہ انسان کیلئے نجس ہے خود اپنے لئے نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے اس جانور کے اندر کچھ امور ایسے خلق فرمائے ہیں جو انسان کیلئے مضر ہیں، لہٰذا انسان پر مہربانی کرتے ہوئے اور اس کی بہترین رہنمائی کرتے ہوئے اس کو اپنے پاکیزہ نبی کے ذریعہ اطلاع دے دی ہے کہ اس جانور کے ساتھ گھل مل نہ جانا، اس کے ساتھ گھریلو زندگی نہ گزارنا، نہ اکٹھے کھانا پینا، نہ گود میں لینا اور نہ بچوں کی طرح پیار کرنا! بے شک بہت پیارا لگے مگر اتنا پیار تو نہ کروٗ کہ اپنی محبت قربان کردو اور اپنی تندرستی کو فدا کردو ! کیونکہ میں نے اس میں کچھ ایسی چیزیں خلق فرمائی ہیں جس کی اس جانور کو ضرورت ہے مگر تمہارے لئے مضر ہیں تم اس سے بچنا، یہ اپنے لئے نجس نہیں تمہارے لئے نجس ہے۔

اس خالق لم یزل و لایزال نے کسی بھی چیز کو حرام قرار دیا ہے تو ہمارے فائدہ کو سامنے رکھتے ہوئے اور اگر کسی بھی چیز کو حلال کیا ہے تو بھی ہمارے فائدے کو سامنے رکھتے ہوئے جو حرام شئے ہے اس میں کوئی نقصان دہ بات ہے اسلئے ہم پر حرام کردیا ہے اور جس میں فائدہ ہے اسے حلال کردیا ہے۔

خداوندعالم نے فرمایا:

أَحَلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتِ... حَرَّمَ عَلَيكُمُ الخَبٰئِثَ...

اے انسانو ! جتنی طیب چیزیں تھیں حلال کردی ہیں اور جتنی خبیث
تھیں اسے حرام کردیا ہے، اب اس پر بھروسہ کروٗ جو علم والا ہے۔
(القرآن)

جوانسان اللہ پر بھروسہ نہ کرے اور حرام کو استعمال کرے تو یہ ایسا بدبخت ہے جس نے اپنے خدا پر اعتماد نہیں کیا۔ قرآن پر عدم اعتماد اور رسولؐ پر بھی بے اعتمادی، کیونکہ خدا سے لے کر نبی تک، نبی سے لے کر علیؑ تک اور علیؑ سے لے کر مہدیؑ آخر الزمان تک، پہلے ہادیؑ سے لے کر آخری ہادیؑ تک سب ہمارے مخلص ہیں اور وہ ہمیں بار بار مطلع کر رہے ہیں کہ حرام چیزیں اللہ کیلئے کوئی فائدہ مند نہ تھیں کہ اس نے اپنے فائدے کیلئے بچا کر رکھی ہوئی ہیں!

جوا اور حلال روزی:

اسی لئے کسی شخص کو اپنی روزی کے حوالے سے جوئے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے یاد رکھیں کہ جوا اگر انسانیت کیلئے مفید ہوتا تو اللہ تعالی کبھی اس کو حرام نہ کرتا اور چوری اگر نقصان دہ نہ ہوتی تو حرام نہ کرتا۔ چوری صرف یہ نہیں ہے جو کسی کے گھر کی دیوار پھلانگ کر کی جائے بلکہ وہ بھی چوری ہوتی ہے جو چھوٹی سی ریڑھی سے کرلی جائے ! یہ چوری، غصب اور حرام کا رزق ہے سودا لینے کیلئے گیا اور دو چار پھل مالک کی مرضی کے بغیر ہڑپ کر گیا۔

حلال وہ ہے جس سے مالک راضی ہو اسلئے خریداروں اور فروخت کرنے والوں کو اپنے ۹۹ فیصد حلال کے ساتھ بھی ایک فیصد حرام کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ اسلئے کہ دودھ کی بالٹی میں ایک قطرہ بھی نجس پڑجائے تو پھر دودھ، دودھ نہیں رہتا۔ یہ جب پاک تھا تو حلال تھا اب نجس ہوگیا تو حرام ہوگیا ؟

رواج تابع شریعت:

لوگوں کے رسم و رواج کی وجہ سے بعض باتیں عادتیں بن جاتی ہیں اسلئے ہماری اپیل ہے کہ رسم و رواج کو شریعت کے ماتحت ہونا چاہئے۔ شریعت کو رواج کے ماتحت نہیں کرنا

چاہیے۔ سب سے بڑا محاذ غلط رواج ہے۔ لوگوں کے ذہنوں اور عادتوں میں یہ رواج اتنا پختہ ہوجاتا ہے کہ پھر علیؑ جیسی ہستیوں کو رواج کو شکست دینے کیلئے ذوالفقار کو استعمال کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی رواج کی گردن کاٹنے میں کامیاب نہیں ہوتے کیونکہ کل کفر کی گردن کاٹنا آسان ہے۔ کفر کے رواج کی گردن کاٹنا مشکل ہے۔

جو رسوم شریعت کے خلاف ہیں علیؑ والوں سے درخواست ہے کہ وہ انکے پیچھے نہ چلیں بلکہ ان کے سامنے ڈٹ جائیں اور مقابلہ کریں۔ یاد رکھیں !اگر کسی غلط رواج کو مٹا کر اچھے رواج کو رائج کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ ایک صدقہ جاریہ ہوگا۔

مثلاً فرض کریں کہ اگر کسی نے کوئی امام بارگاہ بنائی، مسجد بنائی، تو اس کے بنانے والے کو اس وقت تک ثواب ملتا رہے گا جب تک اس میں عبادات ہوتی رہیں گی اگر ان صلواتوں کو ہی شمار کیا جائے جو امام بارگاہوں میں پڑھی جائیں گی تو ان کا ثواب اتنا بلند ہے کہ ایک آدمی ولادت سے لے کر موت تک مسلسل صلوات پڑھے تو اس کی پوری زندگی کی صلوات کا ثواب اتنا نہیں ہوسکتا جتنا عبادت گاہوں کی تعمیر کرنے کے سلسلے میں ملتا ہے۔ کیا ہوسکتا ہے کہ سارا ثواب مرحومین کی طرف چلا جائے اور شرکت کرنے والوں اور مجلس کرانے والوں کے پاس کچھ نہ بچے ؟ فرض کریں ایک مزدور سارے دن محنت کرتا ہے اور دن کے آخر میں جو سو روپے کماتا ہے اس میں سے کچھ امام بارگاہ میں ڈال دیتا ہے تو پھر وہ گھر کیا لے جائے گا ؟

لیکن وہ بزرگ و برتر اجود الاجودین اور اس کریم مطلق کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر تم اپنی عبادت کا ثواب کسی مرحوم کو بھیجنے کی نیت کرتے ہو تو وہ کریم گویا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں یہ ثواب اپنے خزانہ سے اس کو دوں گا تجھ سے چھیننے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیکی کو رائج کرنا اور اسے قائم کر دینا اس کیلئے سنجیدہ، سمجھدار، عقلمند اور صاحبان اثر و رسوخ کو متوجہ رہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص کسی بدی کا رواج ڈال جائے یعنی برا رواج ڈال جائے تو اس پر بوجھ پڑتا رہے گا ان تمام لوگوں کی برائی کا جو قیامت تک اس برائی پر عمل کرتے رہیں گے۔

امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے :

من سنّ سنّة حسنةً فله أجر من عمل بها الٰی یوم القیامة

و من سنّ سنّة سیئة فعلیه و زر من عمل بها الی یوم القیامة

ترجمہ : جو شخص ایک نیکی کی سنت قائم کرے (رواج دے) تو اس کو ان تمام لوگوں کے عمل کا اجر ملے گا جو قیامت تک اس نیکی پر عمل کریں گے اور جو شخص کسی برائی کی سنت قائم کرے (رواج دے) تو اس پر ان تمام لوگوں کے اعمال کا بوجھ ڈالا جائے گا جو قیامت تک اس برائی پر عمل کریں گے۔

اے کاش ! تو میرا شیعہ نہ ھوتا:

اے میرے دوستو !

شادیوں پر گانے بجانا، رقص و سرور کرنا، لوگوں کو خوش کرنا کیونکہ ہمارے جوان کی شادی ہے یہ برائی کا رواج ہے یا نیکی کا رواج ؟ شرم آنی چاہئے ایسے لوگوں کو سوچیں کہ اللہ نے بیٹا دیا ہے پھر اس بیٹے کو جوانی دی ہے اور بالآخر اس جوان کی عفت کو محفوظ رکھنے کیلئے خدا اپنی شریعت میں نکاح کو حلال بناتا ہے۔

رسول اعظمؐ پوری امت کے سامنے فرماتے ہیں :

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی......

نکاح مجھ نبی کی سنت ہے جو اس سے منہ موڑے گا اس کا مجھ محمد سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ (الحدیث)

تعلیم یافتہ لڑکوں اور لڑکیوں کو متوجہ ہونا چاہئے کہ مغرب کی ایک منحوس سوغات مشرق کی طرف لائی جا رہی ہے اور کفار کے معاشرے کا ایک منحوس تحفہ مسلم معاشرے میں لایا جا رہا ہے یعنی شادی سے نفرت کرنا اور اپنی زندگی کا طویل حصہ بغیر شادی کے گزارنا اور بڑھاپا سر پر

آنے لگے تو لوگوں کو دکھلانے کیلئے اور اپنے حرام پر پردہ ڈالنے کیلئے پھر حلال کا ادنیٰ سا سہارا لے لینا، یہ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ والی بات کسی شیطانی دماغ کی ایجاد تو ہوسکتی ہے حیدری مزاج میں یہ بات نہیں آسکتی اسلئے جو لوگ اپنی اولادوں کی شادیوں میں گانے، رقص و سرور، بے حیائی اور دیگر فضول رسومات کے ذریعے اپنی خوشی کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس نے خوشی دی کیا اس کا اس طرح شکریہ ادا کریں گے؟!

ہم کیوں اس اللہ کو بھول جاتے ہیں جس ذات نے ہمیں بیٹا دیا اور اس کو شباب دیا اور دوسری طرف ایک لڑکی کو پیدا کیا اور اس کو شباب بخشا، ہم کیوں اس رسول اللہؐ کو بھول جاتے ہیں جس نے نکاح کر کے سنّت حسنہ کی بنیاد رکھی آج تو موقع تھا کہ ہم خدا، رسول اور علیؑ کو راضی رکھتے اور ہم پردہ غیبت والے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے سامنے اپنا نامہ اعمال ایسا کر کے نہ بھیجتے کہ امام اسے دیکھ کر روتے ہوئے کہتے:

اے کاش! تو میرا شیعہ نہ ہوتا!؟

اے نوجوانو، تمہارے بزرگان:

اے نوجوانو! اگر تمہارے بزرگ غلط سنتوں کے عادی ہوچکے ہیں اور یہ ان کے دل و دماغ میں راسخ ہوچکی ہیں تو تم کوشش کرو اور کہو کہ میں اس وقت تک شادی نہیں کروں گا جب تک آپ حضرات اپنی اصلاح نہیں کریں گے! ہمارے اسی معاشرے میں ایسے صالح نوجوان بھی موجود ہیں جو اپنی برات والوں سے یہ کہہ کر واپس ہوگئے کہ ہم اس میں جانا نہیں چاہتے جس میں شیطان کا ناچ موجود ہو، جس کے نتیجے میں ان کے بزرگوں کو بالآخر توبہ کرنی پڑی اور نتیجتاً اس خاندان سے شیطان کی یہ رسم ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی اور اللہ کی رحمت اس خاندان پر برسنے لگی۔

رواج آل محمدؑ:

کچھ لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مولانا صاحب! جنازے میں بھی صلوات اور شادی کے وقت بھی صلوات!؟

تو ہم کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے انہیں موت کے وقت صلوات اور شادی کے وقت لعنت کی ضرورت ہے! یاد رکھئے یہ شادی خوشی کا آغاز ہے نہ کہ اختتام اگر ہم اسے خوشی کا آغاز سمجھتے ہیں تو ہمیں اس کیلئے بھی صلوات کی ضرورت ہے، باہمی حسن وسلوک کیلئے بھی صلوات کی ضرورت ہے، میاں بیوی کے درمیان باہمی محبت و ہم آہنگی کیلئے بھی صلوات کی ضرورت ہے۔

صاحب اولاد ہونے کیلئے اور اولاد پر رحمت برسنے کیلئے بھی صلوات کی ضرورت ہے وہ کون سی ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں محمد و آل محمد پر صلوات کی ضرورت نہ ہو؟ مجلس اور نمازیں ہمیں صلوات کا درس دیتی ہیں اس کا فیض گھر اور کاروبار ہر جگہ نصیب ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں نظر رکھنی چاہئے کہ کسی بے دین کی وجہ سے ہماری شادیوں میں غلط سنت شامل نہ ہو، کوئی ایسا جس کی غلط فکر اور مزاج کی وجہ سے شادیوں میں گانا، رقص، فضول خرچی، بے پردگی، بے حیائی شامل ہوگئی ہو تو اس غلط رواج کا راستہ روکیں، اہل بیت اطہارؑ کے رواج اور احکامات کے مطابق مراسم کو ادا کریں۔

کیا شادی والے دن سبھی عورتوں پر پردہ واجب ہوتا ہے یا اس دن خواتین کو مستثنیٰ کردیا ہے آج چونکہ وہ اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اس لئے پردہ وغیرہ ختم!؟

احکام پردہ قرآن کی نظر میں:

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے قرآن کی آیات پڑھیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی

اُلِاْرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ
النِّسَآءِ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْآ
اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(سورۃ النور، آیت ۳۱)

ترجمہ: اور باایمان عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی آنکھوں کو (ہوس آلودہ نگاہ) سے بند رکھیں اور اپنا دامن محفوظ رکھیں اور اپنی زینت (بناؤ سنگھار وغیرہ) کو آشکارا نہ ہونے دیں۔ سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈالیں (تاکہ گردن اور سینہ چھپا رہے) نیز اپنی زینت اور سنگھار ظاہر نہ کریں مگر ان (افراد) کیلئے:

(۱) اپنے شوہروں کیلئے (۲) اپنے آباؤ اجداد کیلئے (۳) اپنے شوہروں کے آباؤ اجداد کیلئے (۴) اپنے بیٹوں کے سامنے (۵) اپنے شوہروں کے بیٹوں کیلئے (۶) اپنے بھائیوں کیلئے (۷) اپنے بھائیوں کے بیٹوں کیلئے (۸) اپنی بہنوں کے بیٹوں کیلئے (۹) اپنی ہم مذہب عورتوں کیلئے (۱۰) اپنی مملوک کنیزوں کیلئے (۱۱) اپنے زیردست ایسے مردوں کیلئے جن کی شہوانی رغبت ختم ہو چکی ہو (۱۲) ایسے چھوٹے بچوں کیلئے جو عورتوں کے پوشیدہ امور کی تمیز نہیں رکھتے۔

اور اسطرح سے زمین پر پاؤں نہ ماریں کے چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے (پازیبوں کی جھنکار سنائی دے) اور سب اللہ کی طرف توبہ کریں تاکہ فلاح پا جاؤ۔

ان افراد کے علاوہ تمام مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

شادی میں کیونکہ خود کو زیادہ بناؤ سنگھار کیا جاتا ہے لہٰذا یاد رکھیں کہ سنگھار جتنا بڑھتا جائے گا اتنا پردہ بھی بڑھتا چلا جائے گا۔ اسلئے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو پردہ دار خواتین ہیں ان کو پردے کا لباس زینت والا نہیں بنانا چاہیئے اسی طرح جو چادر برائے پردہ ہے جسے خواتین اپنے بدن پر ڈالتی ہیں اس کو بھی زینت بخش نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ بعض اوقات پردے کیلئے وہ چادریں اور لباس استعمال کیا جاتا ہے جنہیں جاذب نظر ملبوسات سے تعبیر

کیا جاسکتا ہے اور اس لباس کی ساخت اور اس کا رنگ اور ڈیزائن خود زینت و آرائش کے زمرے میں آتا ہے اسلئے پردے کا کپڑا سادہ ہونا چاہیئے۔

نیکی کا رواج:

فقہِ قرآن کی اصل ترجمانی فقہ جعفریہ کرتی ہے اور جب سنت حسنہ یعنی نیکیوں کی سنت قائم ہوجائے گی تو جب تک یہ رائج رہے گی بانیان، شرکت کنندگان اور پڑھنے والوں کو ثواب ملتا رہے گا۔ ثواب کی کمائی کرنے کیلئے انسان کو توجہ کرنا چاہیئے اس کمائی کیلئے ایسے ایسے نسخے ہیں کہ کام تھوڑا اور کمائی زیادہ نیکی کم اور ثواب زیادہ اور دیرپا۔

نیکی کی بنیادیں ڈالیں اور برائیوں کی بنیادوں کو کاٹ ڈالیں اور جب کاٹ دیں گے تو گویا آپ نے اپنے لئے نیکی کا راستہ ہموار کرلیا کچھ رواجوں کا تعلق غم سے ہوتا ہے اور کچھ کا تعلق خوشی سے ہے خوشیوں اور غموں ہر دور میں فضول خرچی سے بچیئے۔ دکھلاوے سے بچیئے۔ خوشیوں میں فقط امیروں تک محدود نہ رہیں، غریبوں کو بھی کچھ پہنچانے کی کوشش کیجئے!

غموں میں بھی برادری تک محدود نہ رہیئے۔ غریبوں، مسکینوں اور لاچاروں کو بھی اپنی نیازوں اور خیراتوں میں شامل کرنے کی کوشش کیجئے تاکہ خدا ہمیں غریب پرور ہوتا ہوئے دیکھ کر خود گواہی دے کہ یہ شیعہ ان کا مرید ہے جن کا قصیدہ قرآن میں موجود ہے۔

ہمیں فقط مولا علیؑ کا نعرہ لگانا ہے یا ان جیسا مسکین پرور بھی بننا ہے! مگر یہاں پر کچھ لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ تو امامؑ ہیں، ان کا کردار صرف ان تک مختص ہے، وہی اس کو انجام دے سکتے ہیں ہم ایسے کہاں ہوسکتے ہیں! اسلئے لوگ اس کا نتیجہ یہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کیلئے ان کا کردار اور ہمارے لئے ہماری مرضیاں!؟

اگر آپ کو کسی نے یہ بتایا ہے تو وہ آپ کے دین کا بھی دشمن ہے اور مذہب و آخرت کا بھی دشمن ہے کیونکہ سیرت طیبہ محمد و آل محمدؐ ہی نقش راہ ہے وہی ہمارے لئے صراط مستقیم ہے جو کچھ انہوں نے کیا وہی ہمارے لئے ہدایت ہے ہم ان جیسے تو نہیں بن سکتے مگر ان

کی راہ پر اپنی بساط کی حد تک چل سکتے ہیں۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں :

اَعِینُونِي بِوَرَعٍ وَاجتِهَادٍ وَعِفَّةٍ وَسَدَادٍ (نهج البلاغه)

تم مجھ جیسے تو نہیں بن سکتے مگر کم از کم میرے راستے پر چلنے کی کوشش تو کرو پرہیزگاری اور جدوجہد کر کے میری مدد کرو۔ پاکدامنی اور مضبوط کردار کو اپناؤ۔ اگر کوئی کمی رہ گئی تو محشر میں ہاتھ پکڑ کر جنت تک پہنچانا میرا کام ہوگا۔ ہم تمھاری شفاعت کرنے والے ہیں۔

ولایت امیرالمومنین علیؑ اور تقویٰ

قرآن مشکل کشا:

قرآن حکیم کو نازل کرنے کا اصلی و حقیقی مقصد بنی آدمؑ کو ہدایت پہنچانا ہے اسلئے ہم تمام انسانوں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اللہ کے اس قرآن سے سب سے زیادہ جس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کریں وہ ہدایت ہونی چاہئے اور باقی برکتیں اور رحمتیں جن کا تعلق ہماری دنیا کے ساتھ ہے مثلاً رزق کی برکت، صحت و عافیت، انسان کیلئے شفاء، مصائب سے نجات، درد و الم کا علاج وغیرہ۔ دشمن چونکہ مختلف حیلے بہانوں سے بنی آدم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں سب سے زیادہ ناجائز وسیلہ جادو ہے۔

ان تمام چیزوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم موثر وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن ہی ہے جو انسان کے رزق کی وسعت کا وسیلہ، اس کی عمر کو زیادہ اور طویل کرنے کا وسیلہ ہے۔ قرآن انسان کو ہر قسم کی مشکل سے نجات دلانے میں موثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ سب حق اور سچ ہے لیکن یہ باتیں قرآن کے نزول کے ثانوی مقاصد تو ہوسکتے ہیں اولین مقصد نہیں ہوسکتے جیسا کہ وہ ہستیاں جن کو خدا نے مع القرآن بنایا: (علی مع القرآن و القرآن مع علی) ان ہستیوں کی تشریف آوری کا حقیقی و اصلی مقصد بھی بنی آدم کی ہدایت ہے اور باقی رہا دنیاوی درد و الم، دنیاوی دکھوں میں مشکل کشا ہونا تو اس مشکل کشائی میں شک کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا یہ مشکل کشائی حق ہے اور ہر لحاظ سے برحق ہے لیکن یہ بات راسخ العقیدہ انسان کو اپنے دل میں بٹھانی چاہئے کہ علیؑ ولی کی مدد کی ضرورت ہمیں ہدایت کیلئے اول نمبر پر ہے اور دنیاوی مشکل کشائی کیلئے دوسرے نمبر پر ہے۔

قرآن مشکل کشا در ہدایت:

وہ کون سا بنیادی نکتہ ہے جو اہل تشیع کو اہل تسنن سے ممتاز کرتا ہے۔ بیشک دنیا کی مشکلوں کی مشکل کشائی میں شیعہ بھی قرآن و اہل بیتؑ کو مانتے ہیں اور سنی البریلوی بھی اس

عقیدے کے قائل ہیں لیکن جب بات آتی ہے ہدایت، شریعت، حلال وحرام، اصول دین اور فروع دین کی اس زندگی کے گزرنے کے بعد آخرت والی فلاح اور کامیابی کی اور جو نسخہ موت کے بعد ابدی زندگی کا ضامنِ نجات ہے جس کو ہدایت کہتے ہیں ہم اہل تشیع کہتے ہیں کہ اس ہدایت میں بھی ہمارا کوئی مشکل کشا ہے تو علیؑ امیرالمومنین ہے اور قرآن مجید۔ اس سلسلے میں ہم کسی کے ساتھ کسی قسم کا سودا کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

آل محمد مشکل کشا برائے دین و دنیا:

ہم اصول دین و فروع دین میں آخرت کی نجات کے نسخہ میں مدد لیں گے تو اللہ کی کتاب سے لیں گے اور محمدؐ و آلؑ محمدؐ کی سنت و سیرت سے لیں گے اور اس میں رائی برابر بھی ملاوٹ کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

ہدایت چاہیے یا نہیں، اول نمبر پر یا دوم، ہدایت پہلے چاہیے یا دنیا؟

جو دنیا میں بھی کامیابی کی ضمانت دے اور آخرت میں بھی ہم اس کو امامؑ کہتے ہیں، وہ جو موت سے ادھر پیچھے کھڑا نہ رہ جائے اور رک نہ جائے بلکہ امام وہ ہے جو کہے کہ جو بھی میرے پیچھے رہے گا تو میں محشر میں بھی اس کا ہاتھ پکڑ لوں گا۔ پل صراط پر بھی تیری ضمانت دوں گا۔ اگر تو میرا تابعدار ہوگا تو محشر میں جس وقت دھوپ اور پیاس ہوگی میں لوائے حمد کے سائے تلے تیرے چین کا باعث بنوں گا۔ وہ ہمارا امام ہے۔

علیؑ مشکل کشا برائے دنیا:

ہم کیا فقط دولت، منصب اور برکات اور دنیا کیلئے علیؑ کے در کے گداگر ہیں، یہ اتنی بڑی گدا نہیں ہے کہ اس کیلئے علیؑ کو تکلیف دیں۔ اس کیلئے تو حبیب ابن مظاہرؓ ہی کافی ہیں اسلئے ہم کیوں خطرہ محسوس کرتے ہیں ہر طرف سے مادیت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دنیا کی فکر میں غرق ہیں، دنیا کیلئے جینے والے اور مرنے والے ہیں پوری زندگی کو دنیا کی معاشیات میں غرق کر دینا چاہتے ہیں حالانکہ ہم تو اس علیؑ کو مانتے ہیں جو فرماتے ہیں کہ

هیهات غُرِّیْ غیرِیْ . لاحاجة لی فیک .قد طَلَّقتُکِ ثلاثاً لا رَجعة فیها.

دنیا چلی جا میرے پاس سے کسی غیر کو دھوکہ دے میں نے تجھے تین طلاقیں دے دیں ہیں جس کے بعد رجوع کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

معلوم ہوا جو علیؑ والا ہوگا وہ دنیا کے دھوکے میں نہ آئے گا اور جو دنیا کے دھوکے میں آ گیا وہ علیؑ والا نہ ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیاوی ضروریات کے بغیر ہمارا گزارا نہیں لیکن دنیوی اشیاء کو اپنے لئے سمجھنا اور بات ہے اور خود کو دنیا کیلئے سمجھنا یہ بات اور ہے !جو اپنا سب کچھ دنیا کیلئے سمجھے اس نے دنیا سے دھوکا کھایا۔

خبردار ! دنیا دلکش، دل ربا اور دل فریب ہے دنیا شیطان کا جال ہے شیطان کی چال ہے بہترین کار، بہترین بنگلہ اور کوئی سی دنیاوی چیز انسان چاہتا ہے کہ یہ بھی میری ہو جائے۔ بنگلے کی آرزو بری بات نہیں، اگر آپ نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے بنگلہ بنایا ہے تو پھر آپ نے دنیا سے دھوکہ نہیں کھایا اور اگر شریعت کی حدود کو توڑ کر اور پامال کر کے آپ اس بنگلے کے مالک بننے چلے ہیں تو پھر علیؑ والے نہیں رہے بلکہ دنیا کے دھوکے میں آ گئے۔

قرآن ناطق:

آیئے ذرا قرآن کو پڑھئے، قرآن، قرآن صامت ہے اور علیؑ قرآن ناطق ہے۔ بعض سادہ لوح افراد قرآن ناطق کے معنی لیتے ہیں قرآن کو بولنے والا! جبکہ ایسا نہیں ہے۔

قرآن ناطق کے حقیقی معنی ہیں بولتا ہوا قرآن، جو صاحبان ادب ہیں اور اردو کے مفاہیم کو ذرا بہتر سمجھتے ہیں ہر وقت قرآن کو بولنا اور ہر بات میں قرآن پڑھنا یہ تو حضرت علیؑ حیدر کرار کی کنیز حضرت فضہ ؓ بھی کر لیتی تھیں۔

خداوند عالم نے اسلامی جمہوری ایران کے انقلاب کی کامیابی کے بعد ایک تحفہ چھوٹے

بچے کی شکل میں بنام سید محمد حسین طباطبائی دامت برکاتہ اس پندرہویں صدی میں ملت ایران کو دے دیا۔ عمر چار سال ہے اور حضرت فضہؓ کی طرح ہر بات پر قرآن پڑھتا ہے۔ پس قرآن بولنا اور ہے اور بولتا ہوا قرآن ہونا اور ہے۔ یعنی سراپا قرآن ہونا، چلے تو قرآن، رکے، دیکھے، بولے، جھکے، اٹھے، جنگ میں، صلح، تائید کرے، مذمت کرے، مخالفت کرے، گھر کے اندر، باہر ہو، تلوار نیام سے باہر یا نیام کے اندر ہو، وہ ہر حالت میں مجسم قرآن ہی ہے۔

انداز قرآن ناطق:

تیرہ سال تک حضرت عمار یاسرؓ جیسے مار کھاتے رہے، حضرت سمیہؓ شہید ہوتی رہیں، حضرت جعفر طیارؓ کارواں لے کر ہجرت حبشہ کریں اور لافتیٰ الاّ علیؑ خاموش بیٹھے رہیں تو اس کی خاموشی بھی قرآن، اگر تلواروں کے سائے تلے سوجائیں تو اس کی نیند بھی قرآن، میدان بدر میں نکلیں اور کسی کے بھائی، باپ، دادا، نانا، ماموں وغیرہ کو جہنم واصل کریں تو اس کا جہنم بھیجنا قرآن، ساٹھ سال کی عمر میں تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو، اور کہے: اے شام والو!

میرے ہاتھ میں وہی تلوار ہے جو خیبر و بدر میں تھی اور وہی بازو ہیں۔ نہ تلوار کی دھار کند ہوئی ہے اور نہ بازو کی طاقت کمزور ہوئی ہے تو یہ بھی قرآن، اس کی گھوڑیاں چلے تو قرآن، ان کی چنگاریاں نکلیں تو قرآن، ان کا غبار اٹھے تو قرآن۔ اس کو کہتے ہیں قرآن ناطق۔

قرآن ناطق محراب گریہ میں:

وہ جو مسجد و محراب میں ایسے روئے جیسے جوان ماں اپنے جوان بیٹے پر روئے تو اس کا رونا بھی قرآن اور اس کا بدن تلملائے خوف خدا سے تو اس کا تڑپنا بھی قرآن۔ اس کی ناموس روئے اور علیؑ خاموش رہ کر برداشت کرے تو اس کا صبر بھی قرآن۔ قرآن صامت ہو تو کہے: میں متقین کیلئے ہدایت اور وہ قرآن ناطق ہو تو رسول کہے کہ یہ متقین کا امام ہے۔ اب قرآن کس کیلئے ہدایت، متقیوں کیلئے، علیؑ کن کا امام .... متقین کا اور جنت کن کا حق............ متقین کا جبکہ ہم کیا ہیں ؟

متقی کون ؟

اے میرے دوست !

اتنا سمجھ لے، متقی وہ ہوتا ہے جس کے پیچھے ہم اپنی نماز کو جائز جانتے ہیں کیونکہ اب تک ہمارے معاشرے میں مصلائے امامت کی حرمت بحال ہے لیکن اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ جو حال ہماری قوم نے منبر کا کیا ہے وہ حال آہستہ آہستہ مسجد کے مصلائے امامت کا بھی کردیا جائے اور اس پر بھی اس قسم کی مصیبت لے آئیں گے کیونکہ جمعہ سے جمعہ ٹکرا رہا ہے اور نماز جمعہ کی شرائط اور اس کی روح سے لا پرواہی برتی جا رہی ہے۔

ہمارے لئے متقی بننا اختیاری ہے یا ضروری؟ موت سے پہلے متقی بننا ہے یا موت کے بعد؟

متقی وہ ہوتا ہے جس کے اندر اپنے خدا کے فرمان کی تابعداری ہو اور رسولؐ و آل رسولؑ کی تابعداری کا جذبہ اتنا راسخ ہوجائے کہ وہ گناہ کبیرہ کو بالکل انجام نہ دے اور گناہ صغیرہ بھی نہ کرے اور کبھی کبھی اس سے ہوجائے تو توبہ میں دیر نہ کرے!

علم و شعور:

جو گناہ کبیرہ کو جانتا ہی نہیں وہ اس سے بچے گا کیسے؟ پہلے علم و شعور چاہئے بعد میں عمل۔ اگر مجالس میں گناہ کبیرہ و صغیرہ کا تذکرہ ہونے لگے تو عام مزاج بن گیا ہے کہ لوگ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ خشک تقریر شروع ہوگئی ہے اسلئے چلنا چاہئے۔ یہ باتیں سخت ہیں مگر ہم جو محبّ علیؑ ہیں کیا صرف اسلئے محبّ علیؑ ہیں کہ نافرمانی خدا کا جواز ملے، جو لوگ اپنی تقریر کا تاثر یہ چھوڑ کر جاتے ہیں کہ جس نے آل محمدؐ کی محبت اپنالی ہے اسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس اور حج کی ضرورت نہیں!؟

تو کیا اسی کا نام مذہب اہل بیتؑ ہے؟

کیا اسلئے مصائب برداشت کئے ہیں دختر رسولؐ نے؟

کیا اسلیئے کربلا میں خاندان وگلستان زہراؑ لٹا ہے؟

تا کہ لوگوں کو اللہ، رسولؐ و آل رسولؐ کی نافرمانی کا جواز ملے۔ گناہوں پر جرأت ہونے لگے، اور اس طرح کی بحثیں ہوں جس سے لوگوں کو گناہ کرنے کی جرأت زیادہ ملے اور جو یہ بات کرے تو بس ایک رٹا رٹایا ہوا الزام ان پر لگادیا جاتا ہے کہ فلاں وہابی ہے دوسری طرف ہمارے عوام بھی مزیدار ہیں اور اس فتویٰ کو جلدی سے مان لیتے ہیں!

یاد رکھئے یہ بھی شیطان کی ایک چال ہے ان لوگوں سے دور کرنے کیلیئے جو اصلاح کرنا چاہتے ہیں جو راہ حق پر لانا چاہتے ہیں اور متقی بنانا چاہتے ہیں اگر علیؑ ہمیں اپنی امامت کے اندر قبول کرلیں تو جنت ہم سے محبت کرے گی اور جنت کی حوریں تڑپ رہی ہوں گی کہ ہمارا سردار آئے۔

جنت میں یاعلی یا علی کی صدا:

روایات میں ہے کہ جب جنت میں جنتی جائے گا تو جنت کے دروازے پر ایک گھنٹی لگی ہوگی جس سے آواز بلند ہوگی (یا علیؑ یا علیؑ) اس صدا یا گھنٹی میں ایسی تاثیر ہوگی کہ جس کے حق میں بجے گی جنت میں بیٹھی ہوئی حوروں اور غلمان کو پتہ چل جائے گا کہ ہمارا سردار آگیا ہے۔

آیئے ! حسنین کی رعایا بننے پر فخر کیجئے ! کیونکہ جو ان کی رعایا ہوگا وہ جنت میں ان پر فخر کرے گا اسلیئے تقویٰ سے دور نہ ہوں۔ تقوی ہمارے لئے ضروری ہے۔ اس کے بغیر گزارا نہیں ہے، دنیا میں تقویٰ کمایئے تا کہ لحد میں کام آئے۔

کوفے کا قبرستان:

علیؑ حیدر کرار قبر کے کنارے کھڑے ہیں اور کوفہ کا قبرستان ہے۔

اے وحشت ناک قبروں میں رہنے والو!

اے تنہائی، تاریک کوٹھریوں کے باسیو، اے مٹی پر سونے والو،

اے وحشت و تنہائی کے گھروں میں رہنے والو ! میں تمہیں بتانے آیا ہوں جو کچھ تم چھوڑ کر گئے تھے اس کے ساتھ کیا ہوا، اور جہاں تم گئے ہو اس کے بارے میں تم سے پوچھوں کہ تمہارے لئے کون سی چیز مفید رہی ؟

اے قبر والوں سنو !

جو بڑے بڑے مکان تم نے بنائے تھے ان میں دوسرے لوگ رہائش پذیر ہیں۔ جو اموال جمع کر کے چھوڑ گئے تھے وہ لوگوں نے آپس میں تقسیم کر لئے ہیں، جو ازواج اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے تھے وہ اپنے نئے گھروں میں آباد ہوگئیں، یہ ہے وہ کہانی جو تمہارے بعد یہاں پیش آئی۔

اب بتاؤ تمہارے لئے کون سے بات مفید رہی؟! اس کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : اگر ان اہل قبور کو اپنا پیغام سنانے کی اجازت ملتی تو تم ان کا جواب ضرور سنتے ، خیر میں علیؑ تمہیں بتاتا ہوں ،

﴿ جس بات نے موت کے بعد فائدہ بخشا ہے اس کا نام تقویٰ ہے ﴾

علی سے محبت و اطاعت:

قبروں والے جو جواب دیتے ہمیں اس پر زیادہ یقین آتا یا جس کی ٹھوکر سے مردے زندہ ہوتے ہیں وہ علیؑ بتادے اس پر زیادہ یقین ہونا چاہیئے ؟

تقویٰ کیلئے خدا، رسولؐ اور علیؑ کی ولایت کا اقرار کافی ہے یا کچھ کرنا بھی پڑتا ہے؟

زندگی کی ہر حرکت میں عقیدہ ولایت اور آخرت کا یقین اپنے عکس کے ساتھ نظر آنا چاہیئے۔ ہمارا کوئی ارادہ، اقدام اور فیصلہ ایسا ہونا چاہیئے جس کے اندر آخرت کی جھلک نظر آرہی ہو۔ ہم اپنے آئمہ ہدیٰؑ کے ایک ایک کردار کو دیکھتے جائیں تو ہمیں آخرت سورج کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئے گی۔

علیؑ والوں کو کچھ نہ کچھ تو نقش حیدر کرار پر چلنا چاہیئے اور ہمارے بڑے بڑے فیصلوں

میں ہمیں آخرت یاد نہ رہے حتیٰ کہ ہم اپنی رفیقہ حیات کے انتخاب کیلئے نکلیں اور ہم اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنا چاہیں کہ اس سے ہم نے نسل کو آگے بڑھانا ہے تو کیا وہاں بھی آخرت یاد رہنی چاہئے یا نہیں؟ اور اگر ہم کسی کو اپنے حلقہ ازدواج میں لے آئیں کیوں کہ اس کے پاس پیسہ زیادہ ہے! حُسن زیادہ ہے! تو ہمیں شرم آنی چاہئے۔ ازدواج کا مقصد جنسی جذبات کو ٹھنڈا کرنا نہیں ہونا ہے بلکہ اس کے ساتھ گہرا تعلق اولاد کا ہے اور جنت و جہنم کا بھی ہے۔

اگر آپ پیسے والے ہیں اسلئے جو چاہے کریں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ لیکن آج تو تھوڑی سی مہلت مل رہی ہے تم جتنے بھی بڑے ہو یہاں ہو مگر جب ان کے سامنے کھڑے ہو گے تو کوئی بھی تمہیں چھڑانے والا نہیں ہوگا! سوائے اس کے جس کو امام المتقینؑ کہتے ہیں اور امام المتقینؑ کہتے ہیں کہ تو متقی ہے تو میرا ہے، جب تک کہ تو تقویٰ کے سائے تلے نہیں آتا میں بھی تجھے اپنا غلام ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں!

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

(سورۃ بقرہ، آیت ۳)

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں پابندی سے پورے اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں۔

اسلئے اے دوست!

جو نماز کے پابند ہوتے ہیں انہی پر ہدایت نازل ہوتی ہے جتنی آپ نماز کی پابندی میں اضافہ کرتے جائیں گے اور مومن بالغیب بنتے جائیں گے، ہدایت مزید نازل ہوتی جائے گی۔ اللہ کے رزق کو بینکوں میں جمع کر کے خوش نہ ہو جائیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ تم میری راہ میں خرچ کرتے جاؤ۔ میری ہدایت تمہارے شامل حال ہوتی جائے گی۔ جتنا تم میری طرف بڑھو گے اسی قدر میں تمہاری طرف کرم نازل کرتا جاؤں گا۔ تم ایک قدم آگے بڑھو، میں دس قدم مہربانی

کروں گا اور اگر تم اسی حالت میں مر گئے اور میرا ملک الموت تمھارے پاس آ گیا تو وہ سلام کرے گا اور کہے گا:

جنت کی بشارت ہو چلیں جنت میں داخل ہو جائیں۔

رسول اکرمؐ کی حدیث میں ہے:

اَلاَ ومن مات علی حب آل محمد مات شهیدا، اَلاَ ومن مات علی حب آل محمد بشّره ملک الموت بالجنة ثم منکر و نکیر اَلاَ ومن مات علی حب آل محمد فتح له فی قبره بابان الی الجنة

جو محبت محمد و آل محمد میں مر رہا ہوتا ہے ملک الموت آتا ہے جنت کی خوشخبری لے کر، قبر میں جاتا ہے تو آتے ہیں منکر و نکیر اور جنت کی بشارت دیتے ہیں اور قبر میں جنت کی طرف دو دوازے کھل جاتے ہیں (اسلئے کہ سویا ہے محبّ علیؑ)

بس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محبّ علیؑ ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ بس اس کی زبان پر یا علیؑ ہو باقی عبادتیں، واجبات کی پابندی اور شریعت کے احکامات ضروری نہیں، وہ صحیح نہیں ہیں، محبت کو اطاعت و تابعداری سے جدا نہیں کرنا چاہیئے، محبت کو ہدایت و تقویٰ سے جدا نہیں کرنا چاہیئے، محبت کو امامت سے جدا نہیں کرنا چاہیئے اگر محبت حقیقی ہے تو اس کو جنت سے جدا نہیں کیا جاسکتا!

رسولؐ کی علمی و سیاسی وراثت

امانت قرآنی:

قرآن کے بارے میں امین ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کو ایسے ہی پیش کرو جیسے نازل کرنے والے نے نازل کیا ہے ایسا نہیں ہے جیسے ہم ہر بات کو دہراتے ہیں یا کوئی اور مصلحت پیش نظر ہوتی ہے۔ حضرت رسولؐ اکرم کی امانت ایک معجزہ ہے اس میں وہ کسی اور مصلحت کو سامنے نہیں رکھتے بس اس امر کی پابندی کرتے ہیں جس کا کلام ہے جیسے اس نے نازل کیا ہے، ویسے ہی امت تک پہنچایا ہے اس میں آپ جائزہ لیں یہ امانت کتنی سخت احتیاط کی متقاضی ہے ،اس امانت کو پورا کرنا کتنا سخت اور سنگین ہے! اسلئے کہ رسولؐ اعظم کی زبان تو ایک ہی ہے اور دنیا والوں کے سامنے دین پیش کرنا ہے، اللہ نے رسولؐ کو دو زبانیں تو نہیں دی ہیں کہ ایک زبان سے اپنا کلام اور دوسری سے خدا کا کلام پیش کرتے۔

رسولؐ اکرم اور علم الٰہی:

آپ کا دل ایک، سینہ ایک اور مخزن علم ایک ہے اسی خزانہ میں علم قرآن بھی آتا ہے اور وہ سارا علم بھی آتا ہے جو قرآن کا حصہ بن کر نہیں آیا۔ رسولؐ اکرم کا سینہ مخزن علم الٰہی ہے دینے والا دیتا ہے اور لینے والا لیتا ہے۔

وہ علم ہے کتنا ؟

کون ہے جو وزن کر سکے کہ کتنا ہے؟

اس کی مقدار اور اس کی وسعت، کیفیت کس قدر ہے؟

ہمارے ایمان کے مطابق یہ مقدار دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔علم کی مقدار دینے والا جس قدر چاہے دے دے۔ دینے والے اور لینے والے کے درمیان کیا فرق ہے؟

یہی کہ وہ رب العالمین ہے جو دے رہا ہے اور لینے والا رحمت العالمین ہے جو لے

رہا ہے۔

دینے والے کی پوزیشن کیا ہے اور لینے والے کی کیا ہے؟ یہاں ہم پر فرض یہ ہے کہ ہم شان توحید اور شانِ رسالت کو اس طرح محفوظ رکھیں کہ رسالت کی عظمت بھی برقرار رہے اور توحید کی شان بھی باقی رہے اور شرک بھی نہ ہونے پائے!

حامل وراثت:

مجلس عزاداری آل محمدؐ نے اپنے پورے تسلسل اور تقدس کے ساتھ مومنین کے عقیدۂ توحید کو ایسا تحفظ فراہم کیا ہے کہ دنیائے کائنات میں کروڑوں لاکھوں انسان جس دھوکے کا شکار ہیں کربلائے حسینؑ کا عاشق کبھی اس دھوکے کا شکار نہیں ہوسکتا۔ عقیدۂ توحید کے سلسلے میں شیعیانِ علیؑ سے شرک کا امکان نہیں ہونا چاہئے۔ وہ جانتے ہیں کہ لینے والے کبھی دینے والے کے برابر نہیں ہو سکتے۔

جب بات آئی رسولؐ اکرم کے بعد دین اسلام کے علم کے وارث کی، تو دین ہم نے کہاں سے لینا ہے اور رسولؐ کی اس وراثت کا حامل کون ہے؟ کس کی مخالفت کرنے والے کو دین کا ترجمان نہ سمجھیں اور کسی کی بات کو دین کا ترجمان سمجھیں؟ یہاں شیطان نے لوگوں کو بھٹکایا ہے، ہم نے لفظ خلافت اسلئے استعمال نہیں کیا کہ موضوع جب لفظ خلافت پر آتا ہے تو کچھ لوگ اس کو محدود کر دیتے ہیں رسولؐ کی صرف سیاسی وراثت تک!؟

رسولؐ کا سیاسی وارث کون؟

سیاسی وراثت سے مراد حکمرانی میں وارث ہونا ہے کہ رسول اکرمؐ کا سیاسی وارث کون ہے؟ یعنی رسولؐ اکرم نے حکومت تشکیل دی آپ کے بعد اس حکمرانی میں کون وارث ہے؟ مذہب جعفریہ کے نظریہ کے مطابق رسولؐ اکرم کے واحد وارث علیؑ ابن ابی طالب ہیں اس لحاظ سے کہ رسولؐ اکرم نے پالانوں کے منبر پر چڑھ کر خم غدیر میں علیؑ حیدر کرار کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا: میں جس جس کا مولا ہوں علیؑ اس اس کے مولا ہیں۔ من کنتُ مولاہ فھذا علیؑ مولاہ۔

حقیقت یہی ہے کہ امیر المومنین علیؑ ، رسولؐ اکرم کے ہر قسم کے اختیارات و کمالات کے وارث قرار پائے سوائے نبوت و رسالت کے، بعد از رسولؐ کچھ لوگ بیٹھے اور انھوں نے سقیفہ نبی ساعدہ میں ایک شخصیت کو منتخب کیا اور اُسے سیاسی وارث مان کر اس کی بیعت کی اور کہا کہ رسولؐ کی سیاسی وراثت کا مالک یہ شخص ہے اسلئے ہم اس کی بیعت کرتے ہیں!

اگر وہ شخص علمی وارث ہوتا اور وہ سارے علوم میں حضورؐ کا وارث ہوتا تو تاریخ میں ہمارے سامنے یہ واقعات رونما نہیں ہوتے کہ کہنے والے کو کہنا پڑتا ہے

لولا علی لهلک.......فلان........

اگر علیؑ نہ ہوتے تو وہ ہلاک ہو جاتا۔

اور اس حد تک کہنے والوں نے کہا کہ اللہ نہ کرے ایسا وقت آئے کہ کوئی مشکل آ جائے اور علیؑ اس کے حل کیلئے موجود نہ ہوں، ان کے جملے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ رسولؐ کی وراثت کا جو نورِ علم ہے وہ سوائے علیؑ کے کسی کے پاس موجود نہیں ہے البتہ جوں جوں صدیاں گذرتی گئیں ان بے علم شخصیات کے چاہنے والے ان کے مصنوعی قد کو بڑھانے کیلئے جعلی فضائل گھڑتے رہے اور لوگ یہاں تک چلے گئے کہ رسولؐ کے بعد فضیلت کی ترتیب بھی اسی طرح قرار دے دی جس طرح خلافت کی ترتیب ہے۔

جبکہ فضیلت کا دارو مدار علم پر ہوتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے کہ:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ (سورة الزمر آیت ۹)

کیا جاننے والے اور نا جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

اب اگر وہ خود فرمائیں کہ ہم علیؑ کے ساتھ علم میں برابری نہیں کر سکتے تو افضل کیسے؟

اور مخفی نہیں کہ سلونی سلونی کا دعویٰ امیر المومنینؑ کے ساتھ اس طرح مختص ہو گیا کہ

اگر کبھی کسی نے سر اٹھا کر سلونی کا دعویٰ کرنے کی کوشش کی تو ایک عورت نے اس کا وہ حال کردیا کہ سوائے اسکے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنا سلونی کا دعویٰ اپنی جیب میں ڈالے اور تشریف لے جائے اور کائنات میں ثابت ہو جائے کہ سلونی کا دعویٰ اگر سجتا ہے تو فقط رسولؐ کے علم کے وارث علیؑ کو سجتا ہے۔

سیاسی وراثت یعنی حکومت:

علم رسولؐ کی وراثت علیؑ حیدر کرار کے پاس ہے اور اس دور میں جہاں تک اختیارات حکومت کا مسئلہ ہے تو سیاسی وراثت یعنی حکومت ،اس میں انصاف اور حق یہی ہے کہ وہ بھی علیؑ کا حق تھا۔ رسولؐ اکرم نے اپنی خلافت و حکومت اور علمی وراثت کو تقسیم نہیں کیا تھا کہ کسی کو علم کی وراثت دے دی اور کسی کو حکومت کی آپ نے تو سارے اختیارات اور سارے کمالات علیؑ کو دیئے تھے۔ لیکن امت کے ایک مخصوص گروہ نے حکومت کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور عوام پر اپنی حکومت کو مسلّط کرنے کیلیۓ اقدامات کئے اور چونکہ حکومت اس کی بن جاتی ہے جس کا حکم عوام تسلیم کرنے لگ جائیں خواہ وہ حق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

مدینہ منورہ کے عوام پر جب اس امتحان کا وقت آیا تو انھوں نے رسول اکرمؐ کے بعد علی علیہ السلام کا حکم تسلیم کرنے کی بجائے کسی اور کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ علیؑ امیرالمومنین، رسولؐ اکرم کی تدفین میں مصروف رہے۔ لوگوں نے کسی اور کی بیعت کر لی۔ حکومت کے اختیارات اس نے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ جب علیؑ تدفین حضورؐ سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ حکومت پر تو کوئی اور براجمان ہو گیا ہے اور لوگوں نے بھی اس کو مان لیا ہے! تو آپ نے احتجاج کیا اور روشن کیا کہ رسولؐ اکرم نے تو مجھے یہ حق دیا تھا اور عوام پر اور اس بیعت لینے والے پر بھی فرض تھا کہ وہ میری بیعت کریں اور میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

لیکن ان سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اسکے برعکس علیؑ سے بیعت کا مطالبہ کرنے لگے جس سے آپ نے انکار کر دیا اور خانہ نشین ہو گئے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو اور اسلام اپنے

آغاز میں ہی ناکام نہ ہو جائے۔

پس اس طرح سیاسی وراثت یعنی حکومت تو چھین لی گئی لیکن علمی وراثت ایسی شئے نہ تھی جس کو اس طرح لیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ان کو بھی علمی مشکل پیش آتی تو علیؑ کے سامنے سر جھکانا پڑھتا اور علیؑ بھی ایسے سخی اور مشکل کشا تھے کہ مشکل کو حل کر دیتے تاکہ دینِ اسلام اور شریعت کے احکام زندہ رہیں اور عوام الناس اس سے محروم نہ ہونے پائیں۔

لیکن واضح ہے کہ حکمرانی تو تب تک رہتی ہے جب تک حکمران رہتا ہے۔ لیکن علم تو عالم کے چلے جانے سے ختم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے آج کے دور میں بھی ہمیں ان حکمرانوں کے اختیارات اور ان کے سیاسی احکام ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ہمیں دین اسلام کے احکام کے ترجمان اور ان کے علوم کے وارثوں کی ضرورت اسی طرح لاحق ہے جس طرح اُس دور کے عوام کو لاحق تھی۔

یہی وجہ ہے ہمارے لئے آج ان کی سیاسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں ! کوئی جتنے بھی آڈر جاری کرتا رہا تھا اور اپنے مقام پر سیاسی وارث بن گیا تھا لیکن اس کو رسولؐ کے دین کی ترجمانی اور رسولؐ کے دین کی قائم مقامی کا نہ اس وقت حق حاصل تھا اور نہ اب ہے کیونکہ علیؑ حیدر کرار کو یہ سارے اختیارات حاصل تھے اور وہی رسولؐ کی شریعت کے صحیح ترجمان ہیں اسلئے علیؑ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ اس دور کی امت کیلئے بھی فرض تھا اور آج کے دور کی امت کیلئے بھی۔

یہ اللہ کا حکم ہے جس کے تحت علیؑ اس حق پر فائز ہیں کہ وہ رسولؐ کے علم کے وارث ہیں اور جو کچھ رسولؐ کے سینے میں تھا علیؑ کی طرف منتقل ہو گیا اور یہ کہ کیا علیؑ کے علاوہ رسولؐ کا علم کسی کی طرف منتقل ہو بھی سکتا تھا یا نہیں ؟

انتقالِ علم:

تو علم کا منتقل ہونا ایک ایسا ظرف مانگتا ہے جو فقط علم ہی کیلئے ہوتا ہے کسی اور بات کیلئے نہیں!

علم کا انتقال اور مال و جائداد کا انتقال ایک جیسا نہیں ہوتا

کیونکہ علم کی رجسٹری نہیں ہے کہ پٹواری تحصیل دار نے لکھ دیا تو فلاں کا ہو گیا علم کا انتقال رجسٹریوں سے نہیں ہوتا، علم کا انتقال تحصیل داروں کی مہروں سے نہیں ہوتا، علم کا انتقال اہلیت و صلاحیت مانگتا ہے، علم کا انتقال ظرف مانگتا ہے، ظرف ہو گا تو منتقل ہو گا اگر ظرف میں علم لینے کی صلاحیت نہیں ہے تو دینے والا اس ظرف میں علم ڈال ہی نہیں سکے گا۔

علم دینے والے کو پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ لینے والے میں اہلیت ہے یا نہیں؟ مثلاً علم طب اس ظرف کو نہیں دیا جا سکتا جس میں اس کی اہلیت نہ ہو، تو کیا علم دین اس قدر معمولی ہے کہ ہر کس و ناکس تک منتقل کر دیا جائے؟! ہمیں دیکھنا یہ ہو گا اللہ نے جیسا ظرف رسولؐ کا بنایا تھا ایسا ہی کسی اور کا بنایا تو رسولؐ اس کی طرف سارا علم منتقل کر سکیں گے اور وہ لے سکے گا اور جن بے چاروں کو چالیس سال تک ایک سورۃ کے الفاظ یاد نہ ہو سکیں وہ کیسے سارے علم رسولؐ کے وارث بن سکتے ہیں؟

یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے ۔مال منتقل کرنا پھر بھی آسان ہے، زمین و جاگیر منتقل کرنا پھر بھی آسان ہے، ناخواندہ شخص کو بھی جائدادیں منتقل کر دی جاتی ہیں اور جب انتقال وراثت کا عمل ہو رہا ہوتا ہے تو کسی تحصیل دار یا کسی اسمبلی نے یہ شرط نہیں لگائی ہوتی ہے کہ باپ کی زمین کی جاگیر منتقل ہونے کیلئے بیٹے کو میٹرک پاس ہونا چاہئے۔

ایک ہے مال کا انتقال اور دوسرا ہے علم کا انتقال، علم کے انتقال کے قوانین کچھ اور ہیں مال کے انتقال کے قوانین کچھ اور ہیں مال اگر منتقل کرنا چاہو تو پاگل، دیوانے اور نابالغ کو بھی منتقل کر دو لیکن علم کیلئے اہلیت چاہئے۔

علم لینے کا ظرف:

اسلئے جس کا جتنا ظرف تھا اتنا اتنا رسولؐ اس کو دے گئے لیکن ظرف والے کے پاس ہو گلاس اور دینے والے کے پاس بھرا ہوا دودھ کا جگ، تو دینے والا کتنا ڈالے گا ؟ جتنا جگ میں

ہے یا گلاس میں؟ دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ اتنا ہی ڈالے جتنا لینے والے کا ظرف ہے اور وہ پورا جگ انڈیل دے تو دینے والے کا قصو مانا جائے گا۔

پس رسولؐ اکرم کیا کریں ان گلاس والون کو اپنے علم کی ساری کائنات دے دیں جس علم کے متعلق روایات میں اس حد تک ہے کہ کائنات کا سارا علم اکٹھا کر کے محمدؐ و آل محمدؐ کے علم کے مقابلے میں رکھا جائے تو ساری دنیا کا مجموعی علم ان کے علم کے مقابلے میں ایسے ہو گا جیسے ایک قطرہ ہوتا ہے سات سمندروں کے مقابلے میں۔

حضرت موسیٰؑ، حضرت خضرؑ اور جبریلؑ:

جب حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے درمیان علم کی کمی و بیشی کا موازنہ ہورہا تھا اور دونوں بزرگ قرآنی واقعات کے مطابق فارغ ہو گئے اور وہ سارے حقائق حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے روشن کر دیئے میں نے کشتی میں سوراخ کیوں کیا؟ میں نے بچے کو کیوں مارا؟ گرتی ہوئی دیوار کی تعمیر کیوں کی؟ اور جب فارغ ہوئے تو ان دونوں بزرگوں نے ایک کرشمہ دیکھا۔

ایک پرندہ اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ بھر کر کبھی مشرق و مغرب، کبھی شمال و جنوب، کبھی آسمان اور کبھی سمندر کی طرف پھینکتا ہے اور اس وقت حسب معمول حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے پوچھا تھا یہ بھی تو فرمایئے کہ یہ پرندہ کیا کر رہا ہے؟ حضرت خضرؑ نے لاعلمی کا اظہار کیا اللہ نے جبریلؑ کو ایک چرواہے کی شکل میں بھیجا تھا کہ جاؤ ان کے سامنے اس حقیقت کو منکشف کرو، چرواہے نے پوچھا کیا بحث کر رہے ہیں؟ تو انھوں نے اس کے اصرار کرنے پر سوال کو بیان کر دیا کہ اس پرندے کے اس عمل کی حقیقت کیا ہے؟

جبرائیلؑ نے کہا کہ نہ وہ پرندہ ہے اور نہ میں چرواہا وہ فرشتہ ہے اور میں جبرائیلؑ، اللہ نے اس کو پرندہ بنا کر بھیجا ہے کہ جاؤ اور اس حرکت کو انجام دو، اور مجھے بھیجا ہے کہ تمھارے سامنے اس حقیقت کو بیاں کروں کہ اس پرندہ نے جو قطرے چاروں طرف پھینکے ہیں یہ ہمیں

متوجہ کر رہا ہے کہ کائنات میں جتنا بھی علم تقسیم ہو چکا ہے اس سارے کو اکھٹا کر کے اگر اس علم کی طرف نسبت دینا چاہو جو محمدؐ و آل محمدؑ کیلئے ہے تو یہ علم ایسا ہے جیسے یہ چار قطرے سمندر سے نسبت رکھتے ہیں!!

علم کی تقسیم کا فارمولا:

اتنے بڑے علم کا حامل ہو رسولؑ، تو مثال کے طور پر اگر تمام لوگوں کے پاس ایک ایک گلاس ہو اور ایک آدمی دودھ تقسیم کر رہا ہو اور آپ میں سے ہر ایک کا گلاس بھرنا چاہے تو اس کے پاس کتنا دودھ ہونا چاہئے اگر پانچ سو افراد ہیں تو پانچ سو گلاسوں کے برابر اس کے پاس دودھ ہونا چاہئے تو ہر ایک کا ایک ایک گلاس بھرے گا لیکن علم کی تقسیم میں ایسا نہیں ہے پانچ سو گلاس اپنے علم سے نکال کر دوسرے کے گلاسوں میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے وہ عالم اپنے علم سے فقط ایک گلاس جتنا علم نکالے گا اور آپ پانچ لاکھ ہیں تو سب کے گلاس بھر دے گا۔ معلوم ہوا کہ علم کی تقسیم اور مال کا فارمولا جدا گانہ ہے۔

کوئی بھی عالمِ دین آپ کے سامنے بیٹھے وہ ایک گھنٹہ پڑھے گا اور وہ سارا علم آپ سب کے پاس آ جائے گا چاہے آپ پانچ سو ہی کیوں نہ ہوں آپ اپنا اپنا ظرف بھر کر چلے گئے اس عالم دین کا کتنا علم خرچ ہوا اس نے اپنے علم میں سے ایک گھنٹہ نکالا اور آپ سب کے گھنٹوں کو بھر دیا، کیا خود خالی ہو کر چلا گیا؟ یا وہ علم بھی ساتھ لے کر چلا گیا باالفاظ دیگر اس نے اپنے علم میں ایک گلاس جتنا علم نکالا آپ کے ہر گلاس میں ڈال دیا تو اس کا گلاس خالی نہیں ہوا! اگر اس کو آزمانا ہے تو جو کچھ سن کر جاتے ہیں اس کو گھر جا کر بیان کریں اور گھر والوں کے سامنے بیان کرنے کے بعد جائزہ لیں کہ وہ علم آپ کے پاس پختہ ہوا یا نہیں؟ ہاں اگر اس کو آگے نہ سنائیں تو وہ آہستہ آہستہ زائل ہوتا جائے گا۔

علم افضل یا مال:

علم کا فلسفہ اور اصول کچھ اور ہے مال کے اصول کچھ اور ہیں اور جب علیؑ امیر المومنین

سے پوچھا گیا تھا کہ علم افضل ہے یا مال تو مولاؑ نے بار بار علم کو افضل کہا اور کوئی دلیل پوچھتا تھا تو ایک ایک نئی دلیل بیان کرتے تھے اور ان میں ایک دلیل یہ ہے کہ علم اسلئے افضل ہے کہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔

انتقالِ علم رسول:

اب بات ہے رسولؐ کے سارے علم کی، اگر دیں تو کیسے دیں؟ اپنے ظرف جتنا کسی کا ظرف ہو تو اس کو دیں، باقی سارے گلاسوں والے ہیں، وسیع ظرف والے نہیں ہیں! اسلئے اللہ نے رسول کو علیؑ حیدر کرار جیسا وارث عطا فرمایا اور علیؑ کو اتنا ظرف عطا فرمایا جتنا رسول کا تھا اور یہی وجہ ہے کبھی کبھی رسولؐ اکرم علیؑ کو اپنے پاس بلاتے تھے باقی سب کو ہٹا دیتے تھے! اور تنہائی میں علیؑ کو علم دیتے تھے بعض اوقات حکم خدا کے مطابق رسولؐ اکرم سے خلوت میں ملنے کیلئے صدقہ دینے کی شرط عائد کر دی تو اس سے بھی علیؑ استفادہ کرتے اور ہر روز ایک درہم صدقہ دے کر رسول اکرمؐ سے مناجات اور خلوت میں بیٹھ کر علم کی خیرات حاصل کرتے۔

اسی طرح جب رسولؐ کا وقت وفات قریب تھا تو رسولؐ بار بار کہتے تھے بلاؤ میرے بھائی کو، حضرت ام سلمہؓ نے علیؑ کو رسول کا پیغام بھیجا علیؑ رسولؐ کے پاس آئے اور رسولؐ نے انھیں سینے سے لگایا اور علیؑ کے کان پر اپنے لب رکھے بہت دیر تک آہستہ انداز سے گفتگو کرتے رہے اور علیؑ خوب توجہ سے سنتے رہے اور جب فارغ ہوئے تو پوچھنے والوں نے علیؑ سے پوچھا یا علیؑ رسولؐ نے آپ کو کیا کہا!

تو علی علیہ السلام نے فرمایا۔

رسولؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم دیئے ہیں اور ہر باب سے ہزار باب کھلتے ہیں۔

اسلئے یہ مفاہیم سادے نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس اسکی تہہ تک چلا جائے علیؑ کبھی کہہ دیتے ہیں اگر میں بسم اللہ کی تفسیر کرنا چاہوں تو ستر اونٹ لد سکتے ہیں یعنی اتنی تحریر بنے گی کہ ستر اونٹوں کا بار بن جائے گا۔

حقانیت آل محمدؑ:

محمدؐ و آلؑ محمدؐ نے اپنی حقانیت کو قرآنی آیات کے ذریعہ ثابت کیا ہے جو رسولؐ اکرم پر قرآن نازل ہوا ہے اور آج چودہ سو برس بعد آپ بھی اپنی زندگی میں علماء کے پاس بیٹھتے ہیں تقاریر آپ سنتے ہیں الٰہی قرآنی آیات کے ذریعہ حقانیت آل محمد کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اسلئے ہمیں قرآن کریم کی حقانیت اور تحریف سے محفوظ ہونے کے سلسلے میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں دینی چاہئے ہمارے ہاں کم علم لوگ اس قسم کی بات کرتے ہیں تو وہ ان کی اپنی بات ہو گی اس کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے، مذہب اپنے مقام پر محفوظ و مضبوط ہے اور اگر کسی کی اپنی بات کمزور ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

مراسم عزاداری:

اسی طرح عزاداری کے مراسم میں بھی کوئی ناجائز بات داخل نہ کرے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو عزاداری اس کی ذمہ دار نہیں وہ شخص خود ذمہ دار ہے خدا نہ کرے کوئی عزادار بھی ہو اور جلوس میں بھی ہو اور کوئی حرام کام کرے اپنی آنکھوں، زبان، یا ہاتھ سے کوئی ناجائز اقدام کرے جس کو شریعتِ مصطفیٰؐ نے ناجائز قرار دیا ہے تو ایسا شخص خود اس کا ذمہ دار ہے جلوس اس کا ذمہ دار نہیں! عزاداری، پاکیزہ ہستیوں کی عزاداری ہے اس پاکیزہ عزاداری میں کوئی شخص داخل ہو کر کوئی غلطی کرے تو وہ شخص غلط ہے ،عزاداری صحیح ہے۔

اسی طرح منبر کا مسئلہ ہے کہ اگر منبر پر کوئی غلط بیان دے کر جاتا ہے تو وہ شخص غلط ہے، منبر و مذہب غلط نہیں ۔اسلئے ہمیں ان نکات کو روشن رکھنا چاہئے جہاں یہ بات اپنے مقام پر صحیح ہے کہ ماننے والے غلط ہوں گے تو غیر یہ الزام دین پر لگاتے ہیں مسلمانوں کی غلطیاں غیر مسلموں کے نزدیک اسلام کے بدنام ہونے کا باعث بنتی ہیں۔

مثلاً :مسلمان اسی طرح شراب پینے لگ جائیں جس طرح غیر مسلم پیتے ہیں تو غیر مسلموں کو یہ نظر آئے گا کہ اسلام میں شراب نوشی جائز ہے ! کیونکہ اُن بے چاروں کو کیا معلوم

کہ اسلام کیا درس دیتا ہے اور یہ بدبخت مسلمان کیا کر رہا ہے ؟!وہ مسلمان کو دیکھ کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح غیر شیعہ افراد بھی شیعہ کے عمل و اقدامات کو دیکھ کر مذہب اہل بیتؑ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا ہم شیعہ حضرات کو ان الزامات سے پاک رہنا چاہئے کیوں کہ ہمارا مذہب پاک ہے اگر ہمارے اقدامات کی وجہ سے آل محمدؐ کے مذہب پر حرف آیا تو یہ معمولی جرم نہ ہوگا بالخصوص ان معاملات میں زیادہ محتاط رہنا چاہئے جن کے ذریعہ غیروں کے سامنے ہمارے مذہب کا اظہار ہوتا ہے ۔جیسے مجلس، جلوس، ماتم، محافل، مشاعرے، مرثیئے، نوحے وغیرہ۔

سفیران حسینیت:

کچھ ہمارے اقدامات ہیں جن کو ہم چار دیواری کے اندر انجام دیتے ہیں لیکن کچھ ایسے مذہبی امور و اقدامات ہیں جو لوگوں کے سامنے انجام دیتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے ہیں کہ آؤ آؤ اس مذہب کی طرف گویا لوگوں کو ہم دعوت دے رہے ہوتے ہیں ۔

اب ذرا سوچ کر بتائیے کہ وہ کون سا امر ہے جو دیگر مذہب والوں کے سامنے ہمارے مذہب کی ترجمانی کرتا ہے ؟ تو جلوس، ماتم داری جو نکالتے ہیں اور جارہے ہوتے ہیں لوگوں کے سامنے، تو اپیل کررہے ہوتے ہیں آؤ مذہب کربلا کی طرف اور پھر ہمارے اقدامات کو وہ دیکھتے ہیں تو وہ اسی کو حسینیت سمجھتے ہیں کیونکہ آپ اس وقت حسینیت کے سفیر بن کر نکلے ہیں اور لوگوں کے سامنے نکل کر ظاہر کر دیا ہے کہ یہ ہے ہمارا مذہب ۔ اب حقیقت میں مذہب کچھ اور ہو اور ہم کچھ اور کر رہے ہوں تو ان کو غلط فہمی میں کس نے ڈالا ؟ اس کا موجب کون بنا؟

اے جلوس میں شامل ہونے والے نوحہ خواں، ماتم دار، بزرگ، جوان !

آپکو چاہئے کہ جلوس میں ایسا بن کر جائیں کہ جیسا حسینؑ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں اگر آپ کی کوئی کمزوری ہے بھی، تو اس ماحول میں سامنے نہ لایئے اسلئے کہ آج ہماری کمزوری مذہب کے آئینہ میں دیکھی جائے گی۔

بس ہمارا جلوس کیسا ہونا چاہئے............؟ انتہائی توجہ کے لائق نکتہ ہے۔

ہمارا ایمان ہے جلوس عزاء ایک مبلغ حسینیت ہے ۔اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اے حسینیت کے ترجمان ! تجھے یہ ایسی سعادت حاصل ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہے؟ دوسروں نے آپ سے جلوس نکالنا سیکھا ہے ، اگر شیطان بھٹکائے اور ہماری کمزوریوں کو مذہب بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرے تو اس سے بچیں اور اپنی اس تبلیغی عبادت کو خالص رکھنے کی کوشش کریں۔ ہم نہیں تقاضہ کرتے کہ آپ معصوم بن جائیں اور نہ بن سکتے ہیں لیکن کچھ دیر کیلئے اپنی کمزوریوں کو چھپا تو سکتے ہیں اور کچھ دیر کیلئے حسینیت کے سچے پیغام بر تو بن سکتے ہیں اسلئے کہ ہماری آنکھوں کی پوزیشن، ہاتھوں ، لباس ، پیغام ، منظوم کلام ، چاہے وہ نوحے کی شکل میں ہو یا مرثیہ کی شکل میں، یہاں تک کے آپ کا اپنی نظروں کا اٹھانا اور جھکانا ایسا ہونا چاہئے جیسے محمدؐ و آل محمدؐ کا مذہب آپ کو تعلیم دیتا ہے اس میں کوئی شک نہیں جتنے اہل بیتؑ پاک و پاکیزہ ہیں مذہب اہل بیتؑ بھی اتنا ہی پاک ہے۔

خدا نے انھیں صاحب تطہیر اس لئے بنایا ہے کہ جو کچھ ان سے سیکھا جائے اس میں کجی و انحراف نہ ہو، جہاں اہل بیتؑ کی زبان مبلغ دین ہے، وہاں ان کی ہر حرکت و ان کا ہر سکون بھی مبلغ دین ہے ۔ احادیث نقل کرنے والوں نے فقط زبانی کلمات کو نقل نہیں کیا بلکہ یہ بھی لکھا کہ وہ کھاتے کیسے تھے اور پیتے کیسے تھے وغیرہ وغیرہ۔

قلب میں محبت حسینؑ ہو تو جذبہ شہادت پروان پاتا ھے

احسان شماری:

خداوند عالم کا انسان پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے رسولوں کو دین و ہدایت دے کر روانہ فرمایا اور کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ نعمات الٰہی کو گننے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

خداوندا عالم نے فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورة ابراهیم، آیت ۳۴)

اگرتم سب مل کر بھی میری نعمتوں کو گننے کی کوشش کروتو تمہاری قوت شمار ختم ہوسکتی ہے مگر میرے احسانات کو گننے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

کائنات اللہ کے احسانات سے بھری ہوئی ہے زندگی، رزق و بخت جس کیلئے انسان ہر وقت محنت کرتا ہے وہ انہی نعمات میں سے ہے ان نعمات خداوندی کو اکھٹے کرنے کا نام ہی کسب معاش ہے۔ زندگی ختم ہوجاتی ہے مگر نعمات الٰہی کا اختتام نہیں ہوتا۔ بکھرے ہوئے رزق، منصب، جائداد اور دیگر نعمات خداوندی کے حصول کیلئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اب قابل غور نکتہ یہ ہے کہ یہ امور بڑے احسانات و نعمات ہیں یا ہدایت اور دین حق بڑا احسان ہے جو رسولوں کے ذریعے خدا نے بھیجا ہے۔ یعنی ان دنیوی نعمتوں اور دین والی نعمت، ان دو میں سے ہمارے لئے بڑی نعمت کون سی ہے؟ تو ہمارا ایمان یہ ہے کہ دین حق بڑی نعمت ہے اور اسی نعمت کی بقاء کیلئے کربلا والی قربانی پیش کی گئی ہے۔

کربلا سے ایمانی رشتہ:

یہی فخر ہے ہم کربلا والوں کو کیونکہ ہم جب کربلا کے نام پر جمع ہوتے ہیں عزاداری کرتے ہیں تو لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں، مارتے ہیں، لوگ ہمارے خلاف منصوبے بناتے ہیں اور وہ بین الاقوامی سازشوں کا جال بن کر ہماری عزاداری کے خلاف محاذ کھڑا کرتے ہیں اور وہ

اپنے دوستوں کو جمع کر کے کربلا کے ماننے والوں کو گولیوں اور گالیوں کا نشانہ بناتے ہیں مگر ہمیں ہر گالی و گولی قبول ہے کربلا کو چھوڑنا قبول نہیں ہے۔

کربلا سے ہمارا لگاؤ ہمارے ایمان کا دوسرا نام ہے اور اس سے ہماری محبت ہمارے ایمان کے مساوی ہے۔ کربلا کے بغیر ایمان ناقص ہوتا ہے اور انسان بے قدر و قیمت ہوتا ہے اسلئے قابل فخر ہیں وہ زندگیاں جو کربلا میں قربان ہوئیں یا کربلا کے راستے پر قربان ہوئیں۔ قابل عزت و افتخار ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں کو کربلا کے راستے پر قربان کیا۔

اقسام شہادت:

اگرچہ شہادت دو قسم کی ہوتی ہے ایک یہ کہ مارنے والا آتا ہے اور مار کر چلا جاتا ہے۔ شہید اپنے ارادے سے نہیں گیا ہوتا۔ بہرحال کربلا کیلئے مارا جاتا ہے۔ دوسرا وہ شہید ہوتا ہے جو خود اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے اور جان دینے کے قصد سے جاتا ہے اور جو اس مقصد کیلئے جاتا ہے وہ تو علیؑ اکبر والا شہید ہے۔ وہ تو شہدائے کربلا کے نقش قدم پر چلنے والا ہے۔

شب عاشور امام حسینؑ اپنے اصحاب کی گردن سے بیعت کو اتار لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اشقیاء میرے دشمن ہیں اسلئے تم چاہو تو میرے اہل بیتؑ کا دامن پکڑلو اور لے جاؤ مگر وہ قیمتی ایمان والے لوگ تھے جنہوں نے کہا تھا آپ کے بغیر زندگی کا کوئی فائدہ نہیں۔

جذبہ کربلائی:

یہ وہ جذبہ شہادت ہے جو اس شخص کے سینے میں بیدار ہوتا ہے جو زندگی کو اتنا قیمتی نہیں سمجھتا جتنا دین کو قیمتی سمجھتا ہے۔ یہ جذبہ فقط اس دور میں نہیں ہے بلکہ یہ جذبہ وراثتاً بھی منتقل ہو رہا ہے، ایماناً بھی منتقل ہوتا ہے۔ اسلئے ہم ان لوگوں کو داد و تحسین پیش کرتے ہیں جو اپنے قلب میں اس جذبے کو محسوس کرتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو وہ اس امتحان پر پورے اترتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ دین کے نام پر سب کچھ قربان ہے۔

اگر آپ اسے کہیں کہ یہ دین کے نام پر قربانی ہے یا حسینؑ کے نام پر، رسولؐ و علی

ؑ کے نام پر، محمد و آل محمدؐ کے نام پر قربان، قرآن کے نام پر اور زینب کبریٰؑ و عباسؑ باوفا کے نام پر قربان ہے تو بات ایک ہے یا کہو علیؑ اکبر و علیؑ اصغر کے نام پر قربان ہے اور کربلا کی خاک پر قربان، کیونکہ مشن، راستہ اور دین ایک ہے، نام بدلنے سے مشن بدل نہیں جاتا ہے کیونکہ یہی وہ ہستیاں ہیں جنہیں دین محمد مصطفیٰؐ سے محبت تھی اور ہدایت قرآنی سے محبت تھی اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ان کے ہاں سب سے بڑا محبوب دین حق ہے۔

مال کی محبت کا انجام:

اگر کسی کے پاس لاکھوں اور کروڑوں روپے ہوں اور مال دنیا کے ڈھیر ان کے قدموں میں موجود ہوں اور وہ اس حالت میں مرے کہ حسینؑ مظلوم کی محبت اس کے دل میں نہ ہو اور اس کے دل میں ہدایت کے نور کا ذرہ بھی موجود نہ ہو تو ہم اس کو قارون تو کہہ سکتے ہیں مگر مومن نہیں کہہ سکتے اسی پر اللہ و ملائکہ کی لعنت ہوتی ہے، لعنت کا مطلب ہے کہ یہ جہنم جائے گا اور ہمیشہ کی آگ میں جلے گا۔

پس جو زندگی صرف کرتا ہے مادی امور کیلئے، رزق کا ڈھیر لگانے کیلئے، تو ایسا شخص قارون، ہامان، فرعون، یزید، شمر اور ابن زیاد و عمر سعد کی راہ پر ہے۔ ان ظالموں و بدبختوں کا مقصد کیا تھا اور انہیں یہ دنیا کس منزل پر لے گئی کہ رَے کی گورنری مل جائے!؟

عمر سعد کس چکر میں پھنسا تھا یہ عمر سعد کوئی حبشی غلام نہ تھا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جسے کچھ پتا نہ ہو؟

وہ سب کچھ جانتا تھا کہ ایک طرف دنیا کی محبت اور گورنری کی محبت و لالچ اور یزید کا خوف اور دوسری طرف امام حسینؑ جیسے فرزند رسول کا قتل !اور ہم کہتے ہیں جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں نہ دولت جذب کرسکتی ہے اور نہ دنیا، نہ گورنری کا لالچ اور نہ یزید کا خوف۔

اسلئے اے کربلا کے ماننے والو!

تمہیں سیاستِ دنیا کربلا سے دور نہ لے جائے، تمہیں دولت و منصب کی محبت کربلا

سے منحرف نہ کردے، ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا چاہئے، کیونکہ عمل اور ہو اور ایمان کچھ اور ہو۔ اس سے خدا بہت ناراض ہوتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ صف، آیت ۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی ناراضگی اس بات پر ہوتی ہے کہ تم جو کہتے ہو وہ کچھ اور ہوتا ہے اور جو کرتے ہو وہ کچھ اور ہوتا ہے۔

کردار ابن زیاد:

کہتے ہیں ہم کربلا والے ہیں جبکہ کردار ان کا نہ ہو، کہتے ہیں کربلا والے اور قلب میں دولت کی محبت ایسے ہو جیسے باطل کے دل میں تھی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے، ایمان اپنے کردار سے ثابت ہوتا ہے جتنا ایمان مضبوط ہوتا ہے اتنا کردار نورانی ہوتا جاتا ہے اور جب کردار نورانی ہوجاتا ہے تو میثم تمارؑ کی طرح سولی پر تو چڑھ جاتا ہے مگر علیؑ کو نہیں چھوڑتا۔

اسلئے شیعیان علیؑ کو سمجھنا چاہئے کہ ابھی اتنا مشکل دور نہیں آیا جیسا مشکل دور گذارا ہے علیؑ والوں نے۔ وہ دور بھی گذرا ہے جب خواتین اپنے گھروں سے غسل میت کر کے کافور مل کر دربار ابن زیاد یا حجاج ملعون میں جاتی تھیں جب وہ خاتون اس ملعون کے دربار میں گئی تو اس کے جسم سے کافور کی خوشبو آ رہی تھی، پوچھا اس ملعون نے تو نے کافور کیوں ملا ہے؟

کہا: اسلئے کہ تو نے بلایا تو مجھے معلوم تھا کہ میں حُبّ علیؑ سے انکار کر نہیں سکتی اور تیرے یہاں حُبّ علیؑ کے اقرار کی سزا سزائے موت ہے۔ مجھے کیا معلوم، جب ماری جاؤں گی تو مجھے کوئی غسل دے گا یا نہیں، حنوط کرے گا یا نہیں..................؟

﴿ ایسے ماحول سے گذرا ہے کربلا کا پیغام ﴾

سب سے بڑی نعمت خداوندی کی معرفت

نعمات خداوندی کی گھرائی:

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (سورہ توبہ، آیت ۳۳)

اللہ وہ محسن ذات ہے جس نے ہدایت اور دین حق دے کر اپنے رسول کو روانہ فرمایا ہے تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے۔ اگرچہ مشرک اس راستے میں رکاوٹیں بنیں اس غلبہ کو پسند نہ بھی کریں خالق کی منشاء یہی ہے کہ اس کا دین غالب ہو کر رہے اور باطل قوتیں مغلوب ہو کر رہیں۔

خالق کائنات نے انسان کو جو فطرت عطا فرمائی ہے اس فطرت کے تقاضوں کو رب کائنات نے انسان کی دنیا کیلئے بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے اور دین کیلئے بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اسے اس زمین پر آباد کرنا اور اس زمین کو ایسے تمام وسائل سے آراستہ کرنا کہ جن وسائل کی انسانوں کو پوری طرح ضرورت تھی یہ خالقِ کائنات کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے۔ اور پھر اس کی ہدایت اور ابدی زندگی کی کامیابی کیلئے اس کو دین حق عطا کرنا اور اس کیلئے نظامِ ہدایت تشکیل دینا یہ اس سے بھی بڑا احسان ہے۔

اس میں بھی اس رب کائنات نے فطرت انسانی کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ دین میں فروع ہوں یا اصول، اخلاقیات ہوں یا معاملات، خدا نے کسی بھی معاملے میں انسان کی فطرت کو بالائے طاق نہیں رکھا بلکہ جیسا چاہئے ویسا ہی دین بنایا اور ویسا ہی نظام ہدایت بنایا۔

اس خالقِ کائنات نے کائنات بنائی جسے ہم دنیا سے تعبیر کرتے ہیں وہ بھی اللہ کا عظیم احسان ہے اور اس احسان کو جتنا تفصیل سے بیان کیا جائے اتنی ہی اس میں گنجائش موجود ہے۔

انسان اپنی بیرونی دنیا کو دیکھے ہر ذرے میں اللہ کا احسان نظر آتا ہے، انسان اپنی اندرونی کائنات کا جائزہ لے اپنے بدن، جسم اور جسم کے ظاہر و باطن، جسم کے حسن و جمال کا اور اس کے اعضاء و جوارح کا، اس کے سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کی ایڑھی تک، سر کے ایک ایک بال سے لے کر بدن پر اگنے والے ہر بال تک، اندرونی سسٹم جو کچھ اس نے بنایا ہے وہ اتنا گہرا و عمیق ہے یہ اتنے اسرار و رموز اور اللہ کے بھیدوں پر مشتمل ہے کہ ہزاروں برس گزر گئے کائنات کے ذہین، فطین، محقق انسان ان اسرار و رموز کو جو انسان کے اپنے بدن میں موجود ہیں ڈھونڈنے میں مصروف رہے ہیں۔ اب بھی مصروف ہیں اور رہیں گے!

لیکن انسان کا اندرونی سمندر اتنا گہرا ہے اور ایسے موتیوں پر مشتمل ہے کہ ڈھونڈنے والے ایک ایک موتی ڈھونڈ لاتے ہیں پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ہم انسان کے جسم کی آخری گہرائی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ جسم کی آخری گہرائی کو بجائے خود جسم کے کسی ایک عضو میں جو کچھ گہرائیاں ہیں اور جو کچھ رموز و اسرار ہیں اس ایک عضو کی انتہاء تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جتنی تحقیق بڑھتی جارہی ہے اتنا علم پھیلتا جارہا ہے۔

نعمات خداوندی کی جستجو:

ایک مضمون کے اندر زیادہ سے زیادہ شعبے وجود میں آرہے ہیں اور جتنے شعبہ جات وجود میں آرہے ہیں ان میں سے ہر شعبے کا اسپیشلسٹ اور ماہر وجود میں آرہا ہے اور ہر شعبے کے ماہرین اپنے اپنے زاویئے اور پہلوؤں سے تحقیق پر لگے ہوئے ہیں بعض کچھ نتیجہ لے کر آتے ہیں تو کہتے ہیں اس کی تہہ میں اور بھی رموز موجود ہیں ہم تو نہیں نکال سکے آئندہ نسلیں ڈھونڈتی رہیں گی!

دوسرے ملک ان تحقیقات کی راہ میں بہت آگے نکل چکے ہیں اور ہمارا ملک تو ابھی اس سلسلے میں خیراتی ہے تحقیق کرنے والے ممالک تو کوئی اور ہیں جو تحقیق ان کے یہاں پچاس سال پہلے ہوتی ہے وہ پچاس سال بعد ہمارے یہاں آکر جدید شمار ہوتی ہے! اور جو ممالک

تحقیق میں آگے ہیں وہ اتنے سخی بھی نہیں بلکہ وہ کنجوس واقع ہوئے ہیں وہ اپنی جدید تحقیق کو پرانا کر کے دیتے ہیں جب تک نئی تحقیق کرنے میں کامیاب نہیں ہوجاتے اس وقت تک پرانی تحقیق کو بیچنے پر تیار نہیں ہوتے، مفت تو دینا کجا!!

ایسا کنجوسوں کا کام ہوتا ہے سخیوں کا کام ایسا نہیں ہوتا۔ ایسا انسانیت سے محبت کرنے والوں کا کام نہیں ہوتا بلکہ انسانوں کی تجارت کرنے والوں کا کام ہوتا ہے۔ خدا کرے وہ لوگ مغلوب ہوں اور اخلاقِ اسلامی کو غلبہ حاصل ہو کہ اس کے بعد سخاوت پورے اپنے علوی کردار کے ساتھ سامنے آئے اور پھر ہو کوئی کہنے والا سلونی سلونی

پوچھ لو پوچھ لو مجھ سے، قبل اس کے میں دنیا سے چلا جاؤں۔

سخاوت علم:

یہ سلونی سلونی کا دعویٰ جہاں امیرالمومنینؑ کے علم کے عظیم ہونے پر دلالت کرتا ہے وہاں علیؑ حیدرکرار کے علم کے باب میں سخی ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اخلاق، علم کی تقسیم کے معاملے میں کہاں تک وسعت و سخاوت رکھتا ہے۔

انسان کا جسم ہو یا کائنات وہ اس قدر عمیق ہے کہ ان تک پہنچنا انسان کے بس کا روگ نہیں ہے اور جب ہم روایات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ترقی علم، قبل از ظہور مہدیؑ:

ظہور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے پہلے علم 4/27 ڈگریوں تک ترقی کر چکا ہوگا اور ۲۳ ڈگریاں قابل ترقی موجود رہیں گی اور اس بات کو علم دوست لوگ سمجھنے میں زیادہ کامیاب ہوں گے، امامؑ کی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ علم کی ستائیس (۲۷) سطحیں ہیں ان میں سے 4/27 یعنی تقریباً ساتواں حصہ علم منکشف ہو چکا ہوگا اور انسانی محققین ساتویں حصے تک ترقی کرنے میں کامیاب ہو چکے ہوں گے۔ ابھی کچھ درجے مزید موجود ہوگا جس کا انکشاف خود امامؑ آکر فرمائیں گے۔ اب آپ سوچیئے کہاں پہنچے گی ترقی یافتہ سائنس اور کہاں لے جائے گا وہ

سلونی سلونی کا وارث ۔

جبکہ صاحبانِ علم یہ جانتے ہیں اس وقت تک جتنی تحقیق ہوئی ہے اس تحقیق کے پیچھے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ان احسانات کا ہاتھ ہے جو انہوں نے مناسب سمجھتے ہوئے اپنے بعض شاگردوں کو علم سائنس، کیمیا گری، کیمسٹری کے اصول اپنے شاگردوں کو تعلیم دیئے جن میں اس قسم کا ذوق امامؑ نے محسوس فرمایا اور ان میں سے ایک حضرت جابر ابن حیانؒ تھے۔

ترقی علم، بعد از ظهور مهدی:

امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے بعد ۶ حصے مزید علم کی ترقی ہوگی اور امامؑ کے سایہ اقتدار میں جو ترقی ہوگی اس ترقی کا آج کی ترقی کیسے مقابلہ کرے گی ؟اور جو اس میں سب سے اہم ترین نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے سایہ اقتدار میں جو نظام ہدایت قائم ہوگا وہ طاغوتیت پر مشتمل نہ ہوگا، وہ انسان کی تجارت اور دشمنی پر مبنی نہ ہوگا ،وہ انسان کے منافع کو لوٹنے اور انسانی معاشرے کو اپنا غلام بنانے والے منحوس پلاننگز کا نتیجہ نہ ہوگا بلکہ وہ ان اخلاق اسلامی کی بنیادوں پر استوار ہوگا جس میں انسانیت کو معراج نصیب ہوتی ہے، آزادی، سکون، اطمینانِ قلب، سعادت اور راحت محسوس ہوتی ہے۔

احسانات خداوندی اور تیل:

ایک طرف ہیں دنیائے کائنات میں بکھرے ہوئے اللہ کے احسانات جس میں آسمان و زمین والے سارے احسانات بھی ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے :

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ

يَّعْقِلُوْنَ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۴)

ترجمہ: آسمان اور زمینوں کی تخلیق میں، دن و رات کے آنے جانے میں اور ان بحری جہازوں اور کشتیوں میں جو پانی کی سطح پر انسانی منافع کو لے کر تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور وہ پانی جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا ہے اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کردیا ہے اور اس زمین میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے چلنے اور گھومنے پھرنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان تسخیر شدہ بادل ان سب میں عقل رکھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

آج انسانی معاشرے کیلئے تیل ایسا وسیلہ بن چکا ہے جس طرح بدن کیلئے خون، اگر تیل بند ہوجائے تو انسانی زندگی کی حالت کیا ہوجائے گی؟ کیونکہ ساری زندگی اس پر موقوف ہوچکی ہے لیکن یہ تیل کہاں ہوتا ہے؟

کہتے ہیں ایران، عراق، کویت، بحرین اور خلیج فارس میں سے تیل نکلتا ہے اتنا تیل ہے کہ امریکہ ملعون بے چین ہے اسے وہاں فوجیں اتارے بغیر چین نہیں آتا کہ سارا خزانہ یہاں پڑا ہوا ہے! اب سوال یہ ہے کہ تیل کے کنویں اور اسے نکالنے والی مشینری تو وہاں ہے تو یہ ہم تک کیسے آجاتا ہے؟ یہاں تک پہنچتا ہے ان بحری جہازوں کے ذریعہ جو پانی کی سطح پر تیرتے ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ

(سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۴)

اے لوگو! ذرا ان کشتیوں کو دیکھو جو پانی پر تیرتی ہیں اس مال کو لے کر جو انسان کیلئے مفید اور نفع بخش ہوتا ہے۔

اب احساس کریں کہ خالق نے کائنات میں کیا کیا بنایا ہے؟

تخلیق ارض و شب و روز:

NAJAFI LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar#2
KARACHI
PH. 7211795

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

(سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۴)

اب انسان ذرا اس پانی کو دیکھ ہم نے آسمان سے نازل کیا ہے وہ تیرے لئے کتنا مفید ہے کہ اس سے زمین میں نباتاتی اور حیوانی زندگی پیدا ہوتی ہے اور زمین و آسمان کو دیکھ، ہم نے ان پہاڑوں کو زمین پر میخوں کی طرح ٹھونک دیا ہے۔

امیر المومنین فرماتے ہیں:

وَوَتَّدَ بِالصُّخُورِ مَيَدَانَ أَرْضِهِ

یہ زمین جب پیدا ہوئی تھی تو بیچاری آرام نہیں کر رہی تھی (ہچکولے کھا رہی تھی) اس کو چین نہیں آ رہا تھا اللہ نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب میخوں کے ذریعے زمین رام ہوگئی۔ اسے قرار آ گیا۔

اور اب ایسے آرام فرما ہے کہ چل بھی رہی ہے اور معلوم بھی نہیں ہو رہا ایسا پرسکون اس کا سفر ہے پرسکون اس کی چال ہے۔ اب آپ اندازہ لگایئے سورج غروب کہاں ہوا ہے اور کل صبح کدھر سے نکلے گا؟ غروب ادھر ہوا ہے تو وہاں کیوں نکلے گا وہ چھپا ہے یہاں اور نکلے گا کہیں اور سے!؟ جب انسان نے اس پر غور کیا کہ غروب ہماری آنکھوں کے سامنے یہاں ہوا تھا مگر دوسری صبح کہیں اور سے نکل جاتا ہے تو انسان کو دن اور رات کے وجود میں آنے کے اسباب معلوم ہوئے۔

ہاں جناب عالی! سورج غروب نہیں ہوا تھا آپ کی زمین آپ کے سامنے حائل ہوگئی تھی اور نتیجتاً چلتی چلتی ایک مرتبہ اس منزل پر پہنچ گئی کہ اب خود ہی اپنے لوگوں کے سامنے سورج کو چھپا گئی اور پھر چکر کھاتے کھاتے اللہ کے اس چراغ کے سامنے آ گئی۔

لیکن زمین چلتی ہے مگر معلوم نہیں ہوتا بلکہ بظاہر سورج کا چلنا نظر آتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۴)

خدا کا رات اور دن کا تبدیل کرنا اور شب و روز کا آنا اور جانا انسان کی زندگی کیلئے ضروری ہے۔ اگر دن ہی دن ہوتا اور رات نہ ہوتی تو ہمارا کیا حال ہوتا اور رات ہی رات ہوتی تو کیا ہوتا؟ اسلئے خدا نے رات کے بعد دن کو بنایا اور دن کے بعد رات کو بنایا۔

خداوند عالم نے فرمایا:

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًاوَّجَعَلْنَااللَّيْلَ لِبَاسًاوَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا

(سورۃ النباء، آیت ۹،۱۰، ۱۱)

ہم نے رات کو انسان کے سکون کا وسیلہ بنایا ہے اور دن کو تیری روزی کا وسیلہ بنایا ہے۔

رات کیلئے ایک چیز بنائی ہے جس کا نام نیند ہے۔ رات کو اگر نیند نہ آئے تو دوسرے دن کیا حال ہوگا؟ نیند ایسی عجیب چیز ہے کہ ساری ضائع شدہ توانائیاں نیند کے طفیل بحال ہوجاتی ہیں کیونکہ جب انسان اپنی توانائی کو خرچ کر کے چور چور ہوجاتا ہے اور کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو نیند کی حاجت ہوتی ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (سورۃ نباء، آیت ٦)

ہم نے زمین کو ایک بچھونے کی طرح بنادیا ہے اگر تو اس پر لیٹ جائے تو میں اپنی نیند والی نعمت تجھ تک بھیج دوں گا ایسی آئے گی تجھے پتہ ہی نہیں چلے گا، صبح بیدار ہوگا تو تازہ دم!

تفکر از نعمت خدا برائے ھدایت:

وہ اللہ کتنا مہربان ہے جس نے رات بنائی اور رات کے ساتھ نیند کو تخلیق کیا میرے

دوست ! اس چیز کی طرف بھی متوجہ ہیں کہ یہ کام سائنس کا ہے اور سائنس کے بڑے احسانات ہیں لیکن ایک بات ہے جس طرف توجہ نہیں ہے وہ یہ کہ، رب العزت فرماتا ہے :

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۴)

یہ جو کچھ میں نے بنایا ہے ان کو ان لوگوں کیلئے اپنی نشانیاں بنایا ہے جن لوگوں کو میں نے عقل کی نعمت سے مالا مال فرمایا ہے۔

لوگ نظام تکوینی میں بکھرے ہوئے تمام اسرار کو ڈھونڈنے میں تو مصروف ہیں، لیکن جب ڈھونڈ لینے کے بعد ان کے آیات الٰہی ہونے کا مرحلہ آتا ہے، اور اس میں جب رب کائنات کی نشانیوں کو تسلیم کرنے کا مرحلہ آتا ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں، تو یہاں لوگ ہدایت سے بے بہرہ اور فارغ ہوجاتے ہیں ، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سب کچھ جاننے کے باوجود بے ہدایت رہ جاتے ہیں اور دین حق کی طرف نہیں آتے اور شکر گزار بندے نہیں بنتے۔

خداوندعالم نے دو نظام بنائے ہیں :

(اوّل) نظام تکوینی یعنی نظام کائنات

(دوئم) نظام تشریعی یعنی نظام دین وشریعت۔

نظام کائنات یعنی اس کائنات میں نشانیاں، اس رب کائنات کے وجود اور اس کی توحید اور اس کے محسن ہونے کیلئے موجود ہیں، ان نشانیوں کو انسان سمجھے اور اس کے ذریعے رب کائنات تک پہنچے اور اس ہدایت کیلئے خداوندعالم نے رسولوں کو بھیجا ، کتابیں نازل کیں اور رسولوں کو معجزات عطا فرمائے اور ان رسولوں اور ہدایت کا راستہ دکھانے والوں کو وہ حوصلہ عطا فرمایا کہ وہ پتھر بھی کھارہے ہیں اور گالیاں کھا کر بھی دعائیں دیتے رہے۔

حضرت ابراهیمؑ اور نمرود کا مکالمہ:

روایات میں ہے کہ بابل کے باسیوں کو نمرود نے حکم دیا کہ اس ابراہیم نے تمہارے اور ہمارے خداؤں کو قتل کیا ہے اور بتوں کو توڑ ڈالا ہے اور جس نے خداؤں کو قتل کیا ہو وہ ایک

فرد کا مجرم ہے یا سب لوگوں کا مجرم ہے؟ اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ خداؤں کے قاتل بنے اور اب قاتل کسی ایک خاندان کا مجرم تھا یا پوری قوم کا؟

ان کی نگاہوں میں ان کا قومی جرم تھا، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے بڑے سوچ سمجھ کر یہ اقدام کیا تھا کسی بندے کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کے بت کدے میں داخل ہوئے اور ان کو توڑا کیونکہ جب میں ان کو توڑوں گا تو ان سب کا قومی مجرم کہلاؤں گا اور جب قومی مجرم کا مقدمہ نمرود کے دربار میں چلے گا تو پوری قوم اس میں آئے گی!

کیونکہ حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ تخت پر نمرود بیٹھا ہو، دیکھنے والی ساری قوم ہو، میرے اوپر خداؤں کے قتل کا مقدمہ چلے اور میں ثابت کروں کہ یہ مقتول خدا ہیں یا وہ رب العالمین حقیقی خدا ہے! کتنا عجیب وہ منظر ہوگا کہ بابل کی وہ بت پرست قوم نمرود کے دربار میں جمع ہوگی اور حضرت ابراہیمؑ بحیثیت ایک مجرم کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے۔

کیوں تو نے ہمارے خداؤں کو قتل کیا ہے؟

حضرت ابراہیمؑ خلیلِ خدا کہہ رہے ہونگے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ. (سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۸)

میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی دیتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کا جو تعارف کرایا وہ صحیح ہے یا غلط؟

بالکل صحیح تھا۔

مگر نمرود چالاک تھا اسلئے اس نے دیکھا کہ ابراہیم کی دلیل کو عوام کو مغالطہ دینے کیلئے کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے، نمرود ملعون نے کہا:

قَالَ اَنَا اُحيِي وَاُمِيتُ

میں ہی زندگی دینے والا ہوں اور موت دینے والا ہوں۔

اس نے اپنے قید خانے سے دو قیدیوں کو بلوایا اور فوری طور پر سرسری سماعت کی اور دونوں کو سزائے موت دے دی۔ پھر ایک کو پھانسی پر چڑھا دیا اور دوسرے کو آزاد کر دیا اور کہا دیکھو اس کو میں نے موت دے دی اور دوسرے کو زندگی!

کیا نمرود کامیاب ہوگیا...؟ آپ کہہ رہے ہیں ... نہیں... کیوں؟

یہ ہے محنت کربلا والوں کی کہ آپ کے افکار کو کربلا کی محنت نے اس قدر بلند کر دیا ہے کہ آپ نمرودی چال کو سمجھ رہے ہیں لیکن بابل کے انسان اور بابل کا بھرا ہوا دربار نمرود کی اس دلیل کی کامیابی پر تالیاں بجا رہا تھا! لیکن حضرت ابراہیمؑ بھی سادہ نہیں تھے اور حقیقت جانتے تھے اور سوچ رہے تھے ان کو جو تالیاں بجانی ہیں بجالیں لیکن بعد میں جو دوسری دلیل پیش کروں گا تو پھر پتہ چلے گا کہ نمرود کی عزت بچی یا نہیں!؟

حضرت ابراہیم نے کہا:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

(سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۸)

میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے لاتا ہے اے نمرود اگر تو ہی وہ رب ہے تو پھر تجھے اس پر بھی قادر ہونا چاہئے اور جو رب ہوتا ہے اس کی مرضی کہ وہ مشرق سے نکالے یا مغرب سے اور اگر تو رب ہے تو مغرب سے نکال۔ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا منہ میں اس کے پتھر آ گیا اب وہ بات کرنے کے قابل نہ رہا اور جو بیٹھے تھے ان کے منہ میں خاک بھر گئی۔

(القرآن)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اوپر بتوں کے قتل کا کیس چلوا کر رب کی ربوبیت کو ثابت کر دیا۔ ان تمام دلائل کے باوجود دربار والے دل میں تو سمجھ گئے مگر دربار کے رعب و دبدبے کی

وجہ سے بول نہیں سکتے تھے۔

مگر اس کے باوجود نمرود ملعون بولا:

اے لوگو! بتاؤ جو تمہارے خداؤں کا قاتل ہو اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ

(سورۃ الانبیاء، آیت ٦٨)

سزا یہ تجویز ہوئی کہ ایک آگ جلائی جائے جس میں اس مجرم کو پھینک دیا جائے اسلیئے لوگوں کو نمرود کا حکم ہوا کہ اے لوگو! جنگل میں جاؤ لکڑی کے بڑے بڑے گٹھے اٹھا کر لے آؤ پورے شہر کے مرد و زن نے ایک مقام پر لا کر لکڑیوں کے گٹھے پہنچا دیئے اور لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی پھر اس میں اتنی تپش پیدا ہوگئی کہ ابراہیم کو اس آگ میں پھینکنے کی کسی کو ہمت نہ ہو سکی اور پھر ابراہیم کو ایک منجنیق میں ڈال کر پھینکا گیا۔ ابھی آگ تک نہ پہنچے تھے کہ جبرائیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے قریب آئے اور کہنے لگے: اے ابراہیم کوئی حاجت ہے۔

تو جواب میں کہا: اَمَّا اِلَيْکَ فَلَا

حاجت ہے مگر تجھ سے نہیں، کیونکہ جس سے حاجت ہے وہ خود دیکھ رہا ہے اور بچانا چاہے گا تو بچا لے گا اور اگر نہ بچائے تو ابراہیمؑ اس کی رضا میں جلنے کو تیار ہے۔

اے دوست! خداوند قدوس نے ان عظیم انبیاء کو بھیجا ہے تو نظام تکوین چلانے کیلیئے نہیں بلکہ نظام ہدایت پہنچانے کیلیئے کیونکہ نظام ہدایت ان کے بغیر کامل نہیں ہوتا، کائنات میں بکھرا ہوا نظام تکوین بنانا بڑا احسان ہے یا نظام ہدایت پہنچانا؟

ہر عقلمند و دانا کا یہی جواب ہوگا، سورج، چاند، ہوائیں، بارش، آسمان، انسان کے بدن کا ذرہ ذرہ یقیناً احسانات ہیں مگر ان احسانات میں سے بھاری احسان یہ ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء، اولیاء، اوصیاء اور آئمہ کو دین دے کر بھیجا۔ اگر دین نہ ہو تو ان سارے احسانات کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔

نورِ عقل اور خواہشِ نفس سے مقابلہ

رضائے خداوندی اور افکار منبر:

اسی وقت یہ تذکرہ آلِ عباؑ عبادت ہوسکتا ہے جب عبادتوں کے تقاضوں اور شرائط کو پورا کیا جائے۔ باطل کی تھوڑی سی آمیزش بھی اس ذکر کو عبادت بننے سے باہر نکال سکتی ہے۔ حقیقتاً عبادت ہوتی ہی وہی ہے جو سو فیصد حق گوئی پر مشتمل ہو۔ معمولی سی بھی آمیزش نقصان کا باعث ہوتی ہے اور عبادت کو داغدار کردیتی ہے جبکہ آج کل کا ماحول اور موجودہ مجالس کی کامیابی کا معیار کچھ ایسا عجیب ہوچکا ہے جو بہت سے ذاکرین اور علماء کے پھسل جانے کا باعث بن جاتا ہے جو معیار سامعین نے اپنے مقام پر بنا رکھا ہے مقررین نے اس معیار کو بنانے میں جس قدر پیش رفت کی ہے اتنا ہی سامعین نے بھی اس میں کردار ادا کیا ہے بلکہ بولنے والے کے قصور سے پہلے بانیان اور سامعین کا قصور ہے۔ آج بھی اگر سامعین اپنے معیار کو درست کرلیں تو اس کے اثرات خودبخود مرتب ہونا شروع ہوجائیں گے اور ہو رہے ہیں اور جہاں سامعین نے کچھ ہمت کی ہے تو وہاں مجالس کی کامیابی کا معیار درست ہوگیا ہے۔

اگرچہ وہ سامعین محدود مقدار میں ہوں مگر ان کے ذہن کا معیار درست ہو تو بولنے والے کا انداز اور ہوجاتا ہے اور دوسری طرف سامعین ہزاروں کی تعداد ہی میں کیوں نہ ہوں مگر ان کی ذہنی سطح درست نہ ہو تو بولنے والے کا انداز اور ہوجاتا ہے۔

بہت کم لوگ ہیں جو رضائے خدا کو اہمیت دیتے ہیں اور بہت زیادہ ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ صرف ہماری دکان چلے اور مارکیٹ بن جائے ۔اسلئے مجالس میں شرکت کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجالس کی کامیابی کا معیار ہدایت کو قرار دیں نہ کہ واہ واہ کو، اگر کوئی ہدایت بھری گفتگو کرنے میں کامیاب رہا ہے تو وہ شخص کامیاب مجلس پڑھ گیا ہے چاہے اس میں زیادہ واہ واہ نہ رہی ہو۔ اور اگر واہ واہ تو زیادہ ہو لیکن ہدایت کی گفتگو کمزور رہی ہے تو وہ مجلس حقیقت میں ناکام ہے، اگرچہ آپ نے کروڑوں روپے ہی خرچ کئے ہوں۔ آئمہ اہل بیتؑ کے

معیار کے مطابق اسے کامیاب مجلس قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ عزاداری اہل بیتؑ کو یہ مقام حاصل ہے کہ عزاداری کے صدقے دین زندہ رہا ہے، آج بھی اسی سے دین حق زندہ ہے اور قیامت تک عزاداری کے طفیل زندہ رہے گا کوئی شخص اس میں ترمیم نہیں کرسکتا۔ عزاداری محافظ دین حق ہے۔ بنیادی طور پر عزاداری کے دین حق کا محافظ ہونے پر شک کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔

تشیع اور عزاداری آل محمد:

تشیع نام ہے عزاداری آل محمدؐ کرنے کا اور تشیع ہی محافظ دین حق ہے۔ عزاداری ہی محافظ دین حق ہے اور ہمیں اس سلسلے میں کسی قسم کی ترمیم کی اور شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ عزاداری میں کونسی کمزوریاں داخل ہوگئی ہیں، عزاداری میں کس قسم کے نقائص پیدا کردیئے گئے ہیں، لوگوں نے عزاداری کو اپنی منشاء کے مطابق بنانے کی جو کوشش کی ہے اس کا علاج کرنا چاہیئے، اسلیئے کہ عزاداری ہماری یا کسی کی مرضی کا نام نہیں۔ عزاداری ان کی مرضی کا نام ہے جن کی عزاداری ہے اور جن سے یہ منسوب ہے۔

عزاداری، عزادار کی مرضی کا نام نہیں، عزاداری محمد و آل محمد کی مرضی کا نام ہے، جس طرح عبادت عابد کی منشاء کا نام نہیں، عبادت معبود کی منشاء کا نام ہے، نماز ایک عبادت ہے اور مجلس و عزاداری بھی اسی طرح عبادت ہے۔ نماز اس وقت عبادت ہے جب نمازی اپنے اللہ کی مرضی کے مطابق نماز پڑھے نہ کہ اپنی مرضی کے مطابق آج اللہ کی زمین پر نماز پڑھنے والوں کی قسمیں بہت ساری ہیں اور نماز پڑھنے والے متعدد فرقے، مکاتب اور مسلک والے ہیں اور ہر فرقے کا انداز دوسرے فرقے سے نماز میں جداگانہ ہے۔ کیا یہ ساری نمازیں عبادت ہیں؟ ہر قسم کی نماز عبادت ہے؟ اور خالق نے ہر قسم کی نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ان سب نمازوں میں سے کوئی ایک نماز ہے جو اللہ کی منشاء کے مطابق ہے۔ باقی ساری نمازیں نمازیوں کی اپنی منشاء کے مطابق ہیں۔

رسول صاحبان عقل کے سردار:

اے اہل تشیع !

تمہارا اگر کوئی طرہ امتیاز ہے اور اسی کو ہم اکثر بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہماری نماز واقعاً عبادت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جو نماز پڑھتے ہو وہ اس خاندان تطہیر سے ہے جن کی مرضیاں اللہ کی مرضی کی ترجمان ہے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کو خداوندعالم نے تطہیر کی سند دی ہے اور اس کا اعلان رسول اکرمؐ نے کیا ہے، خدا کی وحی کے مطابق اور وحی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسولؐ کے پاس عقل اور تدبر نہیں ہے، بلکہ خدا نے رسولؐ کو صاحبان عقل کا سردار بنایا ہے۔

عقل نور ہے، کوئی ہم سے پوچھے کائنات کے جتنے بھی عقل مند لوگ ہیں ان کی عقلوں کو مجتمع کرلو اور مقابلہ کرو اس عقل کے ساتھ جو حضرت محمد مصطفیؐ کو عطا ہوئی تو لوگوں کی عقل بھاری ہوگی یا رسول کی ؟ واضح ہے کہ عقل رسول اکرمؐ کی بھاری ہے ۔یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسان کو دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز اور اشرف بنایا ہے تو اس کی بنیاد عقل بھی ہے۔

خواھش نفس اور عقل :

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، اور یہی حدیث حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے بھی روایت ہے :

ان اللہ تعالیٰ خلق الملائکۃ فرکب فیھم العقل . و خلق البھائم فرکب فیھا الشھوۃ وخلق بنی آدم فرکب فیھم العقل والشھوۃ . فمن غلب عقلہ علی شھوتہ فھو اعلی من الملائکۃ و من غلب شھوتہ علی عقلہ فھو ادنٰی من البھائم (الکافی کتاب العقل)

ترجمہ: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو خلق فرمایا تو ان میں عقل مرکب کردی اور جانوروں کو خلق فرمایا تو ان میں شہوت (خواہش نفس) کو مرکب

کر دیا اور اولاد آدم کو خلق فرمایا تو ان میں عقل اور شہوت دونوں کو مرکب فرمایا۔ پس ان آدمیوں میں سے جس نے اپنی عقل کو شہوت پر غلبہ دے دیا وہ ملائکہ سے اعلیٰ ہوگیا اور جس نے اپنی شہوت کو عقل پر غلبہ دے دیا وہ حیوانات سے بھی ادنیٰ اور بدتر ہوگیا۔

ملائکہ کو دی گئی عقل، حیوانات کو دی خواہشات نفس اور انسان کو عقل اور خواہش نفس۔ اس میں انسان کا امتحان ہے کہ اگر وہ اپنی عقل کو اپنی خواہشات پر غلبہ دیدے تو ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے خواہش نفس کو غلبہ دیا عقل پر تو حیوانات سے بدتر۔

عقل اور خواہش نفس کی آپس میں جنگ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں محاورہ ہے کہ ضمیر انسان کو ملامت کرتا ہے اور وہ اس کو خواہشات نفس کے خلاف متوجہ کرتا ہے ایسا کر اور ایسا نہ کر۔

نور عقل:

غصہ جو آپ سے تقاضہ کر رہا ہوتا ہے تو کیا نور عقل کا بھی یہی تقاضا ہوتا ہے۔ والدین سے اگر ناراضگی ہو اور غصہ آجائے تو کیا عقل اس کو سپورٹ کرتی ہے یا مخالفت کرتی ہے؟ آپکے اندر ایک نور عقل موجود ہے جو پکار پکار کر کہہ رہا ہوتا ہے یہ والدین ہیں غصے پر قابو رکھ! ملائکہ میں عقل ہے خواہش نفس نہیں، ان کو کبھی غصہ آتا ہی نہیں، نہ ان کو حسد ہے اور نہ ہی دنیا کی لالچ ہے اور نہ کسی سے دشمنی ہے اور نہ دوستی ہے۔

ملائکہ کو فقط عقل کے نور سے مالا مال فرمایا ہے اور دوسری طرف حیوانات ہیں جن میں جنگلی بھی ہیں اور شہری بھی ہیں۔ ان کے اندر عقل نہیں ہے، خواہشات نفس ہے جب کسی جانور کو غصہ آجاتا ہے تو وہ کسی کو نقصان پہنچاتا ہے اور اسے قابو میں رکھنے والی پھر کوئی شئے نہیں ہوتی۔

جسمانی و روحانی صورت:

انسان کی ایک شکل وصورت وہ ہے جو اللہ نے اس کو دے کر دنیا میں بھیجا اور ہر ایک کو ایک الگ صورت والا بنایا ہے جب انسان آئینہ دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو حسین سمجھتا ہے اور انسان کی دوسری شکل وہ ہے جو خدا نہیں بناتا انسان خود بناتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے وکردار کے ذریعے بنا رہا ہوتا ہے، وہ شکل موت سے قبل ظاہر نہیں ہوتی ہاں ہماری آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتی لیکن اللہ نے ایسی ہستیاں بنائی ہیں جو خداداد صلاحیات کے ساتھ اس شکل کو دیکھ لیتے ہیں جو شکل انسان نے اپنے عقیدے اور کردار کی وجہ سے بنائی ہوتی ہے۔

اس شکل کو وہ جب چاہیں واضح و ظاہر بھی کر سکتے ہیں، جب موت کے بعد انسان کو روز محشر دوسری زندگی ملے گی اور پھر اٹھے گا تو ضروری نہیں کہ اسی شکل میں اٹھے جو اللہ نے اس کو اس دنیا میں دے کر بھیجی تھی بلکہ وہ اس شکل میں اٹھے گا جو اس نے اپنے کردار سے خود بنائی تھی۔

اسی لئے روایات میں ہے کہ کچھ دوبارہ محشور ہوں گے تو خنزیر، ریچھ، کتے، سانپ، بچھو کی شکل میں ہوں گے اور یہاں تک ہے کہ بڑے بڑے مکوڑوں کی شکل میں محشور ہوں گے اور زمین محشر پر پڑے ہوئے ہوں گے اور اہل محشر انہیں پامال کرتے ہوئے گزر رہے ہوں گے اور جب پوچھا جائے گا، ان مکوڑوں کی شکل میں محشور ہونے والوں کا جرم کیا تھا ؟تو جواب یہ آئے گا کہ یہ وہ لوگ تھے جو دنیا میں تکبر بھری زندگی گزارتے تھے۔

اخلاقی عمارت:

تکبر کے اسباب ، مال کی کثرت اور علم کی کثرت شمار ہوتے ہیں۔ مال مالدار کو اور علم صاحب علم کو تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے!

قرآن کی تو تعلیم یہ ہے کہ جتنا علم بڑھتا جائے انکساری بڑھتی جائے۔ علم اگر کسی کو انکساری نہ دے سکے تو سمجھئے کہ اس کے اندر علم ہے اور نہ دین اور جس کے اندر علم ہو اور دین

نہیں تو وہ جاہل ہے عالم نہیں!

خداوندعالم فرماتا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورۃ القلم، آیت ۴)

ترجمہ: آپ خُلق عظیم کے مالک ہیں۔

خُلق اور اخلاق میں انکساری ہے یا نہیں ؟اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کی عمارت بھی انکساری کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ اگر کسی کے پاس تواضع اور انکساری نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے یہاں اخلاق والی عمارت کھڑی ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

جب خدا اعلان کرتا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب تو خُلق عظیم کا مالک ہے تو گویا فرمایا: تو بہت بڑا منکسر المزاج ہے۔ کیا رسول اکرمؐ جیسا عالم کوئی دوسرا ہے ؟ کیا رسولؐ کے علم کی شبیہ ونظیر بھی پیش کی جاسکتی ہے؟

بیشک علیؑ علم لدنی کے مالک ہیں۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرماتے ہیں:

سلونی سلونی قبل ان تفقدونی. انی اعلم طرق السموات من طرق الارض......

ترجمہ: جو چاہو پوچھ لو مجھ سے، اس سے قبل کہ مجھے کھو بیٹھو، میں آسمان کے راستے زمین کے راستوں سے بھی بہتر جانتا ہوں۔

لو سندت لی الوسادة ...... لحکمت بین اهل التوارة بتوراتهم و بین اهل الزبور بزبورهم و بین اهل الانجیل بانجیلهم و بین اهل الفرقان بفرقانهم.

اگر میرے لئے مسند علم لگا دی جائے تو میں تورات والوں کو تورات سے، انجیل والوں کو انجیل سے، زبور والوں کو زبور سے فیصلہ سناؤں گا اور قرآن والوں کے فیصلے قرآن سے کروں گا۔

علی امیر المومنینؑ علم کی اس بلند چوٹی پر فائز ہونے کے باوجود جب رسولؐ کے سامنے آتے ہیں تو کہتے ہیں:

انا عبد من عبید محمدؐ

میں محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

اب ذرا بتایئے رسولؐ کا علم رک گیا ہے یا اس کی ترقی جاری ہے علمی ترقی رسول اکرمؐ کی عالم برزخ میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ رسولؐ کا اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد علمی ترقی رکی نہیں ہے اور یہ اپنے مقام پر باریک بحث ہے یہ سسٹم کیا ہے، دنیا کے بعد برزخ، برزخ کے بعد محشر، محشر کے بعد پل صراط، اس کے بعد جنت یا جہنم۔

اصل اخلاق یہ ہے کہ جس کے پاس جتنا علم بڑھتا چلا جائے وہ اتنا با اخلاق ہوتا چلا جائے۔ با اخلاق ہونے کا مقصد منکسر المزاج ہونا ہے۔ اگر انسان تکبر کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنالے گا تو گویا وہ اپنی ایسی ہی تصویر بنا رہا ہے۔ اس کے علاوہ شہوت رانی، بے حیائی، چالاکی، بے پردگی، حرام خوری، عیاری، مکاری، فریب کاری، اذیت دینا یہ تمام برائیاں اپنی اپنی ایک تصویر رکھتی ہیں کسی کو اذیت دینا بچھو کا کام ہے نہ کہ انسان کا کام۔ اسلئے جو کردار انسان پر غالب ہوگا ویسی ہی تصویر نمایاں ہوگی اور جب ایسے محشور ہو تو خدا سے شکوہ نہ کرے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (سورۃ آل عمران، آیت ۱۸۲)

ترجمہ: کیونکہ خدا اپنے بندے پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

خداوند عالم مزید فرماتا ہے کہ:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى

(سورۃ طٰہٰ، آیت ۱۲۴ تا ۱۲۶)

ترجمہ: اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کیلئے سخت تنگ زندگانی ہوگی اور ہم اسے روز قیامت اندھا محشور کریں گے۔محشر میں جس کو اندھا محشور کیا جائے گا تو وہ سوال کرے گا، اے خدا مجھے اندھا کیوں محشور کیا ؟!۔ میں تو دنیا میں دیکھنے والا تھا۔تو خدا جواب میں کہے گا: تیرے پاس دنیا میں میری نشانیاں آئی تھیں وہاں تو میری آیات کو بھول جاتا تھا، آج میں نے تجھے رحمت سے دور کردیا اور بھلا دیا۔ (القرآن)

اسلئے یہیں فیصلہ کرلیں کہ ہم خدا کی دی ہوئی نورانی تصویر میں محشور ہونا چاہتے ہیں یا غیرنورانی میں؟ خداوند عالم فرماتا ہے:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (سورۃ تحریم، آیت ۸)

ترجمہ: روز محشر ہوگا کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا نور ان کے آگے آگے چل رہا ہوگا۔ (القرآن)

نور عقل کا غلبہ، خواہش نفس پر:

اب بتائیے پیشانی سے نکلنے والا نور انسان کے آگے آگے ہو تو انسان کی شکل کیا کیفیت اختیار کرے گی، مگر اس کی کچھ شرائط ہیں اور ان شرائط میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ عقیدہ درست ہونا چاہئے اور کردار آل محمدؐ کی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہئے، جس طرح سلمانِ فارسیؓ منا اہل البیتؑ کی منزل پر تھے کیونکہ وہ وہی کرتے تھے جو آل محمدؐ کہتے تھے۔

اللہ نے ہمیں نور عقل بھی دی ہے اور خواہش نفسانی بھی دی ہے اور ہمیں آل محمدؐ کے دامن سے متمسک کیا ہے، اس تمسک کا اصلی مقصد یہ ہے کہ عقل کا نور خواہشات پر غالب رہے اور خواہشات کے جذبات عقل پر غالب نہ آنے پائیں۔

اسی لئے مجالس کو بھی انہی شرائط کے مطابق ہونا چاہئے جو شرائط مکتب کربلا کے ہیں

اور یہ یقین ہونا چاہئے کہ دین زندہ ہے تو عزاداری کے صدقے، کیونکہ کربلا والوں نے شہادتوں کا جو سلسلہ شروع کیا ہے واقعہ کربلا کے بعد آنے والے آئمہ ہدیٰ ؑ نے پھر کسی نئی کربلا کو بنانے کی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ کربلا کے تذکرے کو زندہ رکھنے کی کوشش کی، جس کو ہم عزاداری سے موسوم کرتے ہیں۔ سوچ کر بتائیں کہ عزاداری کربلائے حسینی کا عملی تذکرہ ہے یا کربلائے حسینی کا قولی تذکرہ ہے؟ ہم ایسا کوئی کام کریں جس سے کربلائے حسینی کی یاد تازہ ہو جس طرح بھی ہوسکے انسان امام حسین ؑ کی کربلا کو زندہ رکھے اور جب تک کربلا زندہ رہے گی دین زندہ رہے گا۔

یزید سے نفرت:

آج ہم تک یہ امانت پہنچی ہے اسی عزاداری کے صدقے پہنچی ہوئی ہے اور آج بھی اگر یزید سے پوری دنیا نفرت کرتی ہے اور ان کے کچھ علماء یزید کو امام لکھتے ہیں اور اسے خلیفہ برحق لکھتے ہیں لیکن انہی علماء کے ماننے والے ۹۹% ننانوے فیصد عوام یزید کو مسلمان ماننے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ اسے لعنتی اور پلید مانتے ہیں۔ ننانوے فیصد عوام کا یزید کو ملعون ماننا یہ بھی عزاداری کا اثر ہے اور عزاداری جس قدر مستحکم اور مقصدیت سے قریب ہوتی چلی جائے گی اتنا باطل کی شکست اس کا مقدر بنتی جائے گی اور حق کا غلبہ ہوتا جائے گا اگر کمزوریاں ہیں تو وہ ہماری طرف سے ہیں جبکہ اصل عزاداری نور ہے اور اس عزاداری کا ایک انداز آنسو بہانا ہے۔ ان آنسوؤں کو آل محمدؐ نے بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور حوصلہ افزائی کی ہے اس عمل کی۔

عزاداری کربلا کے مؤسس امام علیؑ ابن الحسین زین العابدین تھے جنہوں نے اس عزاداری کی بنیاد رکھی ہے۔

مومنین کرام! ٹھنڈا پانی پی کر عزاداری کرنا، آرام دہ ماحول میں بیٹھ کر مظلوم کے غم میں آنسو بہانا، بیشک عبادت ہے لیکن ذرا اس وقت کو یاد کریں جب ہاتھوں میں رسیاں تھیں، گلے میں طوق جامع تھا اور مقتل میں لاشے قطار در قطار تھے اور امام زین العابدینؑ اور خواتین

کربلا عزادار تھے!؟

غیبتِ امام زمانہ میں اصلاحِ معاشرہ کی ذمہ داری

دینی معاشرے کی تشکیل:

ہر صاحب عقل اور دین اسلام سے آگاہ اس امر سے باخبر ہے کہ ہر دین یہ چاہتا ہے کہ قوم و معاشرہ اس کی منشاء کے مطابق ہو اور ماننے والے اس کی ہدایت، اس کے اصول و ضوابط اور اس کی منشاء کے مطابق چلیں، تاکہ ایسا معاشرہ تشکیل پائے جس میں رہنے والوں کیلئے اس نظام پر عمل کرنا آسان ہو اور اس نظام کی مخالفت کرنا مشکل ہو۔

دین اسلام کا بھی یہی تقاضہ ہے اور وہ بھی یہی پسند کرتا ہے کہ جو قوم اسلام کو قبول کرے، خدا کے پسندیدہ دین کو حق مانے، اسے چاہئے کہ وہ بھی ایسا مسلم معاشرہ تشکیل دے کہ جس میں اسلام کے تمام احکام نافذ ہوں اور اسلام کے مخالف احکام سے نفرت ہو اور اس ماحول و معاشرے میں مسلمانوں کیلئے اسلام پر عمل کرنا آسان اور مخالفت کرنا مشکل ہو۔ ایسے معاشرے کی تشکیل دین کا اہم ترین مقصد اور دین کے ماننے والوں کا آخری اور بہترین ہدف ہوتا ہے ایسا ناممکن ہے کہ معاشرے کا رہن سہن اور قوم کے عادات و اطوار، رسوم و رواج کسی اور دین کے مطابق ہوں اور وہ ماننے والے دین اسلام کے ہوں یہ ایک ایسا تضاد ہے جو معاشرے کو نہ یہ کہ ترقی نہیں کرنے دیتا بلکہ معاشرے کی تنزلی، پستی اور تباہی کا سبب قرار پاتا ہے کوئی بھی معاشرہ تضاد کے ذریعے ترقی نہیں کرسکتا، قومی ہم آہنگی، ہم فکری، ہم دلی، رسوم و رواج کا اپنے دین کے موافق و مطابق ہونا یہی اس نظام و دین کی ارتقاء و بقاء کا ضامن اور اس کی ترقی و بلندی کا سرچشمہ ہے۔

ادوار جاهلانه

یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرہ جو مکہ کی سرزمین پر قائم تھا اور جو رسوم و رواج عرب معاشرے پر حکمرانی کر رہے تھے ان کو دور جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی ان کا اٹھنا، بیٹھنا،

چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، اجتماعات، گھر کے اندر کا ماحول، گھر کے باہر کا ماحول، باہمی تعلقات و روابط یہ سارے غماز تھے کہ اُن کے وہاں علم، معرفت اور حقیقت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ان کی ساری عادات پستی و تنزلی سے عبارت تھیں، ان کی ساری حرکات میں جاہلیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کفر، الحاد، شرک، منافقت، کینہ پروری، بغض ایک دوسرے سے ذہنی دوری، مفادات کا ٹکراؤ، مکاری، بے حیائی، خون ریزی، بے شرمی، عریانی، ہر قسم کی گندگی ان کے ماحول میں موجود تھیں ایسے ظلمات و تاریکی کے ماحول میں خدا نے رسالت کے آفتاب کو بھیجا۔

رسول کا علم سے نابلد ہونا:

رسولؐ اکرم کے اعلان نبوت سے قبل کے چالیس سالہ دور کے متعلق بعض نادان، کم عقل اور نافہم افراد اس قسم کی تعبیرات کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک رسولؐ خود بھی آگاہ نہ تھے دور جاہلیت کی تاریکیوں سے اور اپنے اس نور سے بھی، جس نے اس تاریکی کو کافور کرنا تھا ان کا یہ کہنا کہ رسولؐ اپنے اس چالیس سالہ دور میں منصب نبوت پر فائز نہ تھے اور انہیں یہ علم نہ تھا کہ میں آئندہ زندگی میں اس منصب پر فائز ہو کر بہت بڑی ذمہ داری اٹھانے والا ہوں، نہ نبی تھے اور نہ آئندہ کیلئے آگاہ تھے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ گویا سید الرسلؐ حال و مستقبل کے حالات سے نابلد تھے۔

رسالت مآب کے متعلق کچھ لوگوں کا یہ خیال کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ میری ذمہ داری کیا ہے اور مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے؟ ہم اس کی تائید نہیں کر سکتے اور نہ ہی فکر صحیح اس کی تائید کرنے کیلئے تیار ہے اتنی بڑی ذمہ داری لینے والا کہ جس نے قیامت تک آنے والے معاشروں کی اصلاح کی بنیاد رکھنا ہے اور ہمیشہ کی جاہلیت کی تاریکی کو نور میں بدلنا ہے اس کو پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

معاشرے کی روحانی بیماری:

اے دوست! وہ ان ظلمات اور ان تاریکیوں کو جانتا ہے اور اس نور کو بھی سمجھتا ہے اور

اس کو تاریکیوں پر غالب کرنے کے سارے انداز اور ان تاریکیوں کو کافور کرنے کی تمام طرزیں بھی معلوم ہیں اور معلوم ہونا چاہئے کیونکہ اگر ایک بدنی بیماری والے معاشرے میں کسی معالج کو بھیجنا اگر یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس معالج کو بیماری کے علل و اسباب کا علم ہو، ان بیماریوں کی تفصیلات اور ان کی تشخیص کے تمام اسباب کا بھی علم ہو، اس کی دوائیوں کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہو نیز اس میں خلوص بھی ہو اور درد بھی ہو اس میں علم بھی ہو اور آگہی بھی ہو اس میں قوت بھی ہو اور مؤثر علاج کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہو، شجاع ہو، بزدل نہ ہو، مخلص ہو منافق نہ ہو، ہمدرد ہو بے درد نہ ہو، اس کے اندر وہ کمالات موجود ہوں جو جسمانی بیماریوں میں گھرے ہوئے کسی معاشرے کے علاج کیلئے چاہئیں تو روحانی بیماریوں کے علاج کیلئے بھی ان تمام امور کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بدن کی بیماریوں کا علاج اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ روح کی بیماریوں کا علاج مشکل ہے۔

روح کی بیماریاں ظلمات سے تعبیر کی جاتی ہیں اور ان کے علاج اور ان سے شفا پانے کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلئے خداوند قدوس آیت الکرسی میں فرماتا ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ

(سورۃ بقرۃ آیت ۲۵۷)

اللہ اہل ایمان کی سرپرستی، مدد و نصرت کرتا ہے ان کو نکالتا ہے تاریکیوں سے اور لے جاتا ہے نور کی طرف اور کافروں کے سرپرست طاغوت ہیں جو ان کو نور سے نکال کر ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔

نورانی معاشرہ اور نمائندگان خدا:

اللہ تعالیٰ جو اہل ایمان کو گناہوں کی تاریکی سے نکالتا ہے اور ہدایت یعنی توبہ کے نور

کی طرف لے آتا ہے تو اس کا یہ اقدام بلاواسطہ اپنی اس قدرت کے ذریعے ہوتا ہے جس کے سامنے ہر کوئی مجبور ہے اور جہاں اس کا ارادہ تکوینی کام کرتا ہے جس کے بارے میں فرماتا ہے کہ

اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورۃ یٰسین آیت ۸۲)

کہ جب وہ کسی شئے کے بارے میں چاہتا ہے کہ اس کو کہے کہ ہو جا تو وہ ہوجاتی ہے۔

کیونکہ وہ جب اپنی اس قدرت قاہرہ کو استعمال کرتا ہے تو نتیجے کا حصول حتمی اور قطعی ہوتا ہے اور وہاں مخاطب کا اختیار نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہدایت پر آنے اور کفر و ضلالت کی تاریکی سے نکلنے میں انسان کو با اختیار رکھنا چاہتا ہے اور یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے، اسی سے ابتلا و امتحان ممکن ہوسکتا ہے، پھر اسی پر جزا و سزا مرتب ہوسکتی ہے اور اسی سے مومن کو جنت اور منکر و کافر کو دوزخ بھیجنا جائز ہوسکتا ہے۔ اسلئے اس نے گمراہی سے نکالنے اور نور و ہدایت کی طرف لے آنے کا طریقہ اس طرح بنایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نمائندوں کو بھیجتا ہے، ان کو نور دیتا ہے ان کے ذریعے سے معاشرے کی تاریکیوں کو ختم کرواتا ہے اور نورانی معاشرہ کو تشکیل دیتا ہے کیونکہ اگر کن فیکون کرنا مقصود ہوتا تو حبیب خدا کو زحمت دینے کی ضرورت نہ تھی نہ ان کو پتھر لگتے اور نہ ان کا خون بہتا، نہ ان پر کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا اور نہ ان کو کوئی ساحر و مجنون کہتا، بچے ان کے پیچھے تالیاں نہ بجاتے وہ معمولی ہستی تو نہ تھی لیکن انہوں نے اس علاج کیلئے سخت ترین توہین برداشت کی حالانکہ اگر بازار میں کوئی عام سابندہ بھی نکلے اور علاقے کے لڑکے اس کی توہین کریں تو وہ بھی برداشت نہیں کرتا۔

لیکن جس کو خدا نے فخر کائنات بنایا، اس کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کے تدریجی عمل کو انجام دیا اور ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا کیونکہ تدریجی عمل کرنے کیلئے سینہ چوڑا ہونا چاہیئے، ارادہ مضبوط ہونا چاہیئے اور صبر کا پہاڑ ہونا چاہیئے۔

آج سے چودہ صدیاں پہلے اور موجودہ ماحول جو کہ چودہ صدیاں ترقی کر چکا ہے اگر آپ اس دور کو زیرو سمجھیں بلکہ زمانہ جاہلیت تو زیرو سے بھی پست تھا لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت کسی انجماد فکری اور اخلاقی پستی کا نام ہے تو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے وہ زیرو سے پائین تر ابوجہل کا معاشرہ تھا اور ابولہبی قسم کا معاشرہ تھا پس اگر اس کو زیرو سے بھی تعبیر کریں تو وہ نکلا ہے زیرو سے اور چودہ صدی کی بلندی تک آ پہنچا ہے لیکن یہ معاشرہ آج کہاں ہے؟ یہ ترقی یافتہ کہلانے کے باوجود کس قدر اصلاح چاہتا ہے؟!

ان تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ لوگوں میں آج بھی اصلاح معاشرہ کرنے والوں کے دل دہلتے ہیں وہ ذلت سے بھی ڈرتے ہیں، اسی لئے اس کام کیلئے بڑا حوصلہ چاہیئے۔

پس سوچیئے وہ کتنا مشکل فرض تھا جو سید الرسلؐ کے دوش پر ڈالا گیا تھا، کس قدر سخت ذمہ داری تھی، شاید ہم اس کا مکمل جائزہ نہ لے سکیں لیکن ہمارا ادراک جتنا بہتر کام کرے گا اتنا ہی ہم اس کی سختیوں کا ادراک کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے ۔اگر ہم نے کبھی اصلاح والے عمل میں ہاتھ نہیں ڈالا تو ہمیں کیا معلوم کہ سختیاں کیا ہوتی ہیں ؟ یہ تو اس وقت معلوم ہوتا ہے جب معمولی سی اصلاح میں ناکامی ہوجاتی ہے۔

مثلاً زوجہ بے پردہ ہو اور شوہر اس کو پردہ دار بنانے کی کوشش کرے وہ نہ مانے اب روٹی بھی اس کے ہاتھ سے کھانا ہے اب یہ بیچارہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہتھیار ڈال کر بیٹھ جاتا ہے اب پتہ چلتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح کتنی مشکل ہوتی ہے۔ بیوی، بیٹے، ملازم و نوکر بات نہیں مانتے کیونکہ ان کو پشت پناہ زیادہ ملتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کرنے والے کم ہوتے ہیں اسی کو ایسا معاشرہ کہا جاتا ہے جس میں اسلام پر عمل کرنے والے کو مدد نہیں ملتی۔

حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ جب لوگ اسلام پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو انہیں ترغیب ملے، حوصلہ، آرام، تعریف اور عزت ملے اور جو اسلام کے خلاف کام کرنا چاہے تو اسکی حوصلہ شکنی ہو تو آسان نہیں ہے ایسے معاشرے کو تشکیل دینا۔

اے پاک رسولؐ آپکی عظمتوں، رفعتوں، مساعی، کوششوں کو سلام ہے کہ ابولہب جیسوں کی گرفت سے نکالا اور سلمان فارسیؓ و ابوذر غفاریؓ بنا دیا، اصلاحی عمل سید الرسل کا اتنا موثر ثابت ہوا کہ ہم حیران ہیں جب ظلم کرنے والا عمار یاسرؓ کے والدین پر ظلم کرتا ہے اور انہیں شدید گرمی میں ننگے بدن سے گرم پتھریلی زمین پر لٹاتے ہیں اور وہ جان جانِ آفرین کے حوالے کر دیتے ہیں لیکن رسولؐ کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالنا گوارا نہیں کرتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کا سردار قلوب میں محبتوں کو داخل کس طرح کرتا ہے اور ایک عام انسان کیونکر اس کا فریفتہ اور عاشق ہوجاتا ہے جبکہ عماریاسر کے خاندان کے دنیاوی مفادات اس وقت کے قبیلوں کے سرداروں سے مربوط ہیں، دنیاوی ضروریات وہاں سے ملتی ہیں ،جبکہ یہاں تو فقط ایمان ہے اور پیار ہے !لیکن انکے نزدیک روٹی اور مفادات میں اتنی کشش نہیں تھی، جتنی مودت و محبت اور پیار میں تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو اصلاح معاشرہ کا سربراہ ہوتا ہے اس کے فرائض کچھ اور ہوتے ہیں اس کا اندازہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

اس لئے قرآن حکیم فرماتا ہے :

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورۃالقلم، آیت ۴)

اے پاک رسول تم خُلق عظیم کے مالک ہو۔

وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ

(سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۹)

اے رسول اگر تم درشت مزاج اور تند روقسم کے ہوتے تو لوگ تمھیں چھوڑ کر بھاگ چکے ہوتے۔

اسلئے دوستو ! ایک ایسے معاشرے کی اصلاح اہم ترین بنیاد ہے دین حق کی ترویج کیلئے۔اے شیعیانِ علیؑ ! اب ان بارہ اماموںؑ میں سے گیارہ اماموںؑ کا اپنا دور ختم ہوا۔ بارہواں مولاؑ پردۂ غیبت میں چلا گیا اس کے بعد معاشرے کی اصلاح کس کی ذمہ داری ہے؟

کیا بغیر معاشرہ سازی کے اسلام اپنی منزل پر پہنچ جائے گا ؟
اسلامی تعلیمات پر عمل ہو سکے گا؟

اسلئے اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک معاشرے میں تضادات موجود رہیں گے حق غالب آنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ کیا یہ تضادات ختم کرنا ان کی ذمہ داری ہے جن کے دلوں میں مودت فی القربیٰ نہیں ہے؟

اصلاح معاشرہ کا ذمہ دار کون ؟

یاد رکھیئے ! جس کے قلب میں مودت فی القربیٰ کا نور موجود نہیں ہے تو گویا اس کے دل میں وہ جذبہ موجود نہیں ہے جو عمار یاسرؓ میں تھا جس کے ذریعے ان کو کوڑے کھانے کا حوصلہ ملا! مودت ہوگی تو حوصلہ و جذبہ ہوگا۔ مودت ایک مقناطیسی کشش دینے والی چیز ہے۔ کائنات میں کوئی ایسی کشش نہیں ہے جتنی اس مودت فی القربیٰ میں ہے اگر اس میں کشش نہ ہوتی تو اللہ اس کو اجر رسالت قرار نہیں دیتا!؟

مودت فی القربیٰ اس نور کا نام ہے یہ جس کے سینے میں آ گیا تو وہ اس لائق ہو گیا کہ اس اصلاحی عمل کا وارث بن جائے جس کے بانی و موسس سید الرسلؐ قرار پائے۔ لیکن کیا کیا جائے اس کیفیت قلبی کا کہ مودت بھی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم مودت کی چوٹی پر ہیں اور دل آپس میں مل نہیں رہے ! مدعی مودت ہوں لیکن اگر آپس میں دل نہ ملے ہوں تو کیا ہم کسی کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے یہ ایسا طریقہ علاج نہیں ہے کہ خود بیمار ہوں اور دوسرے کا علاج کریں یہاں معالج کو پہلے شفا پانا چاہیئے پھر علاج میں ہاتھ ڈالنا چاہیئے۔

اصلاح معاشرہ اور تزکیہ نفس:

اسلئے اے دوست یہ ذمہ داری سادہ نہیں ہے بلکہ اس میں معاشرے کے اندر رائج رسوم پر گہری نظر رکھنی پڑتی ہے اور اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے رسوم و رواج کو ان تقاضوں کے مطابق ڈھالو جن کو تزکیہ نفس کے تقاضے کہا جاتا ہے۔ ہمیشہ جاہل معاشرے میں بہت سارے

رسوم و رواج ایسے رائج ہوجاتے ہیں جو خواہش نفس اور شیطانی خواہشات پر قائم ہوتے ہیں اسلیئے کہ ہوائے نفس انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتی اب وہ اپنی خواہشات کو پروان چڑھانے اور ہوائے نفس کو سیراب کرنے کیلیئے کچھ اس انداز میں سوچتا ہے کہ پھر چاہتا ہے کہ وہ معاشرے میں رائج ہوجائیں اور لوگ اس کو قبول کرنے لگیں اب جس جس میں ہوائے نفس موجود ہوتی ہے وہ اس کا ساتھی بننے لگ جاتا ہے۔ ادھرِ بھی شیطان کی خواہش موجود اور اُدھر بھی شیطان کی خواہش موجود! یہی وجہ ہے کہ جو کوئی شیطانی خواہش پھیلاتا ہے اس کو اپنے ممبروں کی بہت ساری تعداد مل جاتی ہے اور جب کوئی عادت رسم و رواج کے طور پر رائج ہوجاتی ہے تو عوام کا اس سے بچنا مشکل اور اس پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، اسی لئے رواج کا ساتھ دینا آسان اور اس کی مخالفت مشکل ہوتی ہے۔

دین اسلام، فلاح کی بنیاد کوتزکیہ نفس پر رکھتا ہے اور تباہی کا باعث خواہشات نفس کی غلامی کو قرار دیتا ہے اسلیئے اس میں اصلاح معاشرے کی بنیاد تزکیہ نفس کے اوپر ہے جبکہ خواہش نفس اور تزکیہ نفس کی آپس میں جنگ ہے اسلیئے جب کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں تو ہم عہد کرتے ہیں اے خدا، اے رسول اللہؐ اور اے علیؑ ولی اللہ ہم آپ کے راستے پر چلیں گے اور آپ کے مقابلے میں آنے والوں کے مقابلے میں جنگ کریں گے باالفاظ دیگر کلمہ طیبہ پڑھنا ایک عہد ہے اسلیئے کہ ایمان فقط علم کا نام نہیں بلکہ ایمان ایک قلبی عہد کا نام ہے۔

اور مومن وہ ہے جب عہد کرتا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے اسلیئے مومن جب خدا، رسولؐ اور علیؑ حیدر کرارؑ سے عہد کرے پھر اس کے بعد اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں معذوری کا اظہار کرے تو اس میں کسی بہانے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے جب ہم سب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں ایسے رسوم و رواجات کا مقابلہ کرنا ہے جو ہوائے نفس اور خواہشات نفسانیہ کی بنیاد پر قائم ہوں جیسے بے پردگی اس کی بنیاد خواہش نفس پر ہے۔

کیونکہ مغربی معاشرۂ خواہشات نفسانیہ پر قائم ہے، جتنا زمانہ آگے بڑھتا جا رہا ہے اتنا

عریانی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور جنسی شہوت ایک ایسی مصیبت ہے جو ایک درجے پر رکنے والی نہیں ہے۔ اسلئے روایات میں جذبہ شہوت کو آگ سے تعبیر کیا گیا ہے جس شخص پر شہوت کا جذبہ سوار ہوتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ آگ کے اندر جل رہا ہے جب تک وہ جسم ختم نہ ہو اس وقت تک اس میں ٹھنڈک نہیں آتی اور جس معاشرے کی بنیاد شہوتِ جنسی پر قائم کردی جائے وہاں عریانی بڑھے گی کم نہ ہوگی! بے حیائی اور بے شرمی میں اضافہ ہوگا!

دوسری طرف اسلام اور مسلم معاشرہ ہے جو اپنی بنیاد تزکیہ نفس پر رکھتا ہے اور پاکیزگی ذہن پر رکھتا ہے وہ اس مغربی معاشرے سے یکسر مختلف ہے اسلئے کہ دونوں کی بنیاد میں بھی آپس میں اختلاف ہے۔ اسلئے وہ جدھر جائیں ہمیں اس کے منافی جانا ہوگا اور وہ جو انداز اختیار کریں ہم کو اس کی مخالف سمت میں جانا ہوگا اور اگر مشرق کو بڑھیں تو ہمیں اس کے مقابلے میں مغرب میں جانا ہوگا۔ اگر محاذ آرائی کی نوبت آئے ہمیں جنگوں سے بھی گزرنا ہوگا، لیکن رسولؐ کے قدموں کو چھوڑنا نہیں ہوگا، وہ انداز اپنانا ہوگا جو سید الرسلؐ نے اپنے معاشرے کی تشکیل کیلئے ظالموں کے چنگل سے آزاد کرنے کیلئے کیا تھا۔

غلط رسوم و رواج سے محاذ آرائی کرنے والی ملت، خود کہیں ایسے رسوم میں نہ پھنس جائے کہ پھر ان کو بھی سمجھانا پڑے کہ اے برادر جناب عالی یہ اسلام کے مطابق نہیں ہے جبکہ آپ مسلمان ہیں!؟

اسلئے فیصلہ کیجئے کہ جب دولہا، دلہن کی بارات آئے تو ڈھول بجانا، گانے گانا، رقص و سرور کرنا یہ شیطانی عمل ہے یا نہیں؟

اسلئے کے مومن دروس، مجالس، مساجد و محافل میں کچھ اور ہو اور جب اپنے بیٹے کی شادی ہو تو کچھ اور ہو۔ اس تضاد کا جواز کیا ہوگا؟

کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ ہم علیؑ ولی اللہ والے ہیں یہ کیا بات ہوئی کہ جنازہ اٹھایا جائے تو صلوات ہو اور بارات ہو تو بھی صلوات ہو!؟ کیا استدلال ہے ان

کے پاس ہے اورکیسی دلیلیں لاتے ہیں ؟ان کو جنازے پر صلوات کی ضرورت ہے بارات پر صلوات کی ضرورت نہیں ہے جو بارات صلوات کی رحمت سے محروم ہوگی وہ بارات ہوگی یا لعنت کا طوق ؟

ذوالفقار علی اور معاشرتی رواج کی گردن:

اگر ہوائے نفس کی بو کسی بھی رسم ورواج میں آجائے تو اس رسم کی گردن کاٹنا علیؑ والے کا فریضہ ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اندر تو ہوائے نفس ہوتی ہے لیکن بظاہر شرافت گا لیبل لگا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور شاید یہ انداز اس شیطان کے نزدیک اس کافرانہ، مشرکانہ، ننگے انداز سے بہتر رہتا ہے کیونکہ یہ لیپا پوتی والا منافقانہ انداز زیادہ موثر ہوتا ہے کہ ہوائے نفس کے اوپر عبادت کا لیبل چڑھا دیا جائے! ایسی صورت میں ہمیں عبادات و رسوم سے تعلق رکھنے والے ایسی رسوم و رواج کا جائزہ لینا ہوگا کہ کہیں کسی نے بنام عبادت مجھ سے ہوائے نفس پر عمل تو نہیں چاہا۔

اگر کوئی ماتمی، خواتین کو جلوسوں میں بے پردہ لے جانے کا رواج ڈالے، اب ماتمی جلوس ہے بنام امام حسینؑ یہ حقیقتاً عبادت ہے لیکن اپنی ہوائے نفس کے تحت شریف زادیوں کو سر ننگے لے جاتا ہے تو اس سلسلے میں دو باتیں ممکن ہیں کہ ایسا شخص منافق ہے یا جاہل ہے۔

اگر منافق ہے تو ہم نے اس سے گریز کرنا ہے اور اگر جاہل ہے تو اس سے بھی پرہیز کرنا ہے اسلئے اگر کوئی کسی رواج و رسم کا بانی بنے تو جائزہ لے لو وہ نہ منافق ہو نہ جاہل بلکہ اسے عالم ومتقی ہونا چاہئے اور شریعت اسلامی کے احکام و آداب سے آگاہ اور ان پر عمل میں مخلص ہونا چاہئے۔

علی سے محبت اور بغض:

شیطان خوب جانتا ہے کہ حُب علیؑ رکھنے والوں کو بغض علیؑ کا مرض تو لاحق نہیں کیا جاسکتا اور اگر وہ ایسی کوشش کرے گا تو ناکام رہے گا اسلئے وہ بدبخت حُب علیؑ میں غلو کر کے، اس

کی حدود کراس کر کے اس کو اس طرح شرک کی طرف لے جانے کی منحوس کوشش کرتا ہے اور اس میں اس کے کامیاب ہونے کا ایک امکان موجود ہے۔

علیؑ حیدر کرار کی محبت پر ایمان رکھنے والے!

.اس نکتے کی طرف متوجہ رہنا کہ اپنے ہمدرد کی بات پر یقین ہے تو پھر سمجھ لے کہ شیطان تجھے اغوا نہ کر سکے گا۔امیر المومنین علیؑ نے فرمایا:

هَلَکَ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ غَالٍ وَمُبغِضٌ قَالٍ

میرے بارے میں دو لوگوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے ایک محبت میں غلو کرنے والا اور دوسرا بغض میں میری شان کو کم کرنے والا۔

(الحدیث، نہج البلاغہ)

بغض کا حربہ ہم محبان کے خلاف شیطان استعمال نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں کامیابی کا امکان نہایت کم ہے اور دوسری طرف غال والے مسئلے میں گمراہ کرے گا کیونکہ ظاہر میں بڑا محبّ بن کر آئے گا علیؑ علیؑ کرتا آئے گا لیکن ذرا حساس رہنا، محتاط رہنا، کیونکہ اگر اس راستے پر ہلاکت کا خطرہ نہ ہوتا تو علیؑ کبھی نہ فرماتے کہ محبت میں غلو بھی ہلاکت کا موجب ہے۔

اسی لئے اس مسئلے نے ہمارے معاشرے کو مشکلات کا شکار کر دیا ہے اور معاشرے کو دو حصّوں ں میں تقسیم کر دیا ہے اور کچھ بیچارے درمیان میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان سے عرض ہے کہ کسی کی پیروی نہ کریں بلکہ علیؑ کی پیروی میں ثابت قدم رہیں۔

محبت اپنے مقام پر برقرار رکھئے غلو میں داخل ہونے کی کوشش نہ کیجئے اور اگر کوئی کہتا ہے کہ کہاں کوئی حد ہے کہ ہم اس حد تک مانیں تو جواب یہ ہے کہ ہمیں اتنا تو احمق نہ بنا، یہ حد تو ضرور موجود ہے۔

علیؑ ولی ہیں نبی نہیں، اسی طرح علیؑ ولی ہیں خدا نہیں۔

علیؑ حیدر کرار تو وہ ہیں کہ جب مناجات پر آئیں،

تو کہتے ہیں:

کفٰی بی عزا ان اکون لک عبدا ... و کفٰی بی فخرا ان تکون لی

ربا انت کما احب فاجعلنی ... کما تحب (مفاتیح الجنان)

میری عزت کیلئے اے اللہ اتنا ہی کافی ہے کہ میں تجھ جیسی ہستی کا عبد ہوں اور میرے فخر کیلئے۔اے اللہ اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔ اے اللہ میں نے تجھے ایسا پایا جیسا میں چاہتا تھا مجھے بھی ایسا بنادے جیسا تو چاہتا ہے۔

مراسم عزاداری اور شیطانی یلغار:

اسلئے ہمارے تمام مراسم عبادات جو بنام محبت محمدؐ و آل محمدؐ انجام دی جاتی ہیں عزاداری، مجالس، جلوس، مقدسات، علم با وفا اس میں محبت، احترام و عقیدت ہو لیکن حد سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

اگر ہم ذوالجناح کو امام سمجھنے لگ جائیں تو پھر ہم نے حدود سے تجاوز کیا۔ ذوالجناح مولا کی سواری کی شبیہ ہے باوفا گھوڑے کی شبیہ ہے۔ ہم سلام کرتے ہیں اس وفا کو جو اس جانور نے اپنے مولا سے کی ہے۔ اسلئے ہم عزاداری میں ایک جانور کو اس کی شبیہ کے طور پر سجاتے ہیں تو گھوڑے کی حیوانیت کو سلام نہیں ہے بلکہ اس کی وفا کو سلام ہے۔

ان تمام نکات کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے اسلئے کہ یہ ایسے حساس مسائل ہیں کہ ان پر بات کرنا اور ان کو ہضم کرنا بھی مشکل ہے ہوسکتا ہے اس سلسلے میں بازار گرم کرے اور اپنے فرائض شیطانیہ کو ادا کرنے کی کوشش کرے لیکن ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہم فقط ایک عمومی گفتگو کر رہے ہیں۔

امام کی محبت، مودت اور اطاعت حق ہے، لیکن امام لائق عبادت نہیں ہے۔ اسلئے ہمیں احترام و عبادت میں فرق کرنا ہوگا اور یہ یاد رکھنا ہوگا کہ مشکل کشا کون ہے اور مشکل کشا کی

سواری کیا ہے؟ اسلئے گمراہی کی بنیاد عمل سے پہلے عقیدہ بنتا ہے اسلئے شیطان کا حملہ عمل پر بعد میں اور عقیدہ پر پہلے ہوتا ہے۔

مجالس عزاء، عبادت خدا:

ہم عزاداری کو بنام امام حسینؑ ادا کرتے ہیں تو اس لئے کہ اس میں روح عبادات موجود رہے اب کتنا عجیب ہے ماتم حسینؑ کا ہے لیکن یہ عبادت خدا کی ہے اس طرح عجیب ربط ہے کہ مجلسِ، ذکر حسینؑ ہے اور عبادت خدا کی ہے

کیونکہ جب مجلسِ حسینؑ مظلوم سے نسبت رکھتی ہے تو وہ مولا حسینؑ کی اطاعت اور عقیدت ہے اور یہی خدا کی طرف منسوب ہے تو عبادت ہے۔

لیکن ہم الٹا چلنے لگیں کہ یہ حسینؑ کی عبادت ہے! تو یہیں سے شرک کی بو پھوٹنے لگے گی مجلس عبادت نہ رہے گی کیوں کہ اس معاملہ کا تعلق عقیدے سے ہے اور عقیدے کا تحفظ علماء کا فرض ہے، صلحاء اور منبر کا اولین فریضہ ہے اور جو اس فریضہ کو ادا نہیں کرسکتا وہ منبر پر آنے کا اہل نہیں ہے۔ بعض اوقات ہمارے معاشرے میں اہل ان کو سمجھا جاتا ہے جو عقیدے کو تباہ کرنے کی ذمہ داری لئے ہوئے ہوں۔ اس سے اجتناب ضروری ہے انشاء اللہ دین زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور معاشرے کی تطہیر کا فرض ادا کرنے والے ادا کرتے ہیں اور رہیں گے اور جو ادا کرتے ہیں پھر وہ گالیوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ سب وشتم کی پرواہ نہیں کرتے۔ کیونکہ رسولؐ اور آل رسولؐ کو بھی اصلاح معاشرہ کے لئے یہ صدمے اٹھانا پڑے تھے۔

اے علیؑ آپ کی عظمت کو سلام، بعد از رسولؐ آپ سے بڑھ کر اصلاح معاشرہ کو انجام دینے والا کوئی نہ تھا سب سے زیادہ گالیاں بھی آپ کو دی گئیں۔ آپ کے آفتاب امامت کو لاکھوں سلام، گالیاں دینے والے آپ کے آفتاب کی طرف تھوک تھوک کر اپنے چہرے کو گندا کر کے مر گئے لیکن آپ کی روشنیاں زندہ ہیں اور رہیں گی۔

بلکہ بات سب وشتم و گالیوں تک محدود نہ رہی بلکہ بات کربلا، کوفہ و شام تک جا

پہنچی۔

سیاست اسلامی

لفظ سیاست بدنام:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورۃ الحدید، آیت ۲۵)

بیشک ہم نے بھیجا اپنے تمام رسولوں کو بڑے واضح و روشن دلائل کے ساتھ اور اس کے ساتھ کتاب کو بھی نازل کیا اور حق و باطل کو تولنے کیلئے میزان بھی عطا کی تا کہ لوگ زمین پر نظام عدل قائم کریں۔

پورا نظام رسالت، نبوت، امامت و ولایت اور سارا نظام ہدایت معجزات اور علی حیدر کرار جیسے آئمہؑ کو بھیجنے کا مقصد اسلئے تھا کہ نظامِ عدل قائم کیا جائے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاءؐ تک اتنے رسولوں کو بھیجنے کا مقصد عدل کے اقدار کا قیام تھا۔

پوچھتے ہیں کہ سیاست اسلامی کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے.............؟

لفظ سیاست کو ہمارے اس معاشرے و دنیا میں اگرچہ بدنام لفظ قرار دیا جاچکا ہے لفظ سیاست کے ساتھ ایسی دشمنی کی گئی اور وہ برا سلوک کیا گیا کہ جو لفظ اچھے معنی کیلئے بنایا گیا تھا اس کو برے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا اور نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست بھی بدنام، سیاسی بھی بدنام، سیاسی اقدام بھی بدنام جو سیاست میں جائے اس کا بھی منہ کالا، سیاست کے متعلق کوئی سوچے وہ بھی بدنام حالانکہ سیاست خراب نہ تھی لیکن لوگوں نے اس کو بدنام کردیا شیطان صفت لوگوں، بے ایمان اور یزید صفت لوگوں نے ابن زیاد کے کردار والے لوگوں نے سیاست کو سیاہ بنا دیا۔

سیاست اور قیام عدل:

ورنہ !!! سیاست نام ہے قوم کی ایسی راہنمائی کا کہ جس راہنمائی کے ذریعے ملت و بشر اس ہدف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے کہ جس کو خدا نے انبیاء و رسل کی آمد کا مقصد

قرار دیا ہے اور انبیاء و رسل کا مقصد عدل کا قیام تھا اور عدل بھیک مانگنے سے قائم نہیں ہوگا عدل حکومت قائم کرنے سے قائم ہوتا ہے۔ یہ کوئی خیرات نہیں کہ ہم کاسہ اٹھا کر چلے جائیں اور کسی سے کہیں کہ ہمیں دے دو نامِ خدا پر عدالت کی بھیک۔ یاد رکھئے عدالت کے قیام کی، بھیک نہیں ملا کرتی، اس کیلئے حکومت کی ضرورت ہوتی ہے اگر حکومت نہ ہو تو عدل کے قائم کرنے کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔

حکومت کے قیام کیلئے سیاست کی جاتی ہے۔ سیاست حکومت کیلئے وسیلہ ہے، حکومت عدالت کیلئے وسیلہ ہے۔ سیاست کے زینے پر چڑھتا ہے تو پہنچتا ہے حکومت تک، لیکن کس لئے، نظام عدل کو قائم کرنے کیلئے۔ اب اگر سیاست اپنائے حکومت پر جائے اور عدل اس کا ہدف نہ ہو بلکہ ظلم اس کا مقصد ہو، دنیا ہی دنیا اس کا مقصد ہو! تو جس مقصد کیلئے جا رہا ہے جتنا وہ مقصد انسانیت سے دور اتنا ہی اس کا وسیلہ بھی، کیونکہ وسیلہ و ذریعے کیلئے وہی حکم لگے گا جو مقصد کیلئے قرار دے رکھا ہے۔

اگر مقصد ہو سیاست سے نظام عدل تک پہنچنا، اور اللہ کے بنائے ہوئے نظام و سسٹم کو اس دنیا پر نافذ و قائم کرنا تو سیاست عبادت بن جائے گی۔ لیکن اگر اس سیاست سے مقصد عدل نہ ہو بلکہ ظلم ہو، دوسروں کا حق چھیننا ہو، دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانا ہو اور ظالمانہ مقاصد کا حصول ہو تو یاد رکھئے جتنا ظلم قابل نفرت ہے اتنی اس کی سیاست بھی قابل نفرت ہوگی اور ظلم سے بڑھ کر کوئی لعنت نہیں ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک کبھی حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون ہے اور ابراہیمؑ کے مقابلے میں نمرود ہے، حضرت عیسیٰؑ روح اللہ کے مقابلے پر بے ایمان یہودی ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے سامنے ابولہب اور ابوجہل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں ایک طرف نجس ذہن کے لوگ تو دوسری طرف مصطفائی شخصیات اور ان کے پیروکار نظر آئیں گے۔

سیاست اور ظلم:

فرعون ہو یا نمرود وہ ظلم کا پیکر، معاشرے میں ظلم کا ترجمان، ظلم کرنے والا، ظلم کی چکی چلانے والا، ہر ایک کے حقوق کو تلف کرنے والا، اپنی خواہشات شیطانیہ اور ہوائے نفس کیلئے کرسی کو وسیلہ بنانے والا کوئی بھی ہو، قرآن نے نمرود کو نمرود کی ذات یا فرعون کو اس کی ذات کے حوالے سے بیان نہیں کیا بلکہ ان کو انتہائی گھٹیا، سیاسی شخصیت کے حوالے سے پیش کرنا چاہا ہے تاکہ ہمیں یاد رہے کہ جو کوئی اس مقصد کو لے کر آگے بڑھے گا وہ آج کا نمرود وفرعون ہوگا اور جو ان کے مقابلے میں آئے گا گویا اُسے ابراہیمؑ، موسیٰ وعیسیٰ کا مقام حاصل ہوگا جو کسی بھی یزید وقت کے مقابلے میں آنے والے کو حاصل ہونا چاہئے۔

ایک ہے عدالت والا ہدف دوسرا ہے ظلم والا مقصد۔ جو عدلِ خداوندی کو اپنا مقصد قرار دے کے قدم اٹھاتا ہے اور سیاست کے زینے پر قدم رکھتا ہے تہجد گزار کی نماز شب کا اتنا اجر نہیں ہے جتنا ثواب اس سیاست مدار کی سیاست کا ہے۔ اور اگر برعکس مقصد ہے اور وہ ظلم کو رواج دینا چاہتا ہے سمجھ لیجئے کہ اس کا سیاست کی وادی میں قدم رکھنا یزیدیت کی راہ پر چلنا ہے۔

اے سیاست کو اپنی زندگی کا ہدف قرار دینے والے! اپنے دن رات کو وقف کرنے والے، دیکھ سیاست کی پُرخار وادی قابل فخر بھی ہوسکتی ہے اور قابل نفرت بھی۔

امیرالمومنین پاکیزہ سیاست مدار:

امیرالمومنین علیؑ فرماتے ہیں:

ولألفيتم دنياكم هذه أزهد عندى من عفطة عنز (نهج البلاغه)

تمہاری یہ دنیا (امارت وحکومت) میری نگاہ میں بھیڑ کی ناک کی غلاظت سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے۔

ایک مرتبہ ابن عباسؓ مقام ذی قار پر امیرالمومنینؑ کے خیمے میں داخل ہوتے ہیں اور یہ منظر دیکھ کر حیران ہوجاتے ہیں کہ علیؑ مولا جو کہ اس وقت کے حاکم وقت ہیں اپنے ہاتھوں سے

اپنی نعلین کو پیوند لگا رہے ہیں!

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؑ نے مجھ سے پوچھا: اس جوتے کی کیا قیمت ہے؟

میں نے عرض کی: اس کی تو کوئی قیمت نہیں! تو فرمایا:

واللہ لھی احب الی من أمرتکم الا ان اقیم حقا أو أدفع باطلا

اللہ کی قسم! یہ بے قیمت نعلین میری نگاہ میں تمہاری اس حکومت سے زیادہ محبوب ہے، مگر یہ کہ میں اس حکومت کے ذریعے حق کو قائم کروں یا باطل کو ختم کروں۔

تو اس فرمان کے ذریعے علیؑ نے اس سوال کا جواب بھی فرمادیا کہ جب حکومت اتنی بے قیمت ہے تو آپ حکمران کیوں بن گئے تو علیؑ اس کا جواب دیتے ہیں۔علیؑ فرماتے ہیں:

اگر مظلوم کا حق ظالم سے چھین کر مظلوم تک پہنچانے کیلئے حکومت کے علاوہ کوئی راستہ ہوتا تو علیؑ کبھی حکومت پر آنا ضروری نہ سمجھتا۔

(نہج البلاغہ)

اس کو پڑھنے والو! اور سننے والو!

اس لحاظ سے نہ دیکھو کہ علیؑ کے فضائل پڑھے جارہے ہیں بلکہ اس پہلو سے دیکھو کہ ایک پاکیزہ سیاست مدار اور معصوم سیاستدان کا سیاسی درس مل رہا ہے کہ اگر حکومت ملے تو کیسی سیاست کرو۔

کسی کا حکومت کے پیچھے بھاگنا اور ہے اور حکومت کا کسی کے پیچھے بھاگنا اور ہے سیاست اسلامی یہ ہے کہ علیؑ شوریٰ میں حاضر ہیں خلیفہ دوم نے تشکیل دی ہے اور فیصلہ یہ کیا ہے کہ اس چھ رکنی کمیٹی پر فرض ہے کہ یہ اپنے میں سے کسی ایک کو مسلمانوں کے حاکم کے طور پر متعارف کروائیں اور اگر تین دن کے اندر اپنے میں سے کسی ایک فرد کو بحیثیت حکمرانِ اسلامی کے پیش نہ کرسکیں تو یہ چھ کے چھ واجب القتل ہیں!!؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شخصیات کس مقام پر ہیں کہ ایک طرف تو اس لائق ہیں کہ اسلامی حکمران بنائی جائیں اور دوسری طرف یہ کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے (اس نکتے کی گہرائی پر غور کرنا چاہئے!) پھر آخری فیصلہ کیا ہوا؟

علیؑ حیدر کرار کے سامنے اقتدار کیلئے کچھ شرائط پیش کئے گئے اگر تم ان تین شرائط پر اقرار کرلو تو اقتدار تمہارے حوالے کر دیا جائے گا اور آپ کی بیعت کرلی جائے گی۔ وہ یہ کہ اپنی حکومت قرآن کے مطابق چلاؤ گے، اپنی حکومت رسول اعظمؐ کی سنت کے مطابق چلاؤ گے، اور تم سے پہلے جو دو شخصیات گزر چکی ہیں۔ اپنی حکومت ان کی سیرت کے مطابق چلاؤ گے!

اب دیکھیں سیاست اسلامی سیاست علوی و حیدری کیا ہے...............؟

فرمایا:

قرآن و سنت بہ سر و چشم قبول، تیسری شرط جو آپ بیان کر رہے ہیں اگر وہ قرآن و سنت کے مطابق ہے تو اسے علیحدہ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر قرآن و سنت کے مطابق نہیں تو میرے لئے واجب الاتباع نہیں۔ میں قرآن و سنت تم سب سے زیادہ بہتر جانتا ہوں اسلئے قرآن و سنت کی تابعداری کا وعدہ کرسکتا ہوں لیکن قرآن و سنت کے علاوہ اپنی حکومت کے بنیادی دستور کے طور پر کسی اور شرط کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوں۔

اقتدار کو چھوڑا جاسکتا ہے خلاف وعدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ میرے اپنے اصول حکومت ہیں۔ اقتدار کا حصول ہرگز میرا مقصد نہیں ہے بلکہ عدل کا قیام میرا مقصد ہے میں کیسے اس شرط کو مان لوں، جس کا تعلق عدل کے قیام سے نہ ہو؟

غیر اسلامی سیاست کا نام ہے مکاری، وعدہ خلافی، بے وفائی، بدعہدی لیکن اسلام میں سیاست اتنی ہی پاکیزہ ہے جتنا خود اسلام پاکیزہ ہے۔ سیاست کا مقصد اتنا ہی عالی ہے جتنا کے خود اسلام عالی ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِندَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(سورۃ الصف، آیت ٣)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ غضب اس امر پر آتا ہے کہ تم کہتے کچھ ہو اور کرتے کچھ ہو۔

سیاست اور امام زمانہ:

اسلام بغیر سیاست کے نہیں، اسلام کا ہدف و مقصد سیاست کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، پردۂ غیبت میں بیٹھنے والا بھی اس کائنات کا سب سے بڑا سیاسی ہے۔ ہم سب کا ایمان ہے کہ جب حضرت امام مہدی قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف آئیں گے تو دنیا ظلم و جور سے پر ہو چکی ہوگی۔ وہ آئیں گے اس ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور اس زمین کو عدل و انصاف سے پر کردیں گے۔

سلام ہو تجھ پر اے کفر وطغیان کو جڑ سے اکھاڑ پھیکنے والے، سلام ہو تجھ پر اے ہر قسم کے ظلم و عدوان کو ختم کرنے والے۔

ہماری اللہ سے دعا ہے کہ آپؑ کو جلدی بھیجے............... امام زمانہؑ کی آمد کی دعا بے مقصد دعا نہیں۔ اگر آپ کے دل میں عدل کے قیام سے محبت نہیں ہے تو پھر امامؑ کے ظہور کی دعا مانگنے کا حق نہیں ہے، اسلئے کہ امامؑ آئیں گے عدل کے قیام کیلئے اور اگر آپ دعا میں سچے ہیں تو بتایئے کہ کہیں عدالت آپ کو بھاری تو نہیں پڑے گی ؟!، عدالت اس کو بھاری پڑتی ہے جس کے اپنے یہاں ظلم روا ہو جتنا ظلم زیادہ اتنی عدالت بھاری!

ظلم دس روپے کا ہے تو عدالت دس روپے بھاری، دس کروڑ کا ہے تو عدالت بھی دس کروڑ بھاری، جب امامؑ آئیں گے تو دس کروڑ کے دس کروڑ واپس لیں گے یا دس روپے کے دس روپے لیں گے؟ فقط غیر مسلموں اور دوسروں کیلئے نہیں آئیں گے بلکہ ہر اس کیلئے آئیں گے جس کے یہاں ظلم ہوگا، ظالم پر تلوار چلے گی اور مظلوم کو نجات دلائیں گے جس کے یہاں ظلم

ہو، چاہے ظلم ذاتی معاملات میں ہوں یا قومی معاملات میں اس کو ظلم کی سزا پانا ہوگی۔

اسلئے اے اونچی آواز سے دعا مانگنے والے!

ذرا دائیں بائیں، اندر باہر ہر طرف دیکھ لے کہیں اپنا لباس ظلم کا تو نہیں؟ گھر، زمین اور مال ظلم کا تو نہیں؟ کہیں عادت میں ظلم کا خوگر تو نہیں؟ دعا ضرور مانگ مگر اس سے پہلے اپنے آپ کو پاک کر لے ایسا نہ ہو جلدی آ جائیں اور تیرا حساب پاک کر دیں!

خدا نے جس کو پردہ غیبت میں بٹھا رکھا ہے لیقوم الناس بالقسط کی آخری تعبیر وہی ہے۔

ان ہستیوں سے محبت دراصل عدالت سے محبت ہے ان کی ولایت دراصل عدل کی ولایت ہے ان کا انتظار دراصل عدل کا انتظار ہے۔ ان کا انتظار ظلم کے ساتھ دشمنی کی نشانی ہے اور عدل کے ساتھ محبت کی علامت ہے۔

ہمیں آج سے ہی سیاست برائے عدالت کا عادی ہو جانا چاہئے تا کہ جب آنے والا آئے تو ہم اس کے گورنر بن سکیں۔ یاد رکھئے حضرت سلمانؓ فارسی جیسے بھی گورنر بن جاتے ہیں۔ جب مدائن کا گورنر بنا کر ان کو بھیجا گیا اور مدائن والے ان کے استقبال کیلئے شہر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ اب ہوا یہ کہ حضرتِ سلمان فارسیؓ آرہے ہیں ایک ڈنڈا ہے اور اس کے اوپر گٹھڑی ڈالے ہوئے پہنچ گئے۔ آگے بہت بڑا استقبالیہ جلوس کھڑا ہوا ہے۔

جب وہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے ایک گورنر کو یہاں آنا تھا آپ نے ان کو دیکھا ہے؟ سلمانؓ نے کہا کہ آپ کے گورنر کا نام کیا ہے؟ نام سلمان فارسیؓ ہے۔ کہا میرا ہی نام سلمان فارسیؓ ہے۔ ایسے بھی گورنر ہوں گے لیکن گورنر کیلئے کوئی شاہانہ طرز کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ اس کیلئے تو ایک عصاء اور گٹھڑی ہی کافی ہے دراصل اس میں روحِ سلمانی چاہئے اس میں کردار ابوذری چاہئے اس میں کمالِ غلامئِ حیدر چاہئے۔

عدل اجتماعی و انفرادی:

اگر ہم چاہتے ہیں کہ آنے والا جلدی آئے تو جتنا ہمارا دائرہ کار ہے اتنا عدل کریں،

اگر بیوی بچے ہیں تو وہاں تک عدل کر، کسی ادارے تک ہے تو وہاں تک عدل کر، اگر کسی دکان تک ہے تو وہاں تک ۔عدل اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔اگر اتنا کرسکے تو پھر ہم بھی آج کے امامؑ کے سلمان و ابوذر بن سکتے ہیں۔

عدالت کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ دائرہ حکومت وسیع ہو اگر ہم آج اپنے بدن کی کائنات پر عدل نہیں کرسکتے تو پھر ہم کائنات پر عدل قائم نہیں کرسکتے اگر آپ اپنے ساتھ انصاف کرتے ہیں تو ہر ایک کے ساتھ انصاف کرسکتے ہیں اور اگر آپ انصاف کریں گے تو مولا کے ساتھی بن سکیں گے اور آپ مولا کی محبت سے شرفیاب بھی ہوسکیں گے۔

پھر عین ممکن ہے ادھر سے اعلان ہو بقیت اللہ کا ظہور ہوا ہے اُدھر آپ کے دل کا جذبہ آپ کو معجزانہ طور پر بیت اللہ کی دیوار تک پہنچائے اور آپ ان میں سے ہوں جن کو امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی توفیق نصیب ہوجائے۔

یہ سسٹم فقط زبانی نعروں، تسبیحوں، زبانی گفتگو سے نہیں ہوگا بلکہ اس کیلئے کردار کی پاکیزگی چاہئے، عدالت اپنی حقیقت کو خود روشن کرتے ہوئے نظر آئے اگر آپ کے اندر یہ بات موجود نہیں ہے تو پھر آپ حسینی نمائندہ نہیں بن سکیں گے۔

ظلم سے ٹکرانا، حسینیت:

ظلم سے ٹکرا جانے کا نام حسینیت ہے۔ وقت کی یزیدیت کو شکست دینے کا نام ہے، جتنا وقت کا یزید طاقتور ہو اتنی ہی ہمت ہونی چاہئے وقت کے حسینؑ میں، اتنی ہی عظمت ہونی چاہئے اس کے رفقاء اور ساتھیوں میں، اسی لئے امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں پر بھروسہ کرتے ہوئے ۲۸ رجب سے جو سفر شروع کیا تھا، اسی میں انہوں نے اپنے رفقاء کی پاکیزگی پر نظر رکھنا شروع کردی۔ کہیں بھی کوئی ایسا رفیق اس کارواں میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتا جس کے کردار میں اس قسم کی طہارت موجود نہ ہوتی تو امام حسینؑ نماز کے بعد کھڑے ہوجاتے اور کہتے ہیں کہ لوگو! میں کسی ایسی جنگ کیلئے نہیں جارہا جس میں کوئی مالِ غنیمت ملنے والا ہو اور جہاں مال کی

تقسیم مراد ہو جو کوئی اپنے کو اس منزل پر پائے کہ جو اپنی جان دین کے راستے پر قربان کر سکے ایسے شخص کو ہمارا ساتھ دینا چاہئے اسلئے امام حسینؑ ہر جگہ اس قسم کی آزمائش کرتے اور طاہر و مطہر رفقاء ساتھ لیتے اور بڑھتے رہے تا آنکہ وہ وقت آیا کہ عاشور کی شب آئی اور آپ نے آخری مرتبہ اپنے ساتھیوں کا پھر امتحان لیا۔

فرعو نیت زدہ معاشرے میں کردارِ آسیہ خواتین کے لئے نمونۂ کامل ھے

نظام ہدایت اور خواتین:

انسانیت کا کارواں بغیر زن و مرد کے کبھی بھی اپنی منزل کی طرف بڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اسی لئے خدا نے سب سے پہلا فرد ابوالبشر حضرت آدمؑ کو بنایا تو وہاں اسکے ساتھ ساتھ سب سے اوّل خاتون حضرت جناب حوّا ؑ کو قرار دیا حضرت آدمؑ کی تخلیق بغیر حضرت حوّا ؑ کے تکمیل تک نہیں پہنچی۔ اور اگر سلسلہ نسلِ انسانی آگے بڑھا تو حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا ؑ دونوں کے وسیلے سے آگے بڑھا جہاں انسانی نسل بغیر مرد و زن کے آگے نہیں بڑھ سکی وہاں انسانی کمال، انسانی فلاح، انسان کی سعادت، عظمت، عزت، ہدایت کی معراج بھی بغیر زن و مرد کے کبھی حاصل نہیں ہو سکا یہی وجہ ہے کہ اسلام، دین و قرآن میں جتنا بڑا مقام مردوں کو دیا گیا ہے اتنی ہی عزت و کرامت خواتین کو بھی دی گئی ہے۔

خدا نے قرآن میں فرمایا ہے!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۰)

ہم نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو بڑی عزت والا اور بڑی کرامت والا قرار دیا ہے اور ہم نے انھیں خشکی اور سمندر میں سواریاں دی ہیں اور ہم نے انھیں بہترین اشیاء بطور رزق عطا کی ہیں اور ہم نے ان کو اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

کردارِ خواتین کربلا:

جبکہ خواتین معاشرہ کا اہم رکن ہے تو انھیں بھی اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے نظام ہدایت کبھی کامیاب نہ ہو سکا مگر خواتین کی مدد اور نصرت سے، آج جبکہ ہم کربلا کے

تذکروں کے ماحول میں ہیں تو میدان کربلا میں بھی کربلا اس وقت تک کامل نہیں ہوئی اور اپنے مشن و مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی جب تک کے حضرت امام حسینؑ نے اپنے کارواں اور عظیم قافلے میں اپنے خیر خواہ، مخلص، جانثار، مجاہد اور وفا شعار مردوں کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریوں اور اپنے مقصد کو سمجھنے والی اور ہر قسم کی قربانی کیلئے آمادہ و تیار خواتین کو بھی اپنے کارواں کا حصہ نہ بنایا! کربلا بننے میں جہاں امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباس علمدارؑ اور علیؑ اکبر جیسے وفا شعار، جانثار مرد مخلص حاصل تھے تو وہاں حضرت زینب کبریٰؑ، حضرت اُمِ کلثومؑ، حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ، حضرت سکینہ بنت الحسینؑ، حضرت فضہؒ، حضرت ام ربابؑ، حضرت اُم لبنینؑ اور حضرت ام لیلیٰ اور اس قسم کی دیگر وفا شعار اور اسلام کیلئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے والی خواتین کی نصرت بھی حاصل تھی یہی وجہ ہے ہم محرام الحرام میں جہاں عشرہ امام حسین علیہ السلام منانا اپنا فرض سمجھتے ہیں وہاں عشرہ زینب کبریٰؑ منانا بھی اپنی عظیم ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

تمام خواتین اس امر کی طرف متوجہ ہیں اور اگر خواتین اپنے اس فرض کو سمجھیں اور ادا کریں جو اللہ نے ان کے دوش پر ڈالا ہے تو جس قوم کی خواتین احساس ذمہ داری اور شعوری طور پر بلند مقام حاصل کر لیتی ہیں اس قوم کو اپنے مشن میں بلندی اور ترقیوں کو حاصل کرنے میں کوئی طاقت روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اسلام کے دو پر:

ہمارا ایمان ہے کہ دیندار قوم کے دو پر ہیں ایک مرد اور دوسری عورت، اسلام نے اگر اصول دین کو اپنے دین کی بنیاد بتلایا ہے تو ان اصول دین پر جس قدر ایمان رکھنا مردوں پر فرض ہے اتنا ہی ایمان رکھنا خواتین پر بھی فرض ہے معرفت توحید، معرفت صفاتِ خدا، معرفت افعالِ الہٰی، معرفت معبود برحق ان تمام معرفتوں میں اگر مرد کامیاب ہو سکتا ہے اور ہوا ہے تو خواتین کو بھی اس میں کبھی پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جب اللہ نے قرآن مجید میں چاہا کہ وہ ایمان کا نمونہ پیش کرے اور ایمان کی ایک مثال مومنوں کے سامنے رکھے۔

قرآن کی نظر میں دو مومنہ خواتین:

تو فرمایا:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اہل ایمان کیلئے بطور مثال پیش کرتا ہے فرعون کی زوجہ کو جب اس نے عرض کیا میرے رب ! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے حکومتی ارکان سے نجات دے اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔ اور (مثال پیش کرتا ہے) مریم دختر عمران کی جس نے اپنی پاکدامنی کی خوب حفاظت کی۔ تو ہم نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی۔

بڑے بڑے مومن مرد اور شخصیتیں اللہ کی زمین پر زندگی گذار گئیں لیکن وہ قرآن جو قیامت تک آنے والوں کیلئے ہدایت کا ضامن ہے اس میں رب کائنات نے ایمان کا نمونہ جب پیش کرنا چاہا تو مردوں میں سے بطور مرد کسی کو نمونہ پیش نہیں کیا بلکہ خواتین میں سے دو خواتین کو بطور نمونہ پیش کیا جن میں سے ایک حضرت آسیہؓ جسے فرعون کی ملکہ بننے کا مقام حاصل ہوا اور دوسری حضرت مریمؑ بنت عمران جنھیں حضرت عیسیٰؑ روح اللہ جیسے اولوالعزم نبی کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا جائزہ لیجئے خداوند کائنات نے اگر دو عورتوں کو بطور نمونہ ایمان پیش کرنا پسند کیا ہے تو اس نے خود اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:۔

اے مردو! تمھیں معلوم ہونا چاہئے جب ایمان کی دوڑ لگے ایمان میں سبقت کا سوال پیدا ہو تو یہ نہ سمجھنا کہ مرد ہی ہمیشہ اس میں آگے بڑھ سکتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے ایک عورت ہو، اس کا شوہر فرعون جیسا طاغوت ہو، جو نہ فقط رب کا انکار کرے بلکہ وہ اپنی ربوبیت کا اعلان کرے اور اسے اپنی رعایا سے منوائے ایسے فرعون کے گھر میں رہ کر وہ عورت ایمان کی اس منزل پر پہنچی ہے کہ قیامت تک کیلئے خدا نے اس کے ایمان کو آئندہ نسلوں کیلئے نمونہ بنا کر پیش

کردیا ہے۔

اس سے ہمیں سمجھ آیا کہ ہوسکتا ہے ایک خاتون اور اس کا ماحول انتہائی بے ایمانوں پر مشتمل ہو، ہرطرف گمراہی ہو، فسق و فجور ہو، کفر و شرک ہو، لیکن وہ ایماندار خاتون اگر اپنے ایمان کو محفوظ رکھنا چاہے تو اس کو ایسے قلعے میں بند کرسکتی ہے کہ کوئی فرعونی طاقت اس کی دیوار کو گرا کر اس کے ایمان کو لوٹنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

کردار آسیہ:

غور کریں اس وقت تو فرعون کا ایک گھر تھا اس میں ایک آسیہ تھی جس کے گردونواح میں انتہائی طاغوتی ماحول تھا لیکن اس نے اپنے ایمان کو محفوظ رکھا لیکن آج پورا ماحول اس دنیا میں فرعون زدہ ہو چکا ہے یہ سارا ماحول فرعونی زہر سے آلودہ ہوتا جا رہا ہے مغرب و مشرق کی قوتیں ، یزیدی قوتیں، فرعونی طاغوتی قوتیں آج ایسی ترقی یافتہ چیزوں پر قادر و قابض ہو چکی ہیں کہ ان بدبختوں نے اپنی اس ساری شیطانی قوت کے ساتھ اس زمین پر بسنے والے انسانوں کے خلاف فسق و فجور اور کفر و شرک، بے ایمان، بے حیائی، بے شرمی، بے پردگی، بے عفتی کو پھیلا رہے ہیں۔ اور ماحول کو غلیظ ترین بنا رہے ہیں۔

آج جبکہ ہوا کے دوش پر گمراہی سفر کرتی ہے، لہروں کے اوپر فسق و فجور سفر کرتا ہے ، آج کے گانے دنیا کے ایک کونے سے اٹھتے ہیں اور پوری دنیا میں اس کی آواز سنائی دیتی ہے غلیظ تصویریں ایک کمرے سے بلند ہوتی ہیں اور ر پوری دنیا میں پھیل جاتی ہیں۔

فوجی، سائنسی، ذرائع ابلاغ ، میڈیا کی قوت نے ان شیطانی مناظر کو پوری دنیا میں پھیلانے پر مکمل طاقت حاصل کر لی ہے تو کیا اس کے مقابلے میں ہمارے پاس کوئی ایسی مثال ہے جس کے ذریعہ ہم فرض کرسکیں کہ بے شک ماحول فرعونی کیوں نہ ہو جائے، یزیدی کیوں نہ بن جائے پھر بھی اگر کوئی اپنے ایمان کو بچانا چاہے اپنی عفت، پردہ ، حیاء ،شرم کو اور اپنے ایمان اور کردار کی طہارت کو اور تقویٰ کو محفوظ کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن ہے یا نہیں ؟ تو گویا قرآن ہمیں

ایسی مثال دیتا ہے اور ایک نمونہ پیش کرتا ہے کہ اگر آسیہ فرعون کے ماحول میں اپنے تقویٰ و ایمان کو محفوظ رکھ سکتی ہے تو آج کل کی فرعونی اور یزیدی فضاؤں میں بھی حضرت زینب کبریٰ کے پاکیزہ کردار پر یقین رکھنے والی خواتین بھی اس ماحول کا مقابلہ کرسکتی ہیں ،اور اس زہریلی فضا کے اندر اپنے ایمان وتقویٰ کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوسکتی ہیں، شرط یہ ہے کہ ان کا ارادہ پختہ ہو، قلب خالص ہو، وہ معرفت الٰہی کے بلند مرتبہ پر فائز ہوں وہ اپنے دل میں یہ عزم کر لیں کہ جیسا بھی بُرا ماحول ہو ہم اپنے اندر برائی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حسینیت ایک قلعه:

حسینیت ایک ایسا قلعہ ہے کہ جو خاتون اس قلعہ میں پوری طرح داخل ہو جائے تو پھر کوئی یزیدی و فرعونی قوت نہ اس سے ایمان لوٹ سکتی ہے نہ حیاء ، شرم اور پردے کو چھیننے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔

اگر یہ دین مبین بچا ہے تو ان خواتین کے کردار کے صدقے میں بچا ہے جنھوں نے سنگین ماحول میں بھی خون بہانے والے گورنروں کا مقابلہ کیا ہے آلِ محمدؐ کی خواتین کربلا کے علاوہ تاریخ میں متعدد ایسی خواتین کے واقعات موجود ہیں جنھوں نے کوفہ جیسے سنگیں ماحول میں حجاج بن یوسف جیسے درندہ صفت گورنر کے دور میں بے مثال اور پاکیزہ زندگی گذاری ہے درباروں میں انھیں بلایا گیا تو انھوں نے کبھی بھی اپنے ایمان کو نقصان پہنچانے کی اجازت اس قسم کے گمراہوں کو بھی نہیں دی بلکہ ان کو بھرے دربار میں ذلیل وخوار کیا ہے۔

مومنه خاتون اور ظالم گورنر:

کیسی عجیب وغریب قسم کی خواتین تھیں وہ جن کو یقین ہوتا تھا کہ وہ ظالم حُب آل محمدؐ کے جرم میں ہمیں سزائے موت دیں گے تو وہ اپنے گھر سے غسل میت کر کے اور کافور مل کر نکلتی تھیں اور جب دربار میں ان کو حاضر کیا گیا تو اس خاتون کے بدن سے کافور کی خوشبو اس گورنر تک پہنچی اس نے اس خاتون سے پوچھا کیا تیرے بدن سے کافور کی خوشبو آرہی ہے؟ اس

نے کہا ہاں !تو گورنر نے کہا تو کیوں کافور لگا کر آئی ہے ؟خاتون نے کہا کہ میں اسلئے کافور مل کر آئی ہوں کہ میں نے محبت علیؑ کو چھوڑنا نہیں جبکہ دربار میں اس کی سزا سزائے موت ہے اور مجھے یقین نہیں کہ میری موت کے بعد کوئی مجھے غسل بھی دے گا کوئی حنوط بھی کرے گا یا نہیں اس لئے میں یہ سارے کام خود ہی کر آئی ہوں۔

ایسی خواتین اس دور میں تھیں جب تعلیم زیادہ نہ تھی باقاعدہ مدارس نہ تھے جبکہ گھروں میں بیٹھ کر درس دیا جاتا تھا ایسی خواتین بھی تاریخ میں موجود ہیں کہ جب علمی ماحول گرم ہوا اور مناظرے کا وقت آ گیا تو انھوں نے بڑے حکمرانوں ، بادشاہوں اور علماء کا منہ بند کر دیا اور وہ لوگ جو مخالف مکتب کی نمائندگی کیا کرتے تھے ان کی تمام دلیلوں کو مسترد کر دیا۔

ایسے ہی دور میں ایک خاتون ایسی بھی تھی جس نے سنا کہ ایک شخص وہ دعویٰ کر رہا ہے جو علیؑ امیر المومنینؑ نے کیا تھا تو وہ خاتون باپردہ ہو کر اس کی مسجد میں چلی جاتی ہے اور اس سے سوال کرتی ہے مجھے اتنا بتا کہ ایک صحابی ہے جو مدینہ منورہ میں فوت ہو رہا ہے اور دوسرا اصحابی ہے جو مدائن میں فوت ہو گیا ہے مدینہ والے صحابی کی نماز جنازہ علیؑ نے وہاں ہوتے ہوئے نہیں پڑھائی اور مدائن والے صحابی کی نماز جنازہ مدینہ سے مدائن پہنچ کر پڑھا رہے ہیں! آخر ان دو صحابیوں کے درمیان وہ کون سا فرق ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب نفس رسول بھی ہیں رسولؐ کے بھائی بھی ہیں اور سب سے بڑے صحابی بھی ہیں ایک صحابی فوت ہوتا ہے گھر کے پاس اس کی نماز جنازہ علیؑ نہیں پڑھاتے اور دوسرا صحابی فوت ہوتا ہے تو مدائن میں علیؑ اس کے جنازے کیلئے وہاں پہنچ جاتے ہیں آخر یہ فرق کیا ہے؟!

وہ جو سلونی سلونی کا دعویٰ کر رہا تھا اس شخص کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اسلئے اس نے اس خاتون سے پوچھا تو جو اپنے گھر سے باہر آئی ہے کیا اپنی مرضی سے باہر نکلی ہے ؟اور ساتھ ہی یہ جملہ بھی کہہ دیا کہ اگر تو اپنی مرضی سے باہر آئی ہے تو لائق لعنت ہے اور اگر تیرے شوہر نے باہر جانے کی اجازت دی ہے تیرا شوہر لائق لعنت ہے!

فوراً وہ خاتون جواب میں کہتی ہے ، مجھے اس قسم کے جملے کہنے والے کیا میں تجھ سے پوچھ سکتی ہوں کہ بتا وہ خاتون جو علیؑ مولا کے مقابلہ میں اونٹ پر چڑھ کر آئی تھی وہ اپنی مرضی سے آئی تھی یا اپنے شوہر کی مرضی سے آئی تھی ؟اگر وہ اپنی مرضی سے آئی تھی تو اس کیلئے بھی وہی جملے بول جو تو نے میرے لئے بولے تھے اور اگر وہ اپنے شوہر کی مرضی سے آئی تھی تو اس کے شوہر کیلئے بھی وہی جملے بول جو کہ تو میرے شوہر کیلئے بول رہا ہے اور تجھے بھی تیرا ایمان اجازت نہ دے گا کہ تو اس خاتون کے شوہر کیلئے یا اس خاتون کیلئے اس قسم کے جملے بولے!! خاتون کے اس علمی جواب کے مقابلے میں وہ سلونی سلونی کا دعوے دار منہ بند کر کے رہ جاتا ہے، سر نیچا کر لیتا ہے اور پھر اونچا کرنے کی کوئی جرات نہیں ہوتی۔

ولایت آل محمد سے وابستہ خواتین کا عارفانہ کردار:

ہم اپنی خواتین کا جائزہ لیں، اور اپنے علوم کا جائزہ لیں، ہم اپنی معرفت، حالات کا جائزہ لیں، کیا ہماری خواتین اپنے قلب اور ذہن کے اندر اس قسم کی علمی قابلیت محسوس کرتی ہیں؟ اگر محسوس کرتی ہیں تو خوش بخت ہیں۔ اور وہ خواتین جو اپنے پردے میں رہتے ہوئے ایسے عالموں کو بھی لاجواب کر سکتی ہیں جو علیؑ ولی کے مقابلے میں اپنے علیحدہ مکتب قائم کرتے ہیں۔اور اگر ایسی بات اپنے قلب میں محسوس نہیں ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایسا ماحول قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے جس میں ہماری خواتین علم القرآن ، علم الحدیث ، اصول و فروع دین کا علم اور اس کے صحیح مفاہیم سے آراستہ و پیراستہ ہو جائیں۔ بے شک وہ امور خانہ داری میں بھی اپنے فرائض کو انجام دیں کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ جو امور خانہ داری کو انجام دے وہ اپنے ایماں کو ناقص کر دے بلکہ جہاں اپنے امورخانہ داری کو چلانا چاہئے وہاں اپنی آخرت کو بھی مکمل آباد کرنے کی فکر کرنی چاہئے اس نکتہ کی طرف توجہ سب کو دلانا چاہئے!

عزاداری، حسینیت کا پلیٹ فارم:

خدا کی قسم حسینیت اور عزاداری کے نام پر ہمیں جو بہترین عبادت حاصل ہوئی تھی،

اس کو صحیح طریقہ پر استعمال کیا جاتا اور حسینیت کے پلیٹ فارم سے صحیح استفادہ کیا جاتا، تو آج بہت سی مشکلیں حل ہو چکی ہوتیں، کسی قسم کی محرومیت اور دینی و اصولی مشکل محسوس نہ ہوتی۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم نے حسینیت کے اس منبر کو اور اس پلیٹ فارم کو اس طرح استعمال نہ کیا جیسا کہ کرنا چاہیئے تھا!

ہر خاتون میدانِ جہاد و میدان جنگ میں نہیں جاسکتی لیکن اس کے اپنے گھر کی چار دیواری اس کیلیئے میدان جہاد ہے اولاد کی تربیت، اپنے شوہر کی تابعداری، اور حوصلہ افزائی یہ اسلام میں بہت بڑی عبادت ہے بلکہ میدانِ جنگ میں لڑنے جیسی عبادت ہے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ امور خانہ داری میں کوئی خاتون اتنا مگن نہ ہو جائے کہ اس کو اپنی نماز یاد نہ رہے، روزہ یاد نہ رہے، احکام نجاست و طہارت کا علم نہ ہو، فرائض آخرت کی طرف توجہ نہ ہو، یہ سب کچھ آخرت کیلیئے ہے۔

اگر خواتین علم و عمل کا پیکر بن جائیں تو ایسی نسل پراون چڑھتی ہے، ایسی قوم وجود میں آتی ہے اور ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے کہ رب العزت کی نصرت نازل ہونے لگتی ہے، دینوی نعمتیں نازل ہوتی ہیں، رحمت و برکت گھر کر لیتی ہے۔

اسلام کا بول بالا ہوتا ہے۔ اور دشمن اسلام طاقتوں کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور پھر آخرت کی کامیابیاں مقدر بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم غلامانِ آل محمدؐ و کنیزانِ خواتینِ خاندانِ تطہیر کو ان کے پاکیزہ کردار کی راہوں پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔

آمین ۔ یارب العالمین

مظلومیتِ قرآن

رسول کا استغاثہ، قرآن کے حق میں:

قرآن مجید کے حوالے سے ایک بہت بڑا استغاثہ ہے، ایک بڑی فریاد ہے ،دوسرے الفاظ میں بہت بڑا کیس اور مقدمہ ہے جو پاک رسولؐ نے اپنی قوم کے خلاف دائر کرنا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں !

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْآنَ مَھْجُوْرًا

(سورۃ الفرقان آیت ۳۰)

اے میرے اللہ میری اپنی قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا (القرآن)

ہمیں اس امر کی طرف پوری طرح توجہ رکھنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا پاک رسولؐ درگاہِ احکم الحاکمین میں استغاثہ کرے جس کو وہ ان الفاظ سے تعبیر کر رہے ہوں خدانخواستہ ہم سے کوئی اس کی زد میں نہ آئے! کم از کم ہم اپنے کردار کے ساتھ یہ ثابت کر دیں کہ اے اللہ ہم نے تیرے قرآن کو نہیں چھوڑا تھا ،چھوڑنے والے کوئی اور تھے کیونکہ ہمارا امتیاز ، شناخت ، پہچان یہ ہے کہ ہم منسوب ہیں علیؑ حیدر کرار کی طرف اور علیؑ مولا وہ ہستی ہیں جن کے متعلق رسولؐ نے فرمایا تھا !

علی مع القرآن و القرآن مع علی

علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ (حدیث)

اور ہماری نسبت رسولؐ کے اہل بیتؑ کی طرف ہے اور رسولؐ نے اپنی آخری اہم وصیت میں فرمایا تھا:

میں گرانقدر چیزیں تمھارے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور دوسری میری عترت اہل بیتؑ ہے اور یہ اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے جب تک حوض کوثر تک نہ پہنچ

جائیں۔

ہماری نسبت، شناخت اور پہچان اہل بیتؑ کے حوالے سے ہے۔ ہمارا مکتب، مکتب آل محمدؐ ہے اگرچہ ہمیں آج ایک بدبخت گروہ کی طرف سے سب وشتم اور گالیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور بالآخر گولیوں کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی شناخت سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہیں، ہم اپنی اس پہچان پر افسوس کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، ہم اپنے آپ کو مربوط مانتے ہیں اہل بیت رسولؐ کے ساتھ، ہم ہر قسم کی گولی اور گالی کو برداشت کر سکتے ہیں لیکن آل محمدؐ کی نسبت سے جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔

جب ہمارا سارا معاملہ خاندان رسولؐ کے ساتھ مربوط ہے جن کے متعلق رسولؐ فرماتے ہیں علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے تو یہ جدائی کسی طرح جائز نہیں کیوں کہ ہمارا رابطہ ہو اہل بیتؑ کے ساتھ، اہل بیتؑ ہوں قرآن کے ساتھ تو پھر ہمارا رابطۂ و رشتہ قرآن کے ساتھ بنتا ہے جدائی نہیں بنتی!؟

قرآن اہل بیت کے ساتھ عملی وابستگی:

واضح ہے کہ ہم اہل بیتؑ کے ساتھ ہیں اور اہل بیتؑ قرآن کے ساتھ ہیں تو ہمیں بھی قرآن کے ساتھ ہونا پڑے گا۔ قرآن کے ساتھ ہونا یہ لفظی نعرہ نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ ہونا ہمارے سیرت و کردار سے ثابت ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی زبان سے کچھ اور کہتے نظر آئیں اور ہمارا کردار کچھ اور دکھائی دے۔

فارسی محاورہ:

عطر آن است کہ خودش بگوید   نہ آنکہ عطّارش بگوید

عطر وہ ہوتا ہے جو خود بول کر بتاتا ہے، میں عطر ہوں عطر وہ نہیں ہوتا جس کا بیچنے والا بتائیے۔

عطر اپنے عطر ہونے کا بذات خود ثبوت نہ دے تو عطر کی قصیدہ گوئی اور اس کی مدح

سرائیاں اس عطر کی عظمت کو ثابت نہیں کر سکتی۔ ہم نعرے تو لگائیں کہ ہم علیؑ والے ہیں لیکن جب ہمارا کردار، سیرت، انداز، کلچر اور ثقافت سامنے آئے تو اس میں آل محمدؐ اور قرآن کا نقش نظر نہ آئے تو معلوم ہو گا کہ ہم نے کہا کچھ اور ہے کیا کچھ اور ہے! اور جو قرآن کا نہیں وہ اہل بیت کا نہیں۔

تھوڑا سا ہم اپنے گریباں میں جھانک لیں اور سوچ لیں کہ ایک دن آنے والا ہے جس دن ہم سب لوگوں کو خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہے اور وہاں حساب و کتاب تدریجی نہیں ہو ں گے، ایسا نہیں ہے کہ ایک صدی والی مخلوق پہلے محشور ہو گی پھر دوسری یا تیسری، بلکہ سب ایک ساتھ محشور ہوں گے انھی میں سلماں فارسیؓ و ابوذر غفاریؓ بھی ہوں گے وہیں مقدادؓ و عمار یاسرؓ بھی ہوں گے۔

میدان حشر اور فریاد رسول :

نظام حشر تدریجی نہیں بلکہ اجتماعی ہے اور سب نے جب اکھٹے کھڑا ہونا ہے تو وہاں سب کے سامنے یہ منظر ہو گا اور پاک رسولؐ خدا کی بارگاہ میں یہ فریاد کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْآنَ مَھْجُوْرًا

(سورۃ الفرقان آیت ۳۰)

وہاں اس فریاد رسولؐ کے جواب میں ہمارا کردار جواب دے گا یا زبان؟

وہ محشر زبانوں کا میدان نہیں کرداروں کا میدان ہے، وہاں علیؑ کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا ہے کہ جیسا کہ دنیا میں علیؑ کا نام لے کر دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ کردار نجس اور زباں پر نام علیؑ شاید اسی لئے کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم وہاں بھی ایسا ہی کر لیں گے! لیکن وہاں کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا

كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ.(سورة یس آیت ٦٥)

ترجمہ: آج ہم ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے اور ہمارے سامنے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان تمام اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔

وہ زبانوں کا میدان نہیں بلکہ وہاں اس کردار کی زباں کام آتی ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتی یہ چھوٹی سی ایک چھٹانک والی زبان بڑی جرأت مند و گستاخ ہے اور جرأت میں آتی ہے تو پاک رسولؐ کے سامنے بھی جسارت سے باز نہیں آتی !! لیکن اس کے اختیارات موت سے پہلے والے جہاں تک ہیں موت کے بعد والے جہاں میں نہیں۔

منبر ہو منبر حسین علیہ السلام، کربلا کے ذکر کیلئے لگایا گیا ہو اور ایک بدبخت آ کر کربلا کے نام پر جھوٹ بولے اس سے بڑھ کر گستاخیوں کی کیا مثال ہوگی! یہ زبان اس دروازہ پر بھی گستاخی کرتی ہے جس پر رسولؐ آیت تطہیر پڑھتے تھے۔ اس لئے ہمیں اپنے محاسبے میں بے خوف نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی ہمیں آزاد کروا لے گا۔

قرآن فرماتا ہے!

مَنۡ ذَاالَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (سورة البقرہ آیت ۲۵۵ آیت الکرسی)

کون ہے جسے یہ جرأت ہو سکے کہ اس کی درگاہ میں تیرا سفارشی بنے ؟ سوائے اس کے جس کو اس نے خود اذن دیا ہو۔

آیت الکرسی کو پڑھنے والو! رات کو ڈراؤنے خواب سے بچنے کیلئے آیت الکرسی پڑھنا اور ہے ہدایت کیلئے آیت الکرسی پڑھنا اور ہے !اپنے گھٹیاء کردار اور غلط عقائد کو درست کرنے کیلئے اس کو پڑھنا اور ہے۔ معلوم ہوا جب تک وہ اجازت نہ دے کوئی اس کی درگاہ میں سفارش کا جملہ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا ،اسلئے ہمیں سوچنا چاہئے کہ اپنے دل کو بہلانے کیلئے

شفاعت کو اپنے لئے طے نہ کریں، پہلے اس لائق تو بنیں کہ کوئی ہستی شفاعت کرنے کیلئے راضی ہو، شفاعت کی اہلیت حاصل ہو گی تو شفاعت ہو گی۔

نماز عید در منظر محشر، از رہبر معظم:

اپنی چشم تخیل میں اگر ہم محشر میں پہنچ جائیں تو بہتر معلوم ہو سکے گا۔ ایک تمثیل ہے جو رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی الخامنہ ای مدظلہ نے نماز عید کے اجتماع میں ارشاد فرمائی تھی کہ:

اجتماع نماز عید منظر پیش کرتا ہے محشر کا، گھروں سے نکلنا اور اپنے شہر والے میدان میں جانا ایسا ہی ہے جیسے قبروں سے اٹھنا، جیسے ہم اپنے اپنے دروازوں سے نکلتے ہیں نکل کھڑے ہوتے ہیں بہت بڑے مقام اجتماع کی طرف، چشم تخیل میں یوں لے لیں گویا یہ گھر ہماری قبریں ہیں ہم نکل رہے ہیں قبروں سے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے جا رہے ہوں اس میدان کی طرف جس کو محشر کہا جاتا ہے صف بستہ کھڑے ہیں اللہ کی درگاہ میں، ایک محشر کا میدان ہے، صفیں لگی ہوئی، خدا کی درگاہ میں سارے پیش ہیں اس تصور کو ذہن میں لیجئے ہم سب کھڑے ہیں درگاہ خداوندی میں کسی کی حکومت نہیں ہے سوائے احکم الحاکمین کے۔

يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورۃ غافر آیت ۱۶)

ترجمہ: وہ دن جب وہ سب لوگ ظاہر ہوں گے۔ ان کی کوئی شئی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہ ہو گی۔ آج کس کی شاہی ہے آج فقط اس اللہ کی شاہی ہے جو واحد و قہار ہے۔ (ہے کوئی جو میرے مقابلے میں اپنے ملک والا ہونے کا دعویٰ کر سکے اصل ملک اس کا ہے باقی سب گدا گر ہیں)۔ (القرآن)

اس درگاہ میں سب سے افضل شخصیت محمد المصطفیٰ کھڑی ہے وہ استغاثہ کرتے ہیں

اے خدا فیصلہ کر میری اپنی قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا! کیا رسولؐ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میری قوم ناظرہ قرآن پڑھنے سے بھاگ گئی تھی ؟ یا یہ بچوں کو قرآن مجید کا متن بھی نہیں پڑھاتے تھے؟! کیا رسولؐ کی شکایت یہاں تک ہوگی کہ یہ حافظ نہیں بناتے تھے!

قرآن کا ماننا اور عمل نہ کرنا:

دراصل رسولؐ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے امتی قرآن کو مانتے تھے عمل نہیں کرتے تھے صورتحال یہ تھی کہ جب کوئی فوت ہوتا تھا تو اس کیلئے ختم القرآن ہوتا تھا لیکن کبھی یہ نہیں سوچا کہ قرآن فقط مُردوں کیلئے نازل ہوا ہے یا زندوں کیلئے بھی! بنیادی طور پر قرآن کے نازل ہونے کا مقصد ان کیلئے ہے جو مر جائیں یا ان کیلئے ہے جو زندہ ہوں؟! اگر کوئی مُردہ اپنی زندگی میں قرآن پر عمل نہ کر سکے اور مر جائے تو ذرا بتایئے اس بے ایمان کو کتنے ختم القرآن ایماندار بنا دیں گے؟

اس بات پر بھروسہ نہ کیجئے کہ میں مر جاؤں تو میرے بعد میرے وارث ختم القرآن کریں اور فلاں نیکی کریں گے !اگر بھروسہ کرنا ہے تو اپنی زندگی میں قرآن کے ہو جائیں ایسا نہ ہو کہ ہر بات کو موت کے بعد کیلئے ٹالتے رہو کچھ لوگ ہیں جن کو عادت ہے کہ خود نیکی نہیں کرتے لیکن اس نیکی کے بارے میں موت کے بعد وصیت کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے !لیکن جن باتوں کی وصیت کرتے ہیں اپنی زندگی میں اس کے کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اس کی پرواہ نہیں کرتے ! خود نماز نہیں پڑھتے !مرنے کے بعد پڑھوا دینا اور دیگر نیکیاں ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ اور خمس ادا کر دینا!

قرآن کی تلاوت بے شک ثواب ہے اس کا احترام اجر رکھتا ہے لیکن قرآن کو دنیوی دکھ درد کے ازالے کیلئے پڑھنا ہے تو یاد رکھیں کہ یہ بنیادی طور پر ہدایت کیلئے آیا ہے ان مقاصد کیلئے نازل نہیں ہوا، یہ مقاصد اس کے ثانوی وذیلی مقاصد ہیں، اولین مقصد قرآن یہ ہے :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ

اَلْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ (سورۃ البقرہ ۱۸۵)
میں نے ماہ رمضان کو اتنا بلند بنا دیا ہے اس لئے کہ اس میں قرآن کو نازل کیا جو تمام انسانوں کیلئے ہدایت ہے اسمیں ہدایت کی اور حق و باطل کو جدا کرنے والی روشن نشانیاں موجود ہیں۔

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بہت ہی مضبوط ہے۔

اے روٹی، کپڑا اور مکاں کو اپنی سب سے زیادہ ضرورت سمجھنے والو! بھوک اتنی شدید مشکل نہیں ہے جتنی حرص بڑی مصیبت ہے! اور حرص دولت آنے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ تزکیہ نفس سے ختم ہوتی ہے! حرص نمرود، فرعون اور قارون میں ختم نہ ہوئی، اگر پڑول کا ٹینکر کسی کا زمین پر گرے اور بہنے لگے اور ایک جگہ اکھٹا ہو جائے کیا ہر ایک کیلئے جائز ہو جاتا ہے اس کو اٹھا لیں اور اس سے اپنے برتن بھرنے لگیں اور پھر آگ لگے اور جل جائیں! چونکہ حلال و حرام کی تمیز ختم ہے اور حرص انسان پر سوار ہے جس سے اتنا بڑا سانحہ رونما ہوتا ہے۔ (صوبہ پنجاب کے ایک شہر کا واقعہ ہے)

اس مسلم معاشرے میں قرآن کتنا پڑھا جاتا ہے؟ تجوید والے، حافظ، قاری ہر طرف ہیں کتنی زیادہ تلاوت قرآن ہو رہی ہے! لیکن ہم کیوں ذلیل ہیں؟ ہم مغلوب کیوں ہیں؟ دشمن قوتیں ہم پر سوار کیوں ہیں؟

حالانکہ دشمن قرآن کے منکر ہیں اور ہم ہیں قرآن کے حافظ، قاری اور تلاوت کرنے والے! دراصل قرآن کتابِ زیارت و تلاوت نہ تھی بلکہ کتاب ہدایت تھی۔ ہدایت لیتے ہیں کسی اور سے اور تلاوت کرتے ہیں قرآن کی! کیا ہدایت لینا اسے کہتے ہیں کہ اگر قانون کی تعلیم کی ضرورت ہو تو کیمبرج اور آکسفورڈ سے لو، نہ کہ نجف و کربلا کے ماہرین سے! علم مغرب کے اداروں سے لیں! قرآن کے علماء سے نہ لیں۔ (اور اب تعلیم جیسا پیغمبری شعبہ آغا خان تعلیمی

بورڈ کے حوالے کیا جارہا ہے!!)

چودہ سو برس بعد ملک کی بہت بڑی عدالت میں یہ بحث ہو رہی ہے کہ سود کیا ہوتا ہے، اس سے چھٹکارا کیسے پایا جا سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سو برس گذرنے کے باوجود بھی مسلم قوم انتشار کا ایسا شکار ہوئی ہے کہ اسے سود کی تعریف معلوم نہیں ہے!؟

معصومؑ فرماتے ہیں!

سود کا ایک درہم کھانا اپنی ماں سے عمل قبیح کے ارتکاب سے بھی سخت گناہ ہے

(الحدیث)

جس چیز کی ہدایت قرآن چودہ صدیاں پہلے کھول کھول کر دے رہا ہے مگر آج تک ہمارے سامنے اس کی حقیقت منکشف نہ ہوسکی! جبکہ قرآن کی طرف سے حقیقت واضح ہے لیکن ہمارے گردا گرد حرص اور ہوس نے ایسا جال بن لیا ہے کہ اب یہ ریشم کا کیڑا پھنس چکا ہے اپنے جال میں۔ مر تو جائے گا مگر اس جال سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوگا!

نوع بشر کی ہر مشکل کا علاج قرآن کے پاس ہے مگر قرآن آگے بڑھ کر بتاتا ہے کہ میرا نور کس سینے میں ہدایت پیدا کرتا ہے اور کس کو اس سے منور کرتا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو مومنین کیلئے شفاء اور رحمت ہوتا ہے جبکہ ظالموں کیلئے خسارہ ہی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔تو میرے اندر پورے نوع انسانی کی ہدایت کا سامان ہے لیکن میری ہدایت سے فیض وہ پاتا ہے جس کے سینے میں تقویٰ آ جاتا ہے

(القران)

سورج کی مثال:

سورج اپنی روشنی سے پوری کائنات کو روشن کرتا ہے ہر ایک کیلئے، لیکن اس کی روشنی سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کی بینائی صحیح ہو اور جو اندھا ہو وہ سورج کی روشنی سے فیض نہیں پا سکتا۔ لیکن سورج کا اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا اندھے کے اپنے اندر قصور موجود ہوتا ہے۔ قرآن آفتاب ہدایت ہے جو پوری نسل انسانی کو اپنے نور کی روشنی سے منور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس کے نور سے کسب فیض وہ کرتا ہے جس کے تقویٰ کی بصیرت درست ہو چکی ہو۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (سورة البقرہ آیت ۲)

یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ صاحبانِ تقویٰ اور پرہیزگار لوگوں کے لئے مجسم ہدایت ہے۔

ایمان بالغیب نہ ہو تو تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ معصومینؑ کا ایمان بالغیب تو ایسا ہی ہوتا ہے گویا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آخرت کے وہ مناظر جو ہماری آنکھوں سے غائب ہیں۔ ان کی معرفت بالغیب آنکھوں سے دیکھے گئے امور کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔

عصمت نام ہے اس معرفت کا جو ان ہی آنکھوں سے جہنم کو دیکھ رہی ہو اور کبھی دکھا بھی رہی ہو اور وہ جانتے ہیں کہ گناہان کبیرہ بجالانا تنور میں جانے کے مترادف ہے لہٰذا جتنا معرفت کا نور بلند ہوتا ہے اتنا ہی انسان خدا سے قریب ہوتا ہے بس آیئے ایمان بالغیب میں پختگی حاصل کیجئے تاکہ قرآن کی ہدایت کا نور سینے میں جگہ لے سکے۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ
(سورة البقرہ آیت ۳)

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، پابندی سے پورے اہتمام کے

ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں۔

حسین و نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک:

رسول اکرمؐ نے فرمایا!

الصلوٰة قرة عینی

نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ایک مرتبہ جب امام حسینؑ رسولؐ کے کنارے آئے تھے رسولؐ چادر اوڑھے ہوئے تھے زہراءؑ کے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور جب امام حسینؑ نے سلام کیا تھا اور رسولؐ نے سلام کے جواب میں کہا تھا کہ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے میوے حسینؑ تجھ پر سلام۔

ایک طرف رسولؐ نے حسینؑ کو آنکھوں کی ٹھندک کہا اور ادھر نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہتے ہیں اب بتایئے نماز اور حسینؑ کا کتنا گہرا رشتہ ہے ۔اگر کوئی ایسا نمازی ہے جس کے ذہن میں یہ خیالات ابھرتے ہیں کہ عزاداری ، ہلکی پھلکی اور کم اہمیت والی شئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ وہ نماز نہیں جو اہل بیتؑ کے دروازے سے ملی ہے اسی طرح اگر آپ عزاداری میں گئے اور عزاداری کی اور اس انداز سے کی کہ نماز کی اہمیت کے متعلق عقیدہ کمزور ہونے لگے تو سمجھ لیجئے یہ حسین ابن علیؑ کی عزاداری نہیں ۔

نماز اور عزاداری دونوں پر مضبوط ایمان ہونا چاہئے اور دونوں کی حیثیت پر عقیدہ مضبوط ہونا چاہئے۔ سچی مسجد وہ ہے جو تمھیں امام بارگاہ کی طرف لے جائے خالص امام بارگاہ وہ ہے جو ہمیں مسجد کی طرف لے جائے ان کے باہمی مقابلے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

ذرا غور کریں یہ کربلا ہے جس میں درس شہادت بھی موجود ہے درس نماز با جماعت بھی موجود ہے لہٰذا ہر مومن کو نمازی اور عزادار ہونا چاہئے۔ نماز پڑھے تو عزاداری کرے اور عزاداری منائے تو نماز کی پابندی کرے۔ دونوں عبادات ہیں۔ اور عبادات کا باہمی تضاد نہیں

ہوتا دونوں پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور وہ کسی عبادت کو کم اہمیت قرار دینے کی اجازت نہیں دیتا۔

علماء وارث انبیاء، حضرت حر اور نماز

ادائیگی حق وراثت اور علماء:

ہمارے ماحول میں جو رسم ورواج قائم ہیں ان کا نتیجہ، ثمرہ اور تاثر یہ قائم ہوا ہے کہ دین کی خدمت کرنا عوام اور مومنین کا فریضہ ہے علماء و ذاکرین کا فریضہ نہیں ہے! جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اگر اللہ کسی کو علم کا نور عطا فرماتا ہے تو اللہ اس کے دوش پر ذمہ داری بھی ڈالتا ہے بے شک یہ بات حق ہے کہ علماء وارث انبیاء ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا!

العلماء ورثة الانبیاء (حدیث)

لیکن دوسری حدیث یہ بھی ہے کہ مولا امیر المومنین علیؑ نے فرمایا!

العلم بدون العمل و بال والعمل بدون العلم ضلال۔

اور جب اس حدیث پر نظر پڑتی ہے کہ روز محشر کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو رو رہے ہوں گے اور افسوس کر رہے ہوں گے، اظہار ندامت کر رہے ہوں گے اور ندامت میں غرق ہوں گے پوچھا جائے گا کیوں رو رہے ہو؟ ان کا جواب آئے گا اس بات پر سخت افسوس کر رہا ہوں کہ میری زبان سے ادا کئے گئے جملوں اور تقاریر سے کچھ لوگ ہدایت پا کر جنت جا رہے ہیں اور میں خود اپنی بات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جہنم جا رہا ہوں۔

خداوند عالم فرماتا ہے!

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ الصّف آیت ۳)

سب سے زیادہ ناراض کرنے والی بات خدا کے یہاں یہ ہے تم جو

کہتے ہو وہ کرتے نہیں۔

جب ان احادیث و آیات پر نظر پڑتی ہے تو قلب تھر تھر کانپتا ہے، کہیں خدا نہ کرے ہمارا بھی یہ حال ہو جائے کہ منبر پر آنے کی وجہ سے لوگوں سے کس کس قسم کی عزت ملتی ہے، لیکن روز محشر انھوں نے دیکھ لیا جس کے پیروں کو ہاتھ لگاتے تھے جس کی عباء کو ہاتھ لگا کر تبرک حاصل کرتے تھے وہ کوڑے کھا رہا ہے اور ہم جنت جا رہے ہیں جبکہ حدیث میں ہے کہ علماء وارث انبیاء ہیں!؟

زیارت وارثؔ میں ہم امام حسینؑ کو خطاب کرتے ہوئے سلام کرتے ہیں کہ آپ حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد المصطفیٰؐ اور علیؑ حیدر کرار کے وارث ہیں اب آپ دیکھیں اس وارث انبیاء و مرسلین نے اپنی ذمہ داری کو کیسے نبھایا؟ محل میں بیٹھ کر اس وراثت کو ادا کیا تھا؟ نہیں بلکہ اس ذمہ داری نے امام حسینؑ کو کربلا پہنچایا، اگر ہمارے ہاں یہ تاثر ہے کہ یہ وراثت عزت و احترام اور مقام و مرتبہ میں ہوتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ وراثت موجب عزت و احترام ہے، لیکن کیا صرف مقام و مرتبہ میں وراثت ہے یا ذمہ داری اور مسئولیت میں بھی وراثت ہے؟

وراثت جسے آپ لفظ خلافت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں بے شک علیؑ وارث ہیں رسولؐ اعظم کے، لیکن ذمہ داری میں یا احترام و مقام میں؟، حقیقت یہ ہے کہ عزت و احترم بعد میں ہے ذمہ داری سب سے پہلے ہے، جو ذمہ داری جتنی بہتر نبھائے گا اتنا بڑا مقام و مرتبہ پائے گا اور جو ذمہ داری میں کوتاہ آئے گا جتنا کمزور ثابت ہو گا اتنا مقام ومرتبہ سے دور ہوتے جائے گا۔

امام حسینؑ کو ذمہ داری کی ادائیگی علیؑ اکبر کے لاشے پر کھڑا ہونے پر مجبور کر رہی ہے اور جب ذمہ داری نبھائی ہے تو سارا منصب، فضیلت اور مقام امام حسینؑ کیلئے ثابت کیا گیا۔ معلوم ہوا مرتبہ اور ذمہ داری دونوں میں وراثت ہے۔

پوری امت والے سلامِ عقیدت پیش کرنے کیلئے رخت سفر باندھے اس خاک کربلا

کی طرف جاتے ہیں جس میں مظلوموں اور شہیدوں کا لہو شامل ہے۔ مصائب کربلا اپنے اندر درس و ہدایت کا نور بھی رکھتے ہیں ۔وہ وقت یاد کریں جب یہ اسیروں کا کارواں گذارا گیا مقتل میں پڑی لاشوں کے قریب سے علیؑ کی بیٹی حضرت زینب کبریٰؑ نے اونٹ کی پشت سے خود کو گرادیا! جبکہ اسی حالت میں اپنے بھتیجے علیؑ ابن الحسینؑ کے ساتھ لاشوں کے کنارے کھڑے ہوکر وہ دلخراش مناظر دیکھے جو جن و ملک اور زمین و آسمان سے برادشت نہ ہوسکے!

علی ابن الحسین کے چہرے پر موت کی زردی:

روایت ہے دختر زہراءؑ نے حضرت سید سجادؑ کے چہرے پر جو نظر ڈالی تو موت کی زردی امام سجادؑ کے چہرے پر نظر آنے لگی جب موت کی زردی کے آثار نظر آنے لگے پوچھا کیا تم بھی میرا ساتھ چھوڑ رہے ہو بیٹا؟

امام زین العابدینؑ کہتے ہیں کہ میرا چہرہ زرد کیوں نہ ہو میں کیسے دیکھ رہا ہوں ان لاشوں کو ؟

ذرا بتایئے گیارہویں کی صبح کو ظالموں نے کیا نہیں کیا؟ حسینؑ مولا کوشش کرتے رہے کہ ہر شہید کی لاش مقتل میں پڑی نہ رہے بلکہ خود اٹھاتے یا اپنے انصاروں سے اٹھواتے تھے اور گنج شہداء میں لاکر رکھ دیتے تھے اور وہ وقت بہت سخت تھا جب مولا حسینؑ نہ رہے ظالم تلواریں لے کر آئے ان شہیدوں کے بدنوں سے سر جدا کرنا شروع کئے تا کہ ابن زیاد کے پاس ان سروں کو لے جائیں اور جتنے زیادہ سر پیش کریں گے اتنا زیادہ انعام ملے گا!؟

اب بی بی زینب کبریٰ کھڑی ہیں سر بریدہ لاشوں کے درمیان اور حسینؑ مظلوم کی پامال لاش کے کنارے، عمر سعد ملعون ابن زیاد کا خط لے کر میدان میں نکلا اور اپنے درندوں میں اعلان کیا اور کہا کہ ابن زیاد نے خط میں لکھا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ حسینؑ کے قتل پر اکتفاء نہ کرونگا بلکہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اس کا لاشہ پامال کروں گا لہٰذا خاک کے ساتھ یہ لاش ملا دی جائے؟ عمر سعد اعلان کرتا ہے کوئی ہے جو ابن زیاد کے حکم پر عمل کرے؟ اور اس لاش کو گھوڑوں

کی ٹاپوں سے پامال کرے؟

تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ دس اشخاص جنہوں نے امام حسینؑ کے لاشے کی پامالی کیلئے خود کو پیش کیا تھا وہ سب کے سب حرام زادے اور ولدالزنا تھے !اور ان میں سے ایک ایک کے نام لکھے ہیں اور محققین نے ان کے ولدالزنا ہونے کو ثابت کیا ہے !اہل اسلام غور کریں اس لاشے کو پامال کیا جا رہا تھا جس نے زہراءؑ کا دودھ پیا تھا اور جن کو رسولؐ نے زباں چسائی تھی!!؟؟

پامالی کا انداز یہ تھا کہ ظالم گھوڑوں کو ڈوراتے ہوئے دور سے آتے اور امام حسینؑ کے لاشے پر لے جاتے اور آگے کرتے اور پیچھے کرتے اور اس طرح کرتے رہے تاکہ لاش اتنی پیس دی جائے کہ زمین کے ساتھ برابر ہو جائے !خدا جانے انھیں کس قدر دشمنی تھی خاندانِ رسولؐ و زہراؑ کے ساتھ!!

یہی وجہ ہے حضرت سجادؑ کے چہرے پر موت کی زردی کے آثار نمایاں تھے حضرت زینب بنت علیؑ نے آپ سے پوچھا بیٹا تیرا یہ حال کیوں ہوا جا رہا ہے؟اور موت کی زردی کیوں نمایاں ہے؟ حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ پھوپھی جان! کیوں نہ ایسا حال ہو لاشے میدان میں اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے منیٰ کے میدان میں قربانیاں پڑی ہوتی ہیں اور مجھے اجازت نہیں دی جاتی کہ میں انھیں سپرد خاک کرسکوں!

حضرت زینب کبریٰؑ نے کہا میرے باباعلیؑ المرتضیٰ سے میں نے سنا تھا کہ یقیناً حسینؑ ایسے حال میں ہوگا لیکن ہمیشہ ایسا نہ ہو گا لاشیں دفن بھی ہو جائیں گی اور بہترین مقبرے بھی بن جائیں گے اور حسینؑ مظلوم کی تربت کو سلام کرنے کیلئے زائرین رخت سفر باندھا کریں گے۔

علماء کی ذمہ داری :

جب کوئی بھی ذمہ داری سختیوں کو برداشت کرکے سنجیدگی سے ادا کرتا ہے تو اللہ اس کو بہت بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔ وراثت یقیناً عزت، توقیر اور شوکت والی بات ہے لیکن سب سے

پہلے اس میں ذمہ داری کا جوہر موجود ہے اس لئے مومن بننے کی ذمہ داری بڑی ہے یا عالم بننے کی؟ عام مومن کی ذمہ داری کچھ اور ہے عالم دین کی ذمہ داری کچھ اور ہے۔

ہمارا تبلیغی کلچر اوراسکی صورتحال عجیب سی بن گئی ہے! حق تو یہ تھا کہ انبیاء کی وراثت کو نبھانے والے خود دین کی تبلیغ کیلیئے نکلتے ،لوگ پتھر مارتے مگروہ پھر بھی تبلیغ کرتے ،لوگ گالیاں بکتے لیکن وہ تبلیغ کرتے رہتے ،لوگ ان کی توہین کرتے لیکن وہ قدم پیچھے نہ ہٹاتے۔

مگر افسوس !اب کلچر یہ بن گیا ہے کہ علماء کو دعوت ہوگی تو جائیں گے وگرنہ بیٹھے رہیں گے!؟ لیکن کیا رسولؐ اور دیگر انبیاء کو دعوت ہوتی تھی ؟ امیر المومنینؑ اور حسینؑ مظلوم کو کربلا میں کیادعوت دی گئی تھی ؟ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم احساس مسئولیت میں وہ مقام نہیں رکھتے جو رکھنا چاہئے اور جب دعوت دی جاتی ہے تو سودے بازی شروع ہو جاتی ہے کہ آپ کیا دیں گے؟ اور اتنا ضرور دیں !بلکہ حالت یہاں تک پہنچی کہ کچھ لوگ فیس میں شکاری کتے کی بھی فرمائش کرنے لگے ہیں؟؟اب ہم کتا دینے والے کو کیا سمجھیں اور لینے والے کو کیا قرار دیں؟ دونوں ہی ایک جیسے ہوئے۔یقیناً آپ بھی یہی فیصلہ کریں گے۔

امام معصومؑ نے فرمایا!

بے عمل شخص کی نصیحت لوگوں کے دلوں سے اس طرح اتر جاتی ہے جیسے سنگ مرمر کے پتھر سے بارش کا پانی۔

علیؑ اکبر جیسا جوان قربان ہو اور ہم بازاری لوگوں والی باتیں کریں! یہ مجلس ہے یا میچ ؟ ایسا تبصرہ میچ کھیلنے والوں کا ہوتا ہے یا دیکھنے والوں کا؟ مجلس عبادت ہے، اس کو عبادت کے جذبہ سے ادا کرنا چاہئے اور اس کا نتیجہ بھی عبادت والا ہونا چاہئے نہ کہ کسی کھیل والا۔

کیا حُر نمازی تھا:

امام معصومؑ نے فرمایا!

جب اذان ہوتی ہے اور ایک شخص سن لیتا ہے تو شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کو بیدار نہ ہونے دے وہ لوریاں دیتا ہے لیکن کوئی نماز کیلیئے اٹھ جاتا ہے تو شیطان روتے ہوئے

چلا جاتا ہے اور اگر شیطان کی لوریاں کامیاب ہو جائیں اور سورج طلوع ہو گیا اور یہ بدنصیب بیدار نہ ہوا تو اس وقت شیطان اس کے منہ میں پیشاب کر کے خوش ہو کر چلا جاتا ہے۔

یہ ہمارا جملہ نہیں اگر کوئی کہے حُر نے کتنی نمازیں پڑھی تھیں؟ لوگ سمجھتے ہیں وہ شروع سے بے نمازی تھا، نہ لوگوں کو ابتداء کا علم ہے اور نہ ہی انتہاء کا علم ہے وہ لوگ جنھوں نے پچاس پچاس سال تک کربلا کے ذکر کے صدقے روزی کھائی ہے وہ اس قسم کی باتیں کریں تو افسوس کرنا پڑتا ہے۔

روایت :

جب حُر نے امام حسینؑ کو روکا تھا تو مولا نے پہلے اسکو اور اسکے قافلے کے تمام افراد اور سواریوں کو، اونٹوں اور گھوڑوں کو پانی پلایا اور بعد میں کوفہ جانے سے انکار کیا اور پھر مکہ روانہ ہونے کیلئے مڑے اس وقت حُر نے مولاؑ کے گھوڑے کی لگام پر ہاتھ رکھ دیا اس وقت مولاؑ نے فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تو کیا چاہتا ہے تو حُر نے کہا میں تو کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا کیونکہ آپ کی والدہ حضرت فاطمہؑ ہیں۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رسولؐ و آل رسولؐ کی عزت تھی اور حضرت زہراؑ کی قدر تھی ۔اب حُر کہتا ہے نہ مکہ کا راستہ اور نہ ہی کوفہ کا راستہ، ہم تیسرے راستہ کا انتخاب کرتے ہیں جب تک میرا قاصد کوفہ سے جواب لے کر نہ آ جائے میں بھی آپ کے پیچھے چلتا رہوں گا ۔ ایک ہزار فورس حُر کے پاس تھی حضرت امام حسینؑ نئے راستے پر چلے جو کربلا کا راستہ تھا اور حُر ایک ہزار افواج کی معیت میں جا رہا ہے ۔اس دوران نماز کا وقت آ گیا۔

حضرت امام حسینؑ کا قافلہ رک گیا پردہ دار خواتین اتر گئیں ، اس وقت امام حسینؑ نے حُر کو پیغام بھیجا حُر کو کہو ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں مرضی ہو تو ہمارے ساتھ پڑھو ورنہ الگ پڑھ لو، جبکہ حُر اس وقت ابن زیاد کا کمانڈر ہے وہ اس کی فوج کے افسر کا کردار ادا کر رہا ہے۔

لیکن اے حسینؑ ابن علیؑ میرے امام آپ کی عظمت کو سلام، ابن زیاد کے فوجی افسر

حُر کو بھی نماز کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ جب نماز کا پیغام حُر کے پاس پہنچا تو حُر کا جواب آیا نماز بھی پڑھیں گے اور وہ بھی آپ کے ساتھ ،اور ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ۔

اب نماز قائم ہوئی سارے امام حسینؑ کی اقتداء کر رہے ہیں اور حسینی بھی کھڑے ہیں اور یزیدی بھی ساتھ کھڑے ہیں اب بتایئے حُر نمازی تھا یا بے نماز؟

نمازی تھا بے نمازی ہوتا تو اس کو کیا تکلیف تھی وہ ابن زیاد کا نمائندہ تھا معلوم ہوا رسولؐ کی دختر کا بھی قدرداں تھا اور بے نمازی بھی نہ تھا۔

﴿ اگر آپ بے نماز ہیں اور آپ کربلا کو نہیں جانتے تو حضرت حُر کی توہین تو نہ کریں ﴾

یہ جملہ جو بے نمازی شخص کہتا ہے وہ اپنے بے نمازی ہونے کو حضرت حُر کے کاندھوں پر ڈالنا چاہتا ہے! کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ بھی اس طرح توبہ کر سکیں گے جس طرح حضرت حُر نے کی تھی؟

اور اگر حُر بے نماز، مشرک و کافر بھی ہوتا لیکن آ جاتا اس وقت جب حسینؑ ابن علیؑ کے قدموں میں آیا ہے اور ایسے ہی توبہ کرتا جیسے اس نے کی ہے تو جنت اس کے قدموں میں تھی اور کوئی توبہ کرے ایسے جیسے حضرت حُر نے کی ہے تو جرائم بھی معاف ہیں گناہ بھی معاف ہیں۔

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں!

جب شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اسکے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں!

شیطان کے ہتھیاروں میں سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ گناہگار کو توبہ کے ٹالنے کا درس دیتا ہے۔

اسلئے جو جرم کو جرم ہی نہ سمجھے وہ توبہ کیسے کرے گا؟ اور پشیمان کیسے ہوگا؟ اسلئے اگر آپ توبہ نہیں کرنا چاہتے تو کسی کی توبہ میں رکاوٹ بھی نہ بنیں۔

قیام امام حسین اور امت رسول کی اصلاح

(اوّل)

دین است حسین:

ایک وقت ایسا آچکا تھا جب دین بے پناہ ہو چکا تھا، دین کو پناہ دینے والا نہ رہا تھا، دین ایسا مظلوم ہو چکا تھا کہ گویا بھٹکا بھٹکا پھر رہا تھا، اپنا محافظ ڈھونڈ رہا تھا، گویا شاکی تھا کہ مجھ پر ظلم کرنے والے کثیر ہو چکے ہیں! کوئی بچانے والا اور پناہ دینے والا نہیں ہے، اسی لئے خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو یہ کہنا پڑا:

شاہ است حسین

پادشاہ است حسین

دین است حسین

دین پناہ است حسین

سرداد نداد دست در دست یزید

حقا کہ بناء لا الہ است حسین

کوئی نہ تھا مگر وہی تھا جس نے زبان رسول کو چوسا تھا۔ یعنی یزید کی بیعت کرنا لا الہ الا اللہ کو اجاڑنا تھا، یزید کی بیعت کرنا لا الہ الا اللہ کو تباہ کرنا تھا۔ اسلئے یزید کی بیعت کوئی آسان مسئلہ نہ تھا۔ یزید کی بیعت دین کا بگاڑ اور تباہی تھی۔ خدا جانے ان لوگوں کو معاشرہ کیا مقام دیتا ہے جنہوں نے یزید کی بیعت کرلی تھی جبکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوگی! یقیناً کروڑوں تک تو ہوگی۔ اسلئے اے خواجہ معین الدین چشتیؒ اور علامہ اقبالؒ کو ماننے والو! کیونکہ یہ شخصیات معتدل مزاج ہیں اور ملت اسلامیہ میں ایک مقام رکھتی ہیں۔

علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

بھر حق در خاك و خون غلطیدہ است

پس بناء لا الہ گردیدہ است

خاک وخون میں غلطاں پڑا ہے زہرا ؑ کا لال اور اس خون پر لا الہ الا اللہ کی عمارت استوار کر رہا ہے۔

علامہ اقبالؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان اشعار میں حقیقت بیانی کی ہے، اس کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر لا الہ الا اللہ کو کوئی خطرہ نہ تھا اور دین کی عمارت کو کوئی خطرہ نہ تھا جبکہ پچاس سال تک رسول اعظمؐ نے اسلام کی عمارت قائم کی ہے تو کیا حق پہنچتا ہے کہ علامہ اقبالؒ، حسینؑ مظلوم کو بنائے لا الہ الا اللہ کہیں اور اسی طرح خواجہ معین الدین چشتیؒ کو کہ حسینؑ مظلوم کربلا کو بنائے لا الہ الا اللہ کہیں۔

معلوم ہوا کہ کوئی خطرہ لا الہ الا اللہ کی عمارت اور بنیاد کو تھا اور خطرہ ہے تو کس سے یزید سے! یزید کی ذات تو اتنی طاقتور چیز نہ تھی، بلکہ یزید کی پشت پر ایسی طاقت آ گئی تھی جس سے یزید طاقتور ہوگیا تھا اور وہ یہ طاقت تھی کہ امت نے یزید کی بیعت کرلی تھی! ان حقائق کا ادراک کرنا چاہئے تاکہ واضح ہوسکے کہ دین اسلام کیلئے خطرہ درحقیقت کیا تھا؟

مسئلہ بیعت اور عوامی قوت:

موجودہ حکمران اتنی فوج رکھنے کے باوجود اصرار کرتے ہیں کہ ہمیں عوام کی طاقت چاہئے، معلوم ہوا کہ فرد واحد تخت پر بیٹھا ہوا اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا جب تک عوام اس کی پشت پر موجود نہ ہوں، اب بتایئے مجرم تنہا یزید تھا یا امت رسول بھی اس کے ساتھ تھی؟!

اب ذرا پڑھئے وصیت امام حسین علیہ السلام، تاکہ معلوم ہو کہ ان کے قربانی دینے اور شہادت دینے کا جواز کیا ہے؟

حسینیت کو صحیح متعارف کرنا ہے تو امام حسینؑ کے اپنے الفاظ سے کرایئے،

امام حسینؑ کے الفاظ قوی ہیں کسی دوسرے کے تبصرے سے زیادہ حقیقت بیان کرتے ہیں۔

وصیت نامہ امام حسین علیہ السلام:

بسم اللہ الرحمن الرحیم . ھٰذا ما اوصیٰ به اَلْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ اِلیٰ اَخیهِ مُحَمّدِ المعروف بابن الحنفیه اَنَّ اَلْحُسَیْنَ یَشْهَدُ اَنْ لاٰ اِلٰهَ اِلاّٰ اللہ وَحْدَهُ لاٰ شَرِیکَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ جاءَ بِالحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ وَاَنَّ اَلْجَنَّةَ حَقُّ وَالنّارَ حَقُّ وَالسَّاعَةَ آتِیَةُ لاٰرَیْبَ فیها وَاَنَّ اللہ یَبْعَثُ مَنْ فِی القُبُورِ وَانّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَلاٰ بَطِراً ولاٰ مُفْسِداً وَلاٰ ظٰالِماً وَاِنَّما خَرَجْتُ لَطَلَبِ الاصْلاٰحِ فِی اُمَّةِ جَدّی رسول اللہ وُاِریدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهیٰ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاَسیرَبِسِیرَةِ جَدّی وَ ابَی علی بْنِ اَبِی طالِبِ فَمَنْ قَبِلَنی بِقَبُولِ اَلْحَقِّ فَاللہ اَوْلیٰ بِالحقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَیَّ هٰذٰا اَصْبِرُ حَتّیٰ یَقْضِیَ اللہُ بَینِي وَ بَیْنَ اَلْقَوْمِ وَهُوَ خَیْرُ الحٰاکِمینَ وَهٰذِهِ وَصِیَتِی اِلَیْکَ یٰا اَخیِ وَ مٰا تَوْفِیقی اِلاّ بِاللہ عَلَیهِ تَوَکَّلْتُ وَالیْهِ أُنِیبُ.

ترجمہ: یہ وہ دستاویز ہے جس کے ذریعے حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو وصیت کر رہے ہیں کہ یہ حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا لائق عبادت ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمدؐ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ ذات حق کی جانب سے دین حق لائے ہیں اور یہ کہ جنت اور جہنم کا ہونا حق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل قبور کو ضرور دوبارہ زندہ کر کے باہر اٹھانا ہے۔ اور یہ کہ میں غرور کرنے، بلندی جتانے، فساد پھیلانے اور ظلم کرنے کیلئے قیام نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ میں نے تو یہ خروج و قیام اپنے

نانا رسول اللہؐ کی امت کی اصلاح کیلئے کیا ہے اور میرا ارادہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے نانا رسول اللہؐ اور اپنے والد گرامی علیؑ بن ابی طالبؑ کی سیرت پر عمل کروں۔ جو بھی میری دعوت کو حق مانتے ہوئے قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ حق والوں کو بہترین جزا دینے والا ہے اور جس نے مجھے رد کر دیا تو میں صبر کروں گا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ میرے اور قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ میرے بھائی محمد! یہ میری وصیت ہے آپ کیلئے اور مجھے توفیق دینے والا تنہا اللہ تعالیٰ ہے، میرا بھروسہ اسی ذات احدیت پر ہے اور میں نے اسی کی خدمت میں لوٹ کر جانا ہے۔

امام علیہ السلام نے واضح کر دیا ہے کہ میں قیام نہیں کر رہا غرور کیلئے، نہ انانیت کے مظاہرہ کیلئے، نہ معاشرے میں فساد کیلئے اور نہ ظلم کیلئے بلکہ میں قیام کر رہا ہوں امت رسول کی اصلاح کیلئے۔

سوال یہ ہے کہ خرابی کہاں پیدا ہوئی؟ کیونکہ اصلاح وہاں کی جاتی ہے جہاں بگاڑ پیدا ہو، امام حسینؑ یہ نہیں فرما رہے کہ میں یزید کی اصلاح کیلئے جا رہا ہوں بلکہ فرمایا: میں اپنے نانا رسولؐ خدا کی امت کی اصلاح کیلئے جا رہا ہوں۔ کیا امت نے نماز کو ترک کر دیا ہے؟ جبکہ اس دور میں نمازیں جاری تھیں، حج کیا جا رہا تھا، روزے رکھے جا رہے تھے، اسلام کے ظاہری احکام پورے مسلم معاشرے میں موجود تھے، لیکن امام حسینؑ کہتے ہیں میری امت کو اصلاح کی ضرورت ہے!؟

تمام مسلمانوں کو اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ معاملہ کیا ہے؟ امام حسینؑ کس مقصد کیلئے اتنی بڑی قربانی دینے جا رہے ہیں۔ انسان کو اتنا بے سمجھ نہیں ہونا چاہئے وہ کون سا فساد پیدا ہو چکا ہے؟ امت نے نماز، روزہ، حج نہیں چھوڑا، وہاں کی خواتین بے پردہ نہیں ہوئیں، جو

نقائص یزید میں ہیں وہ اس کی اپنی ذات میں تو ہیں امت میں اس قسم کے نقائص کا رواج پیدا نہیں ہوا! ساری امت مسلمہ شرابی و جواری نہیں ہوگئی۔

تو وہ کون سا نقص ہے جس کی طرف خواجہ معین الدین چشتی اور علامہ محمد اقبال توجہ دلا رہے ہیں؟ ہاں! وہ یزید جیسے خبیث کی بیعت کر لینا امت مسلمہ کی طرف سے! اور پھر اس کا اتنا جری اور گستاخ ہوجانا کہ وہ امت کے بل بوتے پر حسینؑ مظلوم جیسی ہستی سے بیعت چاہے! اور اتنی جرأت میں کہے کہ حسینؑ بیعت نہ کرے تو اس کا سر آنا چاہئے!!؟؟

یہ قوت یزید کو کس نے دی.................؟

کیا وہ حیدر کرارؑ کے فرزند سے زیادہ بہادر تھا.....................؟

اس کا باپ بھی حسینؑ کے باپ کے مقابلے میں سر بلند نہ کرسکا۔ تاریخ میں گواہی موجود ہے جب جنگ صفین میں علیؑ حیدر کرار کھڑے تھے اور پیغام بھیج رہے تھے کہ کیوں قوم کو مروا رہے ہو؟ اختلاف تیرا اور میرا ہے آجا میدان میں، تو بھی آجا میدان میں اور میں بھی! ہم دونوں دوبدو ہوجاتے ہیں، اپنا فیصلہ خود کر لیتے ہیں۔ ان کو کیوں مروائے جا رہا ہے؟ لیکن وہ جانتا تھا کہ اکیلا علیؑ شیر خدا کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ فوجوں کے بل بوتے پر حیدر کرارؑ کے مقابلے پر آنا ممکن ہے۔

سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کو پاگل بنانے والے عیار لوگ اکثر کامیاب رہے ہیں۔ اسی لئے جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ پوری مسلمان قوم یزید کی بیعت کر چکی ہے! اور اسے ہر جائز و ناجائز اقدام کرنے اور خلاف شریعت قانون کے نفاذ کی اجازت دے چکی ہے، جبکہ اسلامی اقتدار کے بانی رسول اعظمؐ تھے! اور حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یزید جیسا خبیث بھی اسی طرح اقتدار کا حقدار بن گیا ہے جیسے خود محمد مصطفیٰؐ تھے اور امت مسلمہ نے اسے تسلیم کر لیا ہے لہٰذا امام حسینؑ امت رسول کی اصلاح کیلئے نکلے تاکہ روشن ہوجائے کہ کون ہے اسلام بچانے والا اور کون ہے اسلام اجاڑنے والا؟ پس امت رسول کا اس اکثریت کے ساتھ یزید کی

بیعت کیلئے جھک جانا یہ امام حسینؑ کو برداشت نہ تھا کیونکہ تباہی کے کنارے پر تھا لا الہ الا اللہ کا قلعہ۔

امام حسینؑ نے اقدام کیا اسلئے کہ امت فاسد ہوگئی تھی اور یہ طرہ امتیاز ہے محمدؐ و آل محمدؐ کا کہ وہ اسلام کے تحفظ کیلئے مصائب کو سد راہ نہیں ہونے دیتے، سینہ سپر ہو کر دین بچاتے ہیں، جب کبھی دین اسلام کے کسی حکم کے بارے میں غلط اقدام کیا گیا، شریعت کی ترجمانی غلط طور پر کی گئی، جہالت کی وجہ سے یا عناد کی وجہ سے، تو آل رسولؐ نے اصلاح میں دیر نہیں کی۔

مثلاً رسول اکرمؐ کی وفات حسرت آیات کے فوراً بعد علیؑ کو حق خلافت سے محروم کردیا گیا اور مسجد نبوی میں ایسے لوگوں نے دربار بنالیا جو خلافت کی قبا اوڑھ کر بیٹھ گئے لیکن شرعی احکام سے مکمل طور پر آگاہ نہ تھے اور اکثر ایسا وقت آجاتا تھا کہ اپنی علمی کمزوری کی وجہ سے مسائل شریعت میں پریشانی لاحق ہوجاتی تھی تو ایسے مواقع پر علیؑ کی طرف رجوع کرنا ان کی مجبوری ہوتی تھی، لیکن آپ انکار نہ کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات از خود ہی دربار میں چلے جاتے تاکہ ان کے اقدامات کی اصلاح کرسکیں۔

عورت کو سنگسار کی سزا:

ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ عورت کو سنگسار کرنے کیلئے دربار سے لے جارہے ہیں اتنے میں علیؑ امیرالمومنین آتے ہیں اور پوچھتے ہیں ،اس خاتون کو پکڑ کر کیوں لے جارہے ہو؟ تو جواب آتا ہے کہ اس نے بدکاری کی تھی۔ یہ گناہ ثابت ہونے پر اس کو سنگسار کرنے کیلئے لے جارہے ہیں۔

علیؑ فرماتے ہیں اسے واپس دربار لے چلو اور خلیفہ سے پوچھا کہ اس کا جرم کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ مولا علیؑ نے کہا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ یہ خاتون صاحب حمل ہے اور مجرم خاتون ہے نہ کہ بچہ! اس کے بچے کا جرم کیا ہے؟ لہٰذا جب تک وضع حمل نہ ہوجائے اس خاتون کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا بلکہ جب تک یہ خاتون اپنے بچے کو دودھ

پلاتی رہے، اس وقت تک بھی سنگسار نہیں کیا جاسکتا!

اہل بیت علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے دین حق کی حفاظت کی ذمہ داری دی تھی۔ ہر امام اپنے دور میں اس ذمہ داری کو اس دور کی حکمت کے مطابق ادا کرتے رہے، لیکن امام حسینؑ کے دور کا تقاضا بہت سخت تھا۔ یزیدیت دین حق پر اس طرح حملہ آور ہوا تھا کہ اگر امام حسینؑ شہادت وقربانی اور اپنے اہل وعیال وانصار کی شہادت و اسارت کی راہ پر نہ چلتے تو دین پر حملہ کامیاب ہوجاتا۔ امت مسلمہ کی خاموشی بلکہ اس کا تسلیم ہوجانا، یزید کو جرأت دے رہا تھا کہ اب وہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف قدم اٹھائے اور توحید و رسالت و آخرت کے بنیادی عقیدے سے امت کو دور لے جانے کی سازش کرے اور اپنا کفر پھیلائے کہ یہ تو بنی ہاشم نے اقتدار حاصل کرنے کیلئے سیاسی چال چلی تھی۔ دین، قرآن، وحی، توحید، رسالت، قیامت، جنت، جہنم، شریعت، حلال، حرام، واجبات، محرمات، مستحبات، مکروہات، اخلاقیات وغیرہ یہ سب کچھ غلط ہیں۔

یعنی گویا کہ وہی زمانہ جاہلیت کے اطوار صحیح ہیں!؟ شراب، شباب، کباب، رقص، سرود، غنا، طبلے، عیاشی، اوباشی، سیاست، چالاکی، عیاری، مکاری، عوام فریبی، ظلم، حق تلفی اور سارے وہ انداز جو غیر اسلامی معاشرے میں ہوتے ہیں، وہی درست ہیں۔ لیکن امام حسینؑ نے اپنے خون اور اپنے مخلصین کے خون کو کربلا کے میدان شہادت کیلئے پیش کردیا اور آپ کی خواتین و اطفال نے رسن بستہ حالت میں کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں پھرایا جانا برداشت کرلیا، لیکن امت کو ابدی بیداری دیدی، جس کے بعد یزیدیت کا جنازہ نکل گیا۔

خود دمشق کے لوگ بھی اس ملعون سے بیزار ہوگئے اور پوری امت مسلمہ نے اسے اسلام دشمن قرار دے کر رسولؐ اور آل رسولؐ کی حقانیت اور اسلام کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آپ کی قربانی کے بعد پھر کوئی طاقت ایسے خیالات کے ساتھ اسلام کے خلاف جسارت کی کوشش نہیں کرسکی اور اگر کرے گی تو کربلائی جذبہ اس کے مقابلہ میں موجود

ہوگا۔

قیام امام حسین اور امت رسول کی اصلاح

(دوم)

مذہب کی ترویج:

مذہب کی ترویج فقط منبر پر آنے والوں سے مختص نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جو مذہب کو حق مانتا ہے اس پر فرض ہے جتنا کر سکتا ہے حق کی ترویج کرے تبلیغ کرنا عوم کیلئے جتنا آسان ہو چکا ہے اتنا اہل منبر کیلئے نہیں ہے کیونکہ دیوار تعصب کو اتنا حائل کیا جا چکا ہے کہ اب ان مجالس میں دوسرے لوگوں کا آنا اتنا آسان نہیں رہا کیونکہ کہ دونوں طرف سے تعصب کی دیواریں حائل کر کے رابطے منقطع کئے گئے ہیں اور اگر دشمن اس سازش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس سازش کو ناکام بنانے کیلئے دوسرے ایسے راستے استعمال نہ کریں جن سے ہم مذہب حق کی آواز ان تک پہنچا سکتے ہیں۔

شیعیانِ اہل بیتؑ کا فریضہ کیا ہے اگر کوئی جہنم کی طرف جا رہا ہو تو کیا اس کو جانے دیں ؟ ہرگز نہیں، اس کو بچانا چاہئے اور اس کو آگاہ کرنا چاہئے۔

فارسی محاورہ:

گر بہ بینم نابینا و چاہ است   گر نگویم نزد من گناہ است.

اگر ہم دیکھیں ایک نابینا جا رہا ہے آگے کنواں ہے اگر نہ بولیں تو گناہ ہے یعنی اس نابینا کو بچانا واجب ہے۔

اسی لئے ایک نادان کو جہنم جانے سے بچانا واجب ہے۔ ہمارے ہاں بعض افراد اس طرح کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں جانے دو جہنم!۔ یہ صحیح نہیں۔ بلکہ ہم پر فرض ہے کہ اپنی بساط تک ہر انسان کو جہنم جانے سے بچانے کی کوشش کریں۔

امام حسینؑ کا چاہنے والا اور کربلائی اس جذبہ کا مالک نہیں ہوتا کہ اگر کوئی جہنم کی طرف جا رہا ہو تو ہم اپنی بساط کے مطابق اس کو جہنم سے نکالنے کی کوشش نہ کریں اور جنت کا راستہ دکھانے کی نہ کوشش کریں۔ اگر نہ مانے تو کم از کم ہم نے اپنا فریضہ ادا کرلیا۔

﴿شیعہ، کربلائی اور حسینی! آپ کا فریضہ معمولی نہیں ہے کسی تعصب کا شکار نہیں ہونا چاہئے﴾

مقصد حسینی:

امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام وصیت نامہ میں لکھا تھا کہ میں انانیت، فساد، ظلم اور اقتدار کی لالچ کیلئے نہیں جا رہا، بلکہ اپنے نانا رسولؐ کی امت کی اصلاح کیلئے جا رہا ہوں۔

اس امت کی اصلاح کیلئے جو بگڑ چکی ہے! اسلئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام حسینؑ اسلئے مدینہ سے نکل رہے تھے کہ یزید نے بیعت طلب کی تھی یزید کا بیعت طلب کرنا مدینہ کو چھوڑنے کا سبب تو ہوسکتا ہے تمام اسباب اسی ایک بات میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اگر یزید امام حسینؑ سے بیعت طلب نہ بھی کرتا اور باقی ساری امت یزید کی بیعت کر کے یزید کے راستے پر چل نکلتی تو کیا مولا امام حسینؑ مسجد نبوی میں بیٹھ کر اپنی نمازیں پڑھنے پر اکتفاء کرلیتے؟!

اس سوال کا جواب ذرا سوچئے.................؟

اگر وہ ملعون اپنے باپ کی وصیت کے مطابق (جبکہ امام حسینؑ اس کی بیعت کیلئے آمادہ نہیں ہوئے) کیونکہ یزید کی بیعت اس کے باپ نے اپنی زندگی میں لوگوں سے کروالی تھی اور یزید کو وصیت کی تھی حسینؑ سے بیعت نہ مانگنا اور انکار بیعت پر ان کے درپے آزار نہ ہونا مگر یزید ایک غرور و تکبر کا پتلا اور غلیظ انسان تھا کہ اس نے اپنے باپ کی اس وصیت کی بھی پرواہ نہ کی اور اس نے راہ ظلم و جبر کو اپناتے ہوئے ولید کو خط لکھا جو مدینہ کا گورنر تھا کہ حسینؑ سے میری بیعت لی جائے اور انکار پر اس کا سر آنا چاہئے!

فرض کریں، یزید اپنے باپ کی وصیت کے مطابق امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ نہ

کرتا اور اپنی حکومت کو مضبوط کر کے اور اپنی یزیدیت کی بنیاد پر کاروائی چلاتے ہوئے آگے بڑھتا تو کیا امام حسینؑ مدینہ میں نماز پڑھتے رہتے اور بس!

لوگوں کے ذہنوں میں چونکہ یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ مسئلہ صرف بیعت کا تھا اور انکار بیعت کی وجہ سے شہادت تک پہنچ گئے! تو سوال یہ ہے کہ کیا امام حسینؑ نے اپنے وصیت نامہ میں یہ تحریر کیا تھا کہ چونکہ اس نے مجھ سے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اسلئے میں امت کی اصلاح کیلئے جا رہا ہوں؟ یہ ایک علمی، تحقیقی سوال ہے جو ہمارے لئے لائحہ عمل بناتا ہے اور سنت حسینی کے بہت سارے گوشوں کو واضح کرتا اور کربلا کے حقائق کو ہمارے سامنے روشن بھی کرتا ہے اسلئے کہ کربلائی بن کر جینا اور مرنا ہماری زندگی کا آئین ہے۔

دوستو! کربلا کو سمجھنا ہے فلسفہ کربلا، مقصد حسینؑ اور مقصد کربلا کو سمجھنا ہے تو بجائے کسی اور کو، خود پڑھو حسینؑ ابن علیؑ کے فرامین کو تو معلوم ہوگا، کربلا کے بانی کے نزدیک اس کے اپنے مشن و مقصد کی بنیاد کیا ہے ہر کوئی چاہے وہ مفکر، محقق، علماء اور دانشور جو بھی ہو مقصد کربلا کو سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے۔

فساد، حسینؑ مظلوم کی نگاہ میں فقط ذات یزید میں نہیں ہے بلکہ یزید کے جرم کی سب سے بڑی مجرم وہ امت ہے جس نے یزید جیسے کو تسلیم کر لیا معلوم ہوا ایسا خناس کسی قوم کے سر پر سوار ہو جائے اور قوم اس کو چیلنج نہ کرے تو حسینؑ مظلوم کی نگاہ میں وہ خناس فقط مجرم نہیں ہے بلکہ وہ قوم بھی مجرم ہے جو اس خناس کے سامنے جھک گئی۔

اصلاح امت رسول:

جب تبصرہ ہوتا ہے تو حکمرانوں کو تو مورد تنقید بنایا جاتا ہے جو نا اہل اور نا قابل حکمرانی ہوتے ہیں لیکن اس امت کو کبھی نہیں چھیڑا جاتا جس نے ان کو اپنے سر پر مسلط کر لیا اور سر جھکا دیا!

تمام دانا افراد کو اس نکتہ پر توجہ دینی چاہئے کہ امام حسینؑ فقط یزید کو مجرم نہیں گردان

رہے بلکہ امامؑ کی نگاہ میں نانا کی امت مجرم بن چکی ہے اس میں فساد آ چکا ہے۔

اسلئے امت کی اصلاح امام حسینؑ کا فریضہ تھا تو ہر حسینی کا بھی یہی فریضہ ہے حسینیت اسی راستے کا نام ہے جس پر امام حسینؑ چلے اور اگر امام حسینؑ کے راستے، اصول زندگی ہیں تو پھر حسینی وہی ہے جو اس راستے پر چلے جس پر امام حسینؑ چلے اسلئے کہ امام حسینؑ کا اقدام جہاں حکمرانوں کی اصلاح تھا وہاں امت کی بھی اصلاح تھا اگرچہ ہمارا فرض ہے کہ ہم جلوس، ماتم، اور دیگر عبادات کریں کیونکہ یہ کار ثواب ہے۔

مگر اے دوست ہمارا ہر جلوس، ماتم داری، گریہ، تعزیہ داری، نوحہ خوانی اور مرثیہ اصلاح امت کیلئے ہونا چاہئے! اسلئے کہ حسینیت کے مطابق ہم جو بھی اقدام کرتے ہیں وہ اقدام اصلاح امت کیلئے ہے۔ ہمیں گالیاں دی جائیں گولیاں ماری جائیں، سب وشتم کیا جائے ہمیں پسپائی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

اخلاق رسول:

جناب رسالتؐ مآب پر مکہ کی زندگی میں ایک خاتون توہین آمیز سلوک کرتی تھی مگر رسولؐ نے وہ راستہ نہیں چھوڑا رسولؐ گذرتے رہے اور وہ توہین کرتی رہی حضور کو ایک دن کا انتظار تھا، وہ بیمار ہوئی رسولؐ اس کی عیادت کیلئے گئے اس کے اندر تبدیلی آئی اور اس نے قدموں پر ہاتھ رکھا اور کہا میں گواہی دیتی ہوں آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

رسولؐ اکرم نے کیا اپنے اخلاق کی شہرت بٹھانے کیلئے یہ کام کیا تھا؟ نہیں بلکہ رسولؐ اتنے طویل عرصے تک اس توہین کو اسلئے برداشت کر رہے تھے کہ ایک دن اس خاندان کو جہنم سے نکال کر جنت میں لانے کا موقع ملے گا۔ ہمارے نبی تو ایک بڑھیا کو مومن بنانے کیلئے اتنی طویل تکلیف برداشت کریں لیکن ہم امت کی اصلاح کیلئے کسی کے پتھر برداشت نہیں کر سکتے! ہم گولیاں برداشت کر سکتے ہیں لیکن حسینیت کے مشن کو چھوڑنا برداشت نہیں کر سکتے۔

بزرگوں کی رسم:

اسلئے اے مومنو! یہ نہ سمجھو کہ بزرگوں نے رسم ڈال دی ہے کہ یا حسینؑ یا حسینؑ کرتے رہیں اور بس یہ رسم بن کر رہ جائے اصل میں حسینیت اصلاح امت کا نام ہے اسلئے جب تک امت میں بگاڑ رہے گا ہم اپنے فرائض کو ادا کرتے رہیں گے۔

بگڑی ہوئی امت کو حقائق سے دور کیا جا رہا ہے ان کو رسولؐ و آل رسولؐ اور اللہ کے بارے میں ورغلایا جارہا ہے تو کیا ہم فقط اپنے جنّتی بننے کیلئے مومن بنے ہیں؟ یا ہم نے امت کو جہنم سے بچانے اور جنت کی طرف ہدایت کرنے کا فریضہ بھی ادا کرنا ہے؟

اے دوست: مومن اس وقت تک جنتی نہیں ہوسکتا جب تک دوسروں کو جہنم سے نکالنا اپنا فریضہ نہ سمجھے یعنی یہ سعی کرنا فرض ہے۔

حسین ابن علی اور امربالمعروف:

وصیت:

اُرِیدُ اَنْ آمُرَبِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْھیٰ عَنِ الْمُنْکَرِ

میں حسینؑ ابن علیؑ اسلئے مدینہ چھوڑ رہا ہوں کہ امر بالمعروف کروں اور نہی عن المنکر کروں۔نیکیوں کی دعوت اور برائیوں سے روکنا یہ ایک ایسا سنگین فریضہ ہے کہ اگر حسینؑ مظلوم کو زینب کبریٰؑ جیسی ہمشیرہ کو بھی ساتھ لے جانا ہے تو اس سے گریز نہیں کرتے۔

وصیت:

وَاَسِیرَ بِسِیرَۃِ جَدّی وَاَبِی علی بْنِ اَبِی طَالِبِ

میں اسی سیرت پر چل رہا ہوں جس پر میرے نانا رسولؐ اللہ اور بابا علی ولی اللہ گامزن تھے۔

مدینہ سے ہجرت کرنا اور مدینہ کو چھوڑنا اہم مقصد کیلئے ہے حسینؑ مظلوم اپنے نانا کی سنت پر چل رہے ہیں اور بابا کی سنت پر بھی۔ رسول اکرمؐ نے اسلام کی مصلحت کی خاطر مدینے

سے ہجرت کی اور علیؑ ولی اللہ نے مدینہ سے کوفہ ہجرت کی آج بھی مولائے کائنات کی ضریح مقدس نجف اشرف میں موجود ہے جو کوفہ کے قریب ہے۔

اگر اس انداز سے عزاداری کا قیام نہ ہوتا، جب کہ کتابوں میں یزید کو امام بھی لکھا گیا تو پھر ہر شخص کی زبان پر یزید کی امامت کا تذکرہ ہوتا! لیکن یہ عزاداری امام حسینؑ کا اثر ہے کہ امت مسلمہ کی واضح اکثریت یزید کو ملعون پلید اور دشمن اسلام مانتی ہے۔

نوجوانان ملت جعفریہ!

اگر کچھ نادانوں کی وجہ سے رسوم عزاداری میں کچھ نقائض پیدا ہو گئے ہیں تو اس کی اصلاح ہمارا فرض ہے مگر اس عبادت کی مخالفت جائز نہیں ہے اسلئے جو لوگ عزاداری کو منانے کیلئے نکلتے ہیں وہ امام حسینؑ کے سفیر ہیں وہ پیغام کربلا کے امین ہیں ان کا کردار اور حرکات و سکنات کربلا کے مخالف نہیں ہونا چاہئے۔

سمجھائیے بانیان عزاء، ماتم داروں، نوحہ خوانوں اور منتظمین جلوس عزاء کو کہ یہ ایک رسم نہیں ہے یہ عبادت ہے قربتہً الی اللہ ہے اسلئے کہ کچھ لوگ ادھرِ منتشر ہیں اور کچھ اُدھر منتشر ہیں ان کی توجہ فلسفہ حسینیت، حکمت کربلا، مقصد ترویج دین محمد المصطفیٰؐ، اصلاح امت محمدی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طرف نہیں ہے۔

اپنے جذبات سے کام لیتے ہیں کوئی مخالفت میں جذباتی ہوا جا رہا ہے کوئی موافقت میں جذباتی ہے، حق، حق ہے، باطل باطل ہے ہمارے کہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ حق کا معیار بھی علیؑ ہے اور حق کی شناسائی بھی علیؑ ہے ہم کربلا کے امین اور سفیر ہیں۔

مشن علی اکبر

خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمارے دل میں اس مشن کی محبت ڈالی ہے جس مشن کو علیؑ اکبر نے سینچا ہے اگر ہماری عزاداری اس مشن کے تحت نہیں ہے تو پھر یہ عبادت نہیں ہے حالانکہ یہ ایک اہم فریضہ ہے جسے حسینؑ ابن علیؑ اور دختر زہراؑ نے انجام دیا تھا اسی لئے امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر زندہ ہے تو نماز زندہ ہے اور اگر یہ زندہ نہ ہو تو دین زندہ نہیں رہتا کیونکہ جس قوم میں امر بالمعروف مردہ ہو جائے تو اس امت کے یزید اقتدار پر آ جاتے ہیں اور ایسی قوم سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔

آپ دیکھیں ملت اسلامیہ ایران نے امر بالمعروف کے فریضہ کو ادا کرنے کیلئے قربانیوں پر قربانیاں دیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے نظام اسلامی جیسی نعمت سے اس امت کو نواز دیا خدا اسی وقت کسی قوم پر احسان کرتا ہے جب وہ خود کو احسان کے لائق ثابت کرتی ہے اللہ کی طرف سے حکومت اسلامی جیسی نعمت تب حاصل ہوتی ہے جب ہم بھی خود کو اس کا اہل ثابت کریں۔

خداوند عالم فرماتا ہے!

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(سورۃ الرعد آیت ۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کرے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

(سورۃ الانفال آیت ۵۳)

یہ اسلئے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم پر نازل کردہ نعمت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہیں کرے اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس وقت جو صورت حال ہمیں درپیش ہے اس میں اپنے دشمن کو شکست دینے کیلئے ہمیں مکمل اتحاد و تنظیم کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا اور مقابلہ بھی دشمن کا کرنا ہوگا اسلئے کہ ذلیل دشمن نے قوم شیعہ کو جب دیکھا کہ ہم اس سے وہ مقصد حاصل نہیں کر سکے جس کیلئے اس نے

شرارت کا آغاز کیا تھا تو اس دشمن نے امام زماں عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی شان میں گستاخی کا سلسلہ شروع کیا ہمیں آگاہ ہونا چاہئے اس سازش کا مقصد کیا ہے اور ہم نے اس کا کس طرح مقابلہ کرنا ہے۔

جذبات میں آنے کے بجائے یہ سمجھیں کہ ہمارا فریضہ کیا ہے ؟اس کا مقابلہ طاقت سے نہیں بلکہ اس سازش کا مقابلہ ثابت قدمی اور حکمت سے کرنا ہے۔

ملت جعفریہ اور میدان محاذ:

ملت شیعہ اپنے آپ کو بزدل نہ بنائے اور نہ ہی خودکو حکمت سے عاری اور نادان ثابت کرے بلکہ دشمن کی غرض و غایت اور مقصد کو سمجھئے پھر اس کو نا کام بنانے کیلئے دانائی کے ساتھ آگے بڑھئے۔

یہ میدان جنگ و محاذ ایک دوسال کیلئے نہیں ہے اسلئے یا تو شیعہ نہ ہوں اور اگر شیعہ ہیں بحمد اللہ تو پھر اپنی پوری زندگی محاذ آرائی کیلئے تیار کیجئے ہم شیعہ اسلئے نہیں بنے کہ ہمیں ہر آسانی ملے اور سہولت ملے! اسلئے کہ سب سے پہلی شیعہ حضرت زہراء بتول تھیں، کتنے مصائب آپ نے برداشت کئے اور کیسے مصائب میں زندگی گذاری اس وقت سے دشمنِ حق کے ساتھ ہماری محاذ آرائی شروع ہے ہر صدی میں اہل تشیع خون سے گذرتے رہے ہیں یا زندانوں میں رہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے البتہ کبھی اس کا گراف کم ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ، کبھی گرم اور کبھی نرم اور میدان جنگ اسی طرح ہوتا ہے اور یہ جنگ چلے گی اسلئے اگر آپ آرام طلب ہیں تو شیعہ نہیں ہیں کیونکہ کہ چودہ سو سالہ ماضی گواہ ہے شیعہ شیعہ ہوتے ہوئے کبھی راحت و آرام میں نہیں رہا تو ہم کیسے گمان کرسکتے ہیں کہ علیؑ کے شیعہ ہوں اور چین نصیب ہو جائے !کیا حضرت امیر المومنین علیؑ، حضرت زہراؑ بنت محمد المصطفیٰؐ سے لے کر حضرت امام حسن العسکریؑ تک کو چین ملا ؟جب ان کو دنیاوی راحت و آرام نہ ملا تو پھر ہماری کیا حیثیت ہے کہ ان سے وابستگی ہو اور دنیا میں چین کی آرزو کریں ؟

کبھی تھوڑا سا دنیاوی چین و آرام مل جائے تو خدا کا احسان ہو گا جو وقتی طور پر ہماری توانائیوں کو بحال کرنے کیلئے ہو گا ایسے ہی جیسے تھکے ہوئے کو نیند آتی ہے۔

اس لئے اے دوست !دشمن ازلی ہمارے مقابلے میں ہے اور رہے گا اسلئے ہمیں اس کے مقابلے میں تیار رہنے کی قسم کھانی چاہئے اور حق پرستوں کی ہر حالت میں کامیابی ہوتی ہے۔

تشیع آرام طلب مذہب نہیں ہے تشیع نوٹوں کو بینکوں میں جمع کر کے فخر کرنے والا مذہب نہیں ہے بلکہ تشیع وہ مذہب ہے جو خدا کے عطا کردہ کو راہ کربلا میں دینے کا عزم بخشتا ہے۔

میدان کربلا میں شمال و جنوب میں لاشے بکھرے ہوئے ہیں مگر آواز آ رہی ہے ھل من ناصرینصرنا ، یہ جو امام حسینؑ نے مدد طلب کی تھی اور نصرت طلبی کا استغاثہ کیا تھا، ذرا غور کریں مولاؑ کا اس نصرت طلبی سے مقصد کیا تھا ؟کوئی ہے مدد کیلئے، آپ نے مدد کس مقصد کیلئے مانگی؟ کیا آپ کا ایمان اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مولاؑ ایسی مدد مانگ رہے تھے جس سے وہ شہادت سے بچ جائیں!

جس کے سامنے بہتر عزیزوں کے لاشے پڑے ہوں کیا اس کو اپنی زندگی بچانے سے محبت ہو گی ؟ایک عام شخص کو بھی ایسے حالات میں زندگی عزیز نہیں ہوتی کجا امام حسینؑ تو پھر، کیوں مدد طلب کی ؟

مولاؑ ہر اس کو پیغام دینا چاہتے تھے جس تک یہ صدا پہنچ جائے کہ دیکھنا میں تو اسلام کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر کے جا رہا ہوں اور فدا کر چکا ہوں۔لیکن یاد رکھنا اس مشن پر کبھی وقت آئے اور کوئی وقت کا یزید اسلام کے خلاف اپنی منحوس سازش کے تحت کوئی اقدام کرے تو تمھارا فرض ہو گا کہ جہاں بھی ہو اس مشن کی مدد کیلئے نکلنا تو حسین ابن علیؑ کی طرف سے مدد ہو گی اور جو حسینؑ کی مدد کرے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرے وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا کیونکہ اسے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد نصیب ہوتی ہے اور جس کی مدد اللہ تعالیٰ

کرے اسے کبھی شکست نہیں ہوسکتی۔ وہ ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔

یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآاِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ

(سورۃ محمدؐ آیت ۷)

قیام امام حسین اور امت رسول کی اصلاح

(سوئم)

فکر کربلا کا احیاء:

جس واقعہ کا بانی معصومؑ ہو تو وہ خود ہی اس کی غرض و غایت کو بہتر بیان کرسکتا ہے اے صاحبان سخن جب کربلا کے بارے میں گفتگو کرتے ہو تو یاد رکھو اسی کربلا کو بیاں کرو جو حسینؑ مظلوم کی بنائی ہوئی کربلا ہے کوئی بھی فرد بشر اعلیٰ ذہن کا مالک ہی کیوں نہ ہو اپنے ذہن کی تخلیق کو کربلا بنا کر پیش کرنے کی جسارت نہ کرے!

کیونکہ جب غیر معصوم کی تخلیق معصومؑ کی تخلیق میں شامل ہو گی تو واقعہ داغدار ہو جائے گا اسلئے کہ غیر معصوم کی تخلیق غیر معصومانہ ہے اور معصوم کی تخلیق معصومانہ ہے غیر معصوم اپنی فکر کی سطح تک سوچتا ہے اور اپنی ہمت کی پرواز تک بڑھتا ہے اور معصوم ،اللہ کے انداز میں سوچتا ہے، اللہ کے معیار پر بات کرتا ہے اور اللہ کے معیار کے مطابق اقدام کرتا ہے۔

اور جب ہمارا ایمان ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے کربلا کو اپنے دور ۶۱ ہجری تک کے عوام کیلئے محدود کرتے ہوئے تخلیق نہیں کیا تھا بلکہ حسینؑ مظلوم نے قیامت تک کی ہدایت اور قیامت تک کی نجات کو مدنظر رکھتے ہوئے کربلا کو تشکیل دیا تھا تو حسینؑ مظلوم کی دوربین نگاہیں ان تمام تقاضوں کو سامنے لئے ہوئے تھیں جو تقاضے نجات انسانیت کے لئے تاروز قیامت پیش آنے والے تھے۔

حسینِؑ معصوم مالک تطہیر ہیں وہ اس حیثیت میں ہے کہ قیامت تک کی نجات پر کربلا کو

استوار کرے معصوم کے علاوہ کوئی بھی اس مقام کا حامل نہیں ہو سکتا فقط وہی ہو سکتا ہے جو مقام امامت پر کھڑا ہو اور وارث علم نبوت ہو۔

وہ حسینؑ جس کے سینے میں رسولؐ اللہ کا نور موجود ہو اور جس کی فکر پر تربیت رسالت کا سایہ موجود ہو، جس کو تائید خداوندی سو فیصد حاصل ہو، جو اپنی دور بین نگاہوں سے یہ دیکھ سکے کہ اس بشر اور امت مسلمہ پر کب افتاد ضلالت گرنے والی ہے اس امام کیلئے ممکن ہے کہ وہ یہ اقدام اٹھائے کہ اپنی کربلا اس بنیاد پر قائم کرے کہ پھر ضلالت و گمراہی کا مقابلہ حسینی عوام اس کربلا سے حاصل شدہ درس کے ذریعہ کرتے رہیں۔

اگر کربلا قیامت تک کیلئے نجات کی ضامن ہے تو اس میں گمراہی کے اسباب کو دخیل نہ کیا جائے یہ واجب و لازم ہے عقل اور فکر کا یہی تقاضہ ہے کیونکہ اگر ذکر کربلا کا تسلسل قیامت تک گمراہی کی دیواروں سے ٹکرانے کی اہلیت نہ رکھتا تو ہماری عزاداری کا کوئی جواز نہ تھا۔ لیکن عزاداری ایک ایسا طاقتور عمل ہے جس سے ہر دور میں ضلالت و گمراہی کو شکست دی جاتی رہی ہے۔

ہم ایک قصہ پارینہ کو دہرانے کیلئے جمع نہیں ہوتے، ہم قصہ خوانی کیلئے عزاداری نہیں کرتے، ہم الف لیلہ کی مثل کربلا کو نہیں پڑھتے۔ بلکہ کربلا کا قصہ عین اسی اسلوب پر استوار ہے جس اسلوب پر قرآن کے قصے استوار ہیں، قرآن میں حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور نمرود کے قصوں کو جگہ دی گئی ہے کیوں کہ ابراہیمؑ نے ہدایت کا پرچم اٹھایا تھا اور نمرود کی ناک رگڑنے میں کامیاب ہوئے تھے، وہی ابراہیمیؑ اسلوب ہر دور کے نمرود کو ذلیل کرنے کی بنیاد ہے اور اسی بنیاد پر کربلا استوار ہے۔

اسی لئے اگر کوئی حضرت شہزادہ علیؑ اکبر کی شہادت کا قصہ اپنے ذہن کی تخلیق کے مطابق پیش کرے گا تو شہادت علیؑ اکبر کا وہ بناوٹی قصہ ایسا فائدہ نہ بخش سکے گا جو شہزادہ علیؑ اکبر کی شہادت کے اصلی ذکر نے بخشا ہے کہ جس شہادت کو حسینؑ مظلوم کی ہدایت کے مطابق پیش

کیا گیا تھا۔

خدارا! ناراض نہ ہوں! اور اس بات کو اپنے مقام پر سوچیں اور انصاف کریں یقیناً امام حسین علیہ السلام پر رونا اور رُلانا عین عبادت ہے، یاد رکھئے روئیے تو کربلائے حسینؑ پر، رُلائیے تو شہزادہ علیؑ اکبر پر، رونے کی شکل بنائیے تو دختران حضرت زہراءؑ پر۔ اور اگر کوئی رویا، رلایا یا رونے کی شکل بنائی لیکن ایسے واقعہ پر جو کسی گناہ گار، غیر معصوم، کم ظرف کی تخلیق ہے! تو وہ نتیجہ مرتب نہ ہو سکے گا جو معصوم کے ذہن اور ارادہ کی تخلیق کے مطابق ہو۔

مجھے ذکر حسینؑ کے صدقے میں اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ فرعونِ زماں کیا سوچ رہا ہے؟، نمرودِ وقت اور دور حاضر کا شیطان کس منصوبے پر عمل کر رہا ہے؟ تو میں کم ظرف، اور کم علم ہوں اور میرے عمل میں یہی کم علمی ہمیشہ شامل رہے گی اور ہماری ذہنی تخلیق اس قسم کے نقائص کا شکار ہوتی رہے گی اور جب ہماری معلومات ناولوں، ڈائجسٹوں سے متاثر ہوئی ہوں اور اس کے بعد ہم کربلا کے نام پر واقعات ایجاد کرتے ہوں تو اس کا نتیجہ کیا مرتب ہوگا؟

علمائے حق اس بات کا بار بار اعادہ کرتے ہیں کہ وہ کربلا خالص رہنی چاہئے جو حسین ابن علیؑ نے تخلیق کی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اگر خالص کربلا پیش کروگے تو یقیناً حسینیت کو بلندی پر پہنچاؤ گے اور یزید وقت کی ناک رگڑنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

اور اگر ہم نے خدانخواستہ اپنے ذہن کی بناوٹ والی کربلا کی بنیاد پر قوم کو استوار کرنا شروع کیا اور اس بنیاد پر یزیدیت کا مقابلہ شروع کیا تو ہم یزید وقت کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

یزید حاضر:

کیونکہ یزید وقت کے افکار، دور حاضر میں زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور ہمارے افکار اس طرح کے ترقی یافتہ نہیں ہیں کیونکہ ہم حقیقی کربلا سے تعلق توڑ چکے ہیں اور بناوٹی پر بھروسہ کر بیٹھے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید بھی ہماری نجات کا ضامن اس وقت ہو سکتا ہے کہ قرآن جیسا تھا ویسے ہی رہے۔ دیکھئے قرآن حکیم جو کمی بیشی سے پاک ہے اگر کمی بیشی ہو جائے تو کیا نقصان

ہوگا؟! نقصان یہ ہوگا کہ جن بنیادوں پر اس کلام کو خدا نے استوار کیا ہے وہ بنیاد کمزور پڑ جائے گی اسی لئے ہمیں اجازت نہیں ہے ہم ایک زیر زبر کی بھی کمی بیشی کریں کیونکہ اگر کمی بیشی ہوگی تو یہ کمی بیشی ایک کم علم کی اپنی ایجاد ہوگی اور موجد کی ایجاد اپنے ذہن کے مطابق ہوتی ہے جتنا وہ کامل اتنی اس کی ایجاد بھی کامل اور جتنا وہ ناقص اتنی اس کی ایجاد بھی ناقص اور چونکہ خدا کی ایجاد ہے کلام اللہ، اس لئے یہ کلام خدا ہماری نجات کا ضامن تب ہی ہوسکتا ہے جب ویسا ہی رہے جیسا اس نے بنایا قرآن میں عدم تحریف خوداللہ تعالی کے عزم و ارادہ کی بنیاد پر ہے۔

اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (سورۃ الحجر آیت۹)

بے شک اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی ضمانت لیتے ہیں کہ یہ محفوظ رہے گا۔

کردار معصوم:

یہی وجہ ہے کہ آئمہؑ برحق نے اسے محفوظ رکھنے کیلئے قربانیاں پیش کیں مگر یہ علیحدہ بات ہے کہ لوگوں نے اس کے معنی و تفاسیر میں کمی بیشی کرنے کی کوشش کی اسلئے رسالت مآب نے حضرت امیرالمومنینؑ کے حق میں یہ جملہ ارشاد فرمایا!

میں نے جنگ لڑی قرآن کی تنزیل پر اور علیؑ جنگ لڑے گا قرآن کی تاویل پر۔ (الحدیث)

یعنی میرے بعد ایسے لوگ میدان عمل میں آئیں گے جو قرآن کے الفاظ محفوظ رکھتے ہوئے اس کی تفاسیر میں الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن علیؑ اپنا سب کچھ قربان کریں گے اور اس کو اسکی صحیح حدود پر برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے گویا یہ فریضہ فقط حضرت علیؑ حیدر کرار کی ذمہ داری نہ تھا بلکہ رسولؐ اعظم کی اس نوید میں بعد میں آنے والے آئمہ طاہرینؑ بھی شامل ہیں کیونکہ علیؑ امیر المومنین کے جو جو فضائل حضرت رسولؐ اکرم نے بیان کئے ہیں وہ ذاتِ حیدر کرارؑ تک محدود نہیں ہیں بلکہ بعد میں آنے والے آئمہ اطہارؑ بھی اس میں شامل ہیں۔

یہ علیحدہ بات ہے جس جس کمال کے ظہور کا موقع جب آتا ہے ہر امامؑ اپنے اس کمال کا مظاہرہ اس وقت کے تقاضوں کے مطابق انجام دیتا ہے۔ اسی لئے جہاں صلح کی ضرورت تھی وہاں صلح کی گئی اور جہاں شہادت کی ضرورت تھی وہاں شہادت کو پیش کیا گیا جس طرح امیر المومنین علیؑ نے ،۲۵ سال خاموشی کے گذارے اور جب وقت آیا تو تلواریں بھی چلائیں۔ اگر یہی تقاضہ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور امام حسینؑ شہید کربلا کے دور کا ہوتا تو وہ ایسا ہی کرتے ۔ کچھ نادان ان کے اقدامات کو ان کے مزاج کے ساتھ مربوط کرتے ہیں جبکہ ہمارا ہر امام شجاع ہے مگر ہر دور کے تقاضے جدا جدا ہیں۔

اسلئے علیؑ حیدر کرار سے پوچھیں شجاع کون ہوتا ہے؟

علیؑ یہ نہیں کہتے کہ جو تلوار سے مرحب کا سر کاٹ ڈالے بلکہ جب علیؑ سے پوچھا جاتا ہے تو وہ شجاع کی تعریف یوں کرتے ہیں :

دلیر ، شجاع اور بہادر وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس پر سب سے زیادہ کنٹرول کر سکے۔ (امیر المومنینؑ)

علی امیر المومنین اور ۲۵ سال:

اے شاگردانِ مکتب حیدر کرار!

ذرا اس جملے کی قیمت کو سمجھئے! علیؑ جیسا اسد اللہ، شجاعت کی تعریف کیا کرتا ہے ،شجاعت یہ نہیں کہ جب میدان رزم میں نکلے تو اس جیسا لڑاکا، قتال، شمشیر زن کوئی نہ ہو اور جس نے بہت سے افراد کے سر اڑائے ہوں وہ بہادر ہوتا ہے بلکہ شجاع وہ ہوتا ہے جو اپنے اوپر کنٹرول کر سکتا ہو۔

حضرت علیؑ حیدر کرار کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں کبھی ذوالفقار نیام سے باہر ہے بدر، خیبر، حنین و خندق ہر جنگ کی فتح کا سہرا علیؑ کے سر ہے اور جب پوری جوانی کا وقت آیا کیونکہ شب ہجرت کے موقع پر علیؑ کی عمر مبارک ۲۳ سال کی تھی اور جب دس سال بعد رسول کی

وفات ہوئی تو اس وقت ۳۳ سال کی عمر تھی اسلئے ۲۳ سال سے لے کر ۳۳ سال کی عمر کو اولین جوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ۳۳ سال کے بعد کی عمر کو پختہ جوانی سے شمار کیا جاتا ہے تجربہ بھی پورا یعنی اگر کمال امامت سے قطع نظر ظاہری اسباب پر غور کیا جائے تو یہ زمانہ تھا علیؑ کی بھرپور جوانی کا،

مگر علیؑ امیر المومنین اس وقت فرماتے ہیں :

وَطَفِقتُ اِرتَاری بَینَ اَن اُصُولَ بِیَدِ جَذَّآءَ أَو اَصبِرَ عَلیٰ طَخیَة عَمیَآء یَهرَمُ فِیهَا الکَبِیرُ وَ یَشِیبُ فِیها الصَّغِیرُ وَیَکدَحُ فِیهَا مُؤمِنُ حَتّٰی یَلقٰی رَبَّهُ فَرأَیتُ اَنَّ الصبرَ عَلیٰ هاتَا اُحجٰی فَصَبرتُ وَفِي العَینِ قَذیً وَ فِي الحلقِ شَجیً. أَرَیٰ تُراثِی نَهباً.

(نہج البلاغہ خطبہ ۳)

اس عالم میں، میں سوچنے لگا کہ اس صورت میں کیا کروں ؟! کیا ان کٹے ہوئے ہاتھوں سے مقابلہ کروں یا اس تاریک رات میں اپنے سینے پر صبر کی اینٹ رکھوں، جس میں بڑا بوڑھا ہو جاتا ہے اور چھوٹا بچہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے !اور مومن کوشش کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لیتا ہے تو میں نے یہی فیصلہ کیا اس دور میں صبر کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے اور میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں مصائب کے کانٹے تھے اور گلے میں غم واندوہ گلوگیر تھا اور میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا!؟

(نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ)

۲۵ سال تک ذوالفقار کے مالک کی ذوالفقار نیام سے باہر نہ آئی زہراء کی چیخیں نکلتی رہیں :

صُبَّت علیّ مصائب لو انها صُبَّت علی الایام صرن لیا لی

اے میرے بابا مجھ پر اتنے مصائب پڑے اگر دن پر پڑتے تو سیاہ

راتوں میں بدل جاتے اور پہاڑ پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

کیونکہ علیؑ جانتے ہیں شجاع وہ نہیں ہوتا جو ہر حالت میں تلوار کو نیام سے باہر نکالے بلکہ شجاع وہ ہوتا ہے جو اسلام کی مصلحت کے تحت اقدام کرے اور ایسے وقت میں صبر کی اینٹ سینے پر رکھنا ہو تو سب سے بڑا صابر نظر آئے۔

اسی لئے آئمہ ہدیٰؑ کی جدوجہد اور سیرت کا مجموعہ ہمارے لئے عین اسلام ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں دور میں فلاں خاموش کیوں رہا؟ اور فلاں نے شہادت کیوں پیش کی؟ منزل کمال پر سب برابر ہیں مگر اس کا ظہور اپنے دور کے تقاضہ کے مطابق ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کربلا بھی اس کامل بنیاد پر استوار ہوئی جو ایک معصوم کے کامل ذہن کی تخلیق ہونی چاہئے۔ اسلئے کہ اگر کوئی فرد بشر کربلا میں اپنی ناقص فکر کو داخل کرتا ہے تو گویا وہ اپنی سوچ وفکر کو نواسۂ رسولؐ کی تخلیق کے برابر قرار دے رہا ہے! اور وہ برابر نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کا وہ نتیجہ بھی مرتب نہ ہو گا جو حسینؑ عظیم کی تخلیق پر مرتب ہونا چاہئے۔

حسینی کا فریضہ اور افکار کربلا:

کربلائے حسینؑ ابن علیؑ عظیم اور مقدس امانت ہے اس امانت کو محفوظ رکھنا اور اس امانت کو ہر کمی بیشی سے محفوظ رکھ کر آئندہ نسلوں تک پہنچانا یہ ہر حسینی کا مذہبی فریضہ ہے۔

یہ عزاداری بھی اسی کربلا کے ذکر پر استوار ہے۔ ہم ذکر کربلا کو زندہ رکھیں گے اور جب تک کربلا زندہ ہے اس وقت تک اسلام زندہ ہے اور جب تک کربلا کے عاشق موجود ہیں اسلام کو کوئی شکست نہ دے سکے گا اور اگر یہ بات سمجھ نہ آئی ہو تو آج کے دور کے تجربے میں دیکھ لیں کہ آج بھی ڈوبتی ہوئی کشتی اسلام کو کوئی شکست نہ دے سکے گا۔ آج بھی ڈوبتی ہوئی کشتیِ اسلام کو کس نے بچایا؟ اسی نے بچایا جس ملت کے سامنے یہ آئین و دستور تھا۔

کل ارضٍ کربلا	کل یومٍ عاشورہ
ہر شہر کربلا	ہر روز عاشورا

یعنی جوان نکلے تو علیؑ اکبر کا عاشق بن کر، بوڑھا نکلے تو حبیبؑ ابن مظاہر کا عاشق بن کر اور خواتین شریکۃ الحسینؑ کی عاشق بن کر اور اپنی گودوں میں بچوں کو اس طرح اٹھایا کہ ہم نے سیرت ربابؑ پر چلنا ہے اور کیونکہ یہی کیفیت انہوں نے برقرار رکھی تو وہ کامیاب بھی ہو گئے اور خدانخواستہ اس میں کمی کی جاتی اور اپنی مرضی کی کربلا بنانے کی کوشش ہوتی تو پھر یہ محنت اسلام کے فائدہ میں نہ آتی۔

وصیت : امام حسینؑ حضرت محمد ابن حنفیہ کے نام !

یاد رکھو میں مدینہ چھوڑ رہا ہوں اور وقت کی حکومت کے خلاف خروج کر رہا ہوں نہ غرور، نہ تکبر نہ شرارت مقصود، نہ فساد، نہ ظلم کا رواج، بلکہ نانا رسولؐ کی امت کی اصلاح کیلئے۔

رسولؐ کا نواسہ کیا بیان کر رہا ہے؟ کہ میں امت کی اصلاح کیلئے جا رہا ہوں یعنی امت میں فساد، رخنہ، کجی، انحراف ضلالت آگئی ہے اور اس کو دور کرنے کیلئے رسولؐ کا نواسہ نکل رہا ہے کیونکہ یزید اکیلا مجرم نہ تھا بلکہ اس کو برسر اقتدار لانے میں امت بھی شامل حال تھی۔

ذرا غور کریں !اے امت رسولؐ اللہ کہ نواسہ رسول کیا فرما رہا ہے؟ کس طرف ہمیں متوجہ کر رہا ہے؟

جبکہ ہم حسینؑ ابن علیؑ کے بڑے فضائل پڑھتے ہیں کہ حسینؑ ابن علیؑ وہ شخصیت تھی جس کو رسولؐ شانہ پر سوار کرتے تھے، جن کا حالت سجدہ میں کمر پر بیٹھنا اللہ کو بھی پسند آیا، حسینؑ وہ تھا کہ قدم اپنی قمیض کے دامن سے الجھنے لگتا اور گر جاتے تو رسولؐ اپنے منبر کو چھوڑ دیتے اور اتر کر حسینؑ مظلوم کو گود میں بٹھاتے لوگ دیکھ رہے ہوتے کہ خطبہ رک گیا ہے اور رسولؐ کی گود میں حسینؑ موجود ہیں اور جب تک حسینؑ خاموش نہ ہوتے خطبہ دوبارہ شروع نہ فرماتے۔

آخر یہ سب پیار حسینؑ سے کیوں تھا؟ لوگ سمجھتے ہیں ایک نانا تھا، اپنے نواسے کی محبت سے سرشار ہو کر یہ کردار انجام دے رہا تھا اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہر خطیب، مولوی، مقرر کیلئے سنت رسولؐ ہونا چاہئے کہ جب اس مولوی صاحب کا نواسہ اس طرح پریشان ہو جائے تو

خطبہ بند کر دے لیکن نہیں، ایسا نہیں کرتے۔

معلوم ہوا کہ فقط نواسہ کی حیثیت سے رسولؐ یہ کردار انجام نہیں دیتے تھے بلکہ اسلئے انجام دیتے تھے تاکہ رسولؐ اپنی امت کو بتادیں کہ یہ فقط میرا نواسہ نہیں بلکہ میرے دین کا وارث اور اس کی حفاظت کا ضامن ہے۔ یہاں فقط نسبی رشتہ مدنظر نہیں اور خاندانی محبت کا اظہار نہیں بلکہ یہ تو دین اسلام کی بقاء سے محبت کا اظہار ہے۔

پس اے امت والو ! یاد رکھو! جب امت گمراہی کے گڑھے میں جا رہی ہو گی اس وقت میرا یہ نواسہ ہو گا جس کا سر تمھاری اصلاح کی خاطر نوک نیزہ پر بلند ہو گا، اپنی اور اپنے باوفا اور مخلص ساتھیوں کی شہادت پیش کرے گا، اس کی خواتین کو قید کر کے بازاروں اور درباروں میں لایا جائے گا۔ لیکن وہ دشمنان دین کے سامنے سرنگوں نہ ہوں گے اور اسلام کے خلاف کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

پس :

حسینیت زندہ باد ہے

اور

یزیدیت مردہ باد ہے۔

فہرست

انتساب ۴

پیش لفظ ۵

❋ تقدیر پر کردار کی تاثیر، حضرت عمار یاسر اور
اویس قرنی کا کردار

تقدیر انسانی ۱۰

داستان حضرت عمار یاسر ۱۲

عمار یاسر پر تشدد ۱۳

عمار یاسر اور تقیہ ۱۴

مسجد نبوی کی تعمیر ۱۴

لطف اندوز منظر ۱۴

ماں کی اطاعت اور زیارت رسول ۱۵

اویس قرنی اور جنگ صفین ۱۶

تقدیر اور ظلم کا رواج ۱۷

ملت شیعہ جعفریہ اور وحدت ۱۹

❋ شہادتیں اور ملت جعفریہ کا فریضہ

صبر و شہادت ۲۱

شہدائے کربلا ۲۱

حدیث امام محمد باقر اور بنی اسرائیل
کے جادوگر ۲۲

شہدائے کربلا کی کامیابی ۲۳

معرفت کربلا ۲۳

مودت آل محمد کا جرم ۲۴

ثابت قدمی اور شہادت ۲۵

قصاص اور شہادت امیر المومنین ۲۶

❋ فضیلت کردار سے ہے، میثم تمار اور ابن عباس
کی عظمت کا فرق

قلب قران ۲۷

نکتہ دلنشین ۲۸

ابن عباس اور میثم تمار کی عظمت کا موازنہ ۲۸

میثم اور کھجور کی دکان ۲۹

میثم تمار اور ابن عباس کی گفتگو ۲۹

عید غدیر ـــــ عید اللہ ۳۰

ولایت آل محمد ۳۰

معاشرہ اور مجلس عزاء ۳۱

حقیقت خوف خدا ۳۲

خدا رحیم یا آل محمد ۳۲

❋ امیر المومنین علی اور انکے شیعوں کی کامیابی

لسان وحی ۳۴

سنت رسول ۳۴

شیعہ علی اور کامیابی ۳۵

مولود کعبہ ۳۵

خوش قسمتی ۳۶

عظمت امیر المومنین ۳۷

قتل عمار اور باغی گروہ ۳۷

علی کا سب سے پہلا شیعہ کون؟ ۳۹

احساس ذمہ داری ۳۹

حکومت عدل جہانی ۴۰

انتظار الفرج اور حب دنیا ۴۱

❁ علم محمد و آل محمد اور حب علی کا نور اور عدل کا قیام

حضرت آدم اور ملائکہ کا تقابل علم ۴۲

وسعت مدینۃ العلم ۴۴

حسین وارث انبیاء ۴۶

وراثت علم ۴۶

بغض علی اور محبت خدا و رسول ۴۷

بینات و حکمت ۴۷

نظام عدل ۵۰

قیام عدل اور ظلم ۵۲

امیر المومنین اور عدل ۵۳

❁ داستان ابوذر اور سلمان فارسی کا فکری جائزہ
اور توسل کا حقیقی مقصد

سورۃ الفاتحہ ۵۴

قبلہ رخ ہونے کی اہمیت ۵۴

فلسفہ صراط مستقیم ۵۶

غیر ذمہ دارانہ بیانات ۵۷

قربت خداوندی ۵۸

جنگ خندق اور امیر المومنین ۶۰

معرفت ولایت، وسیلہ برائے معرفت توحید ۶۲

حقیقت وسیلہ ۶۲

ابوذر مہمان اور سلمان فارسی میزبان ۶۳

محبت آل محمد کے اثرات ۶۴

فضائل خوانی ۶۶

تربیت کربلا ۶۶

انقلاب اسلامی اور نعمت خداوندی ۶۷

❁ حقیقت تشیع اور وقت کے تقاضے

تشیع لفظی ادائیگی ۶۸

لفظ شیعہ کی اہانت اور حرمت ۶۹

تشیع قرآن کی نظر میں ۷۰

تشیع اور تابعداری ۷۰

توحید برحق ۷۱

دین اسلام ۷۱

امت کی سطح فکری اور حصول دین ۷۲

ولایت و امامت ۷۳

امامت و آزمائش ۷۵

تشیع از تابعداری ۷۶

حدیث سفینہ کا فکری جائزہ ۷۷

شیعہ، قرآن اور تابعداری ۷۸

شیعہ اور دنیاوی مفاد ۷۸

معراج شیعہ ۷۹

ظلم کا خوگر اور قیام عدل ۷۹

عالمی ظلم کا مقابلہ ۸۰

مخلص و مجاہد شیعہ میثم تمار ۸۰

عصر معصومین اور شیعیان علی ۸۱

تشیع عقیدہ و عمل ۸۲

میلانات تشیع ۸۳

معیار شیعہ ۸۴
شہید باقر الحکیم سے روایت ۸۴
❁ ظالم سے عداوت اور مظلوم کی حمایت، وصیت امیر المومنین
ظلم کی طرف جھکاؤ ۸۶
وصیت امیر المومنین ۸۷
حقیقت تولّا ۸۸
معیار محبت، معاویہ ابن یزید ۸۹
عزاداری، ظلم سے نفرت کا ذریعہ ۸۹
حسینیت کی محبت ۹۰
عزاداری، ظلم کے خلاف جنگ ۹۲
ثقافت یزیدی ۹۲
❁ انفاق فی سبیل اللہ
نمازی اور خسارہ ۹۴
روحانی بیماری یعنی اخروی خسارہ ۹۵
انفاق فی سبیل اللہ ۹۶
مکروہ کی مثال ۹۷
مالی واجبات ۹۷
انفاق فی سبیل اللہ اور فطرہ ۹۸
انفاق فی سبیل اللہ اور زکواۃ ۹۹
نیکی کا رواج ۱۰۰
خمس کی ادائیگی کا رواج ۱۰۱
محافظان شریعت ۱۰۲
❁ علی قتال العرب
میدان عرفات ۱۰۳
مومن کی کامیابی ۱۰۳
محبت امیر المومنین، میزان اعمال ۱۰۴
امیر المومنین علی ہیں قتال العرب ۱۰۵
بعد از وفات رسول ۱۰۶
مودت برائے مفاد، مودت برائے قربانی ۱۰۶
سفیر حسین ابن علی، مسلم ابن عقیل ۱۰۷
❁ عقیدہ توحید کی حرمت
ذکر خدا کی حقیقت ۱۱۰
موت پر ظلم کی نسبت ۱۱۱
صفات قیومی ۱۱۱
قدرت خداوندی ۱۱۲
لفظ سبحان اللہ کی حقیقت ۱۱۳
تسبیح زہراء ۱۱۳
خواتین کی عرفی ذمہ داری ۱۱۴
امور زندگانی ۱۱۵
ہدایت رسول ۱۱۵
خاک کربلا ۱۱۵
افکار کربلا اور معرفت توحید ۱۱۶
امیر المومنین اور محراب عبادت ۱۱۷
حقیقی عبد خدا ۱۱۷
آزمائش اور کامیابی ۱۱۸
❁ جذبہ شہادت اور عقیدے کا کردار پر اثر
جذبہ شہادت ۱۲۰

شہادت یا اتفاقی حادثہ ۱۲۱
خالص عزت ۱۲۲
راہ خدا اور صراط مستقیم ۱۲۳
کربلا سے توسل برائے صراط مستقیم ۱۲۴
کردار مومن اور افکار امیر المومنین ۱۲۴
کردار منبر اور جذبہ ایثار ۱۲۵
فلسفہ قربانی اور عہد مومن ۱۲۶
معرفت شہادت ۱۲۷
شہید کون ؟ ۱۲۷
تین انسانی نظریات ۱۲۸
نظریہ اسلام ۱۲۹
عقیدہ کے اثرات ۱۳۰
میدان کربلا اور نماز با جماعت ۱۳۱
علم ابوالفضل العباس اور پاکیزگی کردار ۱۳۱
علم ابوالفضل العباس اور کردار کی گواہی ۱۳۲
مشن حسین سے محبت ۱۳۳
دروازہ وفا اور اندھیرا ماحول ۱۳۳

❋ زندگی ایک امتحان ہے، موت کے بعد حصول علم و معرفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے

ناکامی وکامیابی، زندگی ایک امتحان ۱۳۵
امتحان سے دوری ۱۳۶
امت کا سطح امتحان ۱۳۷
نعمت وسیلہ امتحان ۱۳۷
شب قدر، نزول امر خداوندی ۱۳۸
آئمہ اطہار اور ادوار جاہلانہ ۱۴۰
بوقت موت، زیارت امیر المومنین ۱۴۱
علم امیر المومنین ۱۴۱
بعد از موت، علم ومعرفت ۱۴۲
ذکر حسین میں آنے والوں سے عہد ۱۴۲

❋ عبادت و توبہ کی حقیقت کیا ہے؟

تدبر، عقل وفکر ۱۴۵
ذکر حسین ابن علی ۱۴۵
اہل بیت جزو دین ۱۴۶
ذکر حسین کی بنیاد ۱۴۷
ذکر حسین، اسلام کی نشوونما کا ذریعہ ۱۴۷
عبادت، مرضی معبود یا مرضی عبد ۱۴۷
نیت اور ذکر خدا ۱۴۸
قرآن، مرحومین کیلئے ایصال ثواب ۱۵۰
شاگرد کربلائی ۱۵۱
میدان کربلا میں حر کی توبہ ۱۵۱

❋ اسلام امریکائی اور اسلام محمدی

دین اور انسانی زندگی ۱۵۳
عیسائی نظریہ اور اسکے اثرات ۱۵۳
کردار امام خمینیؒ ۱۵۴
عزاداری اور حفاظت اسلام ۱۵۵
فلسفہ عزاداری ۱۵۵
افکار یزیدیت کا مقابلہ ۱۵۶
رہبر کبیر اور قوت حق ۱۵۶

حسینیت کے وارث ۱۵۷

توحید وولایت ۱۵۸

اصلی حاکم کون؟ ۱۵۹

شاگرد مکتب صادق آل محمد کا کردار ۱۵۹

قیام حسینی ۱۶۰

❁ کردار انسانی سے عقل وشہوت کا موازنہ، انسان ملائکہ سے افضل اور حیوانات سے بدتر ہو سکتا ہے

نظام تکوینی ۱۶۲

عقل وشہوت ۱۶۳

شہوات نفسانیہ کی تقسیم ۱۶۴

عقل اور قوت عاقلہ ۱۶۵

عقل وشہوت کا غلبہ ۱۶۵

قوت عقل وفکر ۱۶۶

فضیلت کا معیار ۱۶۶

عقل انسانی اور راہ حق ۱۶۷

نور عقل ۱۶۷

میدان حشر اور اعمال مجسم ۱۶۸

حجت باطنی اور حجت ظاہری ۱۶۹

نور حجت ظاہری ۱۷۰

حجر ابن عدی اور بلندی ایمان ۱۷۱

حجت ظاہری اور حکیمانہ انداز ۱۷۲

انبیاء ورسل اور امور تکونیہ ۱۷۳

حکم قرآنی اور دعوت رسول ۱۷۳

❁ کائنات خداوندی میں غوروفکر

قانون جبر ۱۷۵

احساس نعمت ۱۷۶

زیارت قبر معصوم ۱۷۶

زیارت امیر المومنین کی حقیقت ۱۷۷

ابوبصیر اسدی کوفی ۱۷۹

دست امامت اور ابوبصیر کی آنکھ ۱۸۰

ابوبصیر سے ایک سوال ۱۸۰

بینائی نعمت خداوندی ۱۸۱

معرفت اہل بیت کے بغیر ریسرچ ۱۸۲

کائنات میں غوروفکر اور درس توحید ۱۸۳

❁ عمل نہ ہو تو علم وبال، علم نہ ہو تو عمل ضلال

عالم علم لدنی ۱۸۴

عارف علم لدنی ۱۸۵

حکمت کا کنٹرول ۱۸۶

حکمت امیر المومنین ۱۸۶

خانہ خدا اور عمر ابن عبدود ۱۸۸

عہد مومن ۱۸۸

مال سے محبت اور خدا سے مقابلہ ۱۸۹

امیر المومنین اور کل کفر ۱۸۹

بغیر عمل، علم وبال ۱۹۰

بغیر علم، عمل ضلال ۱۹۱

نماز قصر اور سفر حرام ۱۹۱

سلمان فارسی، رات بھر عبادت ۱۹۲

علم کیساتھ عمل ۱۹۲

❋ احسان شناسی، معرفت الٰہی کا ذریعہ

احسان شناسی ۱۹۵

تلاوت قرآن اور غور وفکر ۱۹۵

احسان شناسی اور معرفت الٰہی ۱۹۷

فطرت حیوانی اور فطرت انسانی ۱۹۸

ہدایت ودین حق ۱۹۸

ایمان کے مطابق امتحان ۲۰۰

توحید وولایت کے حق میں منافق ۲۰۱

حبشہ کی طرف ہجرت ۲۰۲

معجزہ کی حقیقت ۲۰۳

تائید ربانی ۲۰۳

دین کی نشر واشاعت اور محافظت ۲۰۴

علم الاخلاق کے ماہرین ۲۰۵

شیعہ علی کی ذمہ داری ۲۰۵

❋ محبت خدا، محبت رسول اور محبت آل رسول اور داستان حضرت موسیٰ کلیم اللہ

مومن سے خدا کی محبت ۲۰۸

موسیٰ اور دختر شعیب ۲۰۹

واقعہ قرآن اور حیاء داری ۲۱۰

آٹھ سال کی مزدوری ۲۱۱

بشریت معصوم ۲۱۳

حضرت موسیٰ اور کوہ طور ۲۱۴

حب علی امیر المومنین ۲۱۶

حب علی اور توحید سے نفرت ۲۱۷

امیر المومنین اور نجومی ۲۱۸

علی کا نام کس نے رکھا ۲۱۹

روزہ نعمت خداوندی ۲۲۰

حدیث امیر المومنین ۲۲۰

مجلس ونماز ۲۲۱

ضرورت مند کی مدد سے فرار ۲۲۲

❋ نعمات خداوندی کا ادراک اور حقیقت تشکر

حکمت خداوندی ۲۲۳

نعمات خداوندی، ہوا اور پانی ۲۲۳

حکمت خداوندی اور سادہ انسان ۲۲۴

پانی کی قسمیں ۲۲۵

حکمت خداوندی اور نظام خداوندی ۲۲۵

حکمت خداوندی اور بارش کا برسنا ۲۲۶

رواج تشکر ۲۲۷

حقیقت تشکر ۲۲۸

سجدہ شکر اور امیر المومنین ۲۲۹

نماز مصیبت یا نعمت ۲۳۰

سچا عزادار ۲۳۱

روز عاشور، شہادت ونماز ۲۳۱

❋ علی کے شیعوں پر قرآن مجید کی تحریف کا الزام سراسر بہتان ہے

تحریف قرآن کا بہتان ۲۳۳

شیعہ وقرآن ۲۳۴

اے کاش ایسا ہوتا! ۲۳۴

شیعیان آل محمد کا جرم ۲۳۵

نوجوانوں کا آئیڈیل ۲۳۶

متشابہ آیات ۲۳۷

❋ رواج و شریعت

نجس العین جانور ۲۳۹

جوا اور حلال روزی ۲۳۹

رواج تابع شریعت ۲۴۰

اے کاش! تو میرا شیعہ نہ ہوتا ۲۴۲

اے نوجوانو! تمھارے بزرگان ۲۴۳

رواج آل محمد ۲۴۳

احکام پردہ، قرآن کی نظر میں ۲۴۴

نیکی کا رواج ۲۴۶

❋ ولایت امیر المومنین اور تقویٰ

قرآن مشکل کشا ۲۴۸

قرآن مشکل کشا در ہدایت ۲۴۸

آل محمد مشکل کشا برائے دین و دنیا ۲۴۹

علی مشکل کشا برائے دنیا ۲۴۹

قرآن ناطق ۲۵۰

انداز قرآن ناطق ۲۵۱

قرآن ناطق محراب گریہ میں ۲۵۱

متقی کون؟ ۲۵۲

علم و شعور ۲۵۲

جنت میں یا علی یا علی کی صدا ۲۵۳

علی سے محبت و اطاعت ۲۵۴

❋ رسول کی علمی و سیاسی وراثت

امانت قرآن ۲۵۷

رسول اکرم اور علم الٰہی ۲۵۷

حامل وراثت ۲۵۸

رسول کا سیاسی وارث کون؟ ۲۵۸

سیاسی وراثت یعنی حکومت ۲۶۰

انتقال علم ۲۶۱

علم لینے کا ظرف ۲۶۲

حضرت موسیٰ، خضر اور جبریل ۲۶۳

علم کی تقسیم کا فارمولا ۲۶۴

علم افضل یا مال ۲۶۴

انتقال علم رسول ۲۶۵

حقانیت آل محمد ۲۶۶

مراسم عزاداری ۲۶۶

سفیران حسینیت ۲۶۷

❋ قلب میں محبت حسین ہو تو جذبہ شہادت پروان پاتا ہے

احسان شماری ۲۶۹

کربلا سے ایمانی رشتہ ۲۶۹

اقسام شہادت ۲۷۰

جذبہ کربلائی ۲۷۰

مال کی محبت کا انجام ۲۷۱

❋ سب سے بڑی نعمت خداوندی کی معرفت

نعمات خداوندی کی گہرائی ۲۷۳

نعمات خداوندی کی جستجو ۲۷۴
سخاوت علم ۲۷۵
ترقی علم قبل از ظہور مہدیؑ ۲۷۵
ترقی علم بعد از ظہور مہدیؑ ۲۷۶
احسان خداوندی اور تیل ۲۷۶
تخلیق ارض و شب و روز ۲۷۷
تفکر از نعمت خدا برائے ہدایت ۲۷۹
حضرت ابراہیم اور نمرود کا مکالمہ ۲۸۰

❁ نور عقل اور خواہش نفس کا مقابلہ

رضائے خداوندی اور افکار منبر ۲۸۴
تشیع اور عزاداری آل محمد ۲۸۵
رسول صاحبان عقل کے سردار ۲۸۶
خواہش نفس اور عقل ۲۸۶
نور عقل ۲۸۷
جسمانی و روحانی صورت ۲۸۸
اخلاقی عمارت ۲۸۸
نور عقل کا غلبہ، خواہش نفس پر ۲۹۱
یزید سے نفرت ۲۹۲

❁ غیبت امام زمانہ میں اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری

دینی معاشرے کی تشکیل ۲۹۳
ادوار جاہلانہ ۲۹۳
رسول کا علم سے نابلد ہونا؟ ۲۹۴
معاشرے کی روحانی بیماری ۲۹۴
نورانی معاشرہ اور نمائندگان خدا ۲۹۵
اصلاح معاشرہ کا ذمہ دار کون؟ ۲۹۹
اصلاح معاشرہ اور تزکیہ نفس ۲۹۹
ذوالفقار علی اور معاشرتی رواج کی گردن ۳۰۲
علی سے محبت اور بغض ۳۰۲
مراسم عزاداری اور شیطانی یلغار ۳۰۴
مجلس عزاء، عبادت خدا ۳۰۵

❁ سیاست اسلامی

لفظ سیاست بدنام ۳۰۶
سیاست اور قیام عدل ۳۰۶
سیاست اور ظلم ۳۰۷
امیر المومنین، پاکیزہ سیاست مدار ۳۰۸
سیاست اور امام زمانہ ۳۱۱
عدل اجتماعی و انفرادی ۳۱۲
ظلم سے ٹکرانا، حسینیت ۳۱۳

❁ فرعونیت زدہ معاشرے میں کردار آسیہ، خواتین کیلئے نمونہ کامل ہے

نظام ہدایت اور خواتین ۳۱۵
کردار خواتین کربلا ۳۱۵
اسلام کے دو پر ۳۱۶
قرآن کی نظر میں دو مومنہ خواتین ۳۱۷
کردار آسیہ ۳۱۸
حسینیت ایک قلعہ ۳۱۹
مومنہ خاتون اور ظالم گورنر ۳۱۹
ولایت آل محمد سے وابستہ خواتین کا عارفانہ

کردار ۳۲۱
عزاداری، حسینیت کا پلیٹ فارم ۳۲۱
❁ مظلومیت قرآن
رسول کا استغاثہ، قرآن کے حق میں ۳۲۳
قرآن واہل بیت کے ساتھ عملی وابستگی ۳۲۴
میدان محشر اور فریاد رسول ۳۲۵
نماز عید در منظر محشر، از رہبر معظم ۳۲۷
قرآن کا ماننا اور عمل نہ کرنا ۳۲۸
سورج کی مثال ۳۳۰
حسین و نماز، آنکھوں کی ٹھنڈک ۳۳۲
❁ علماء وارث انبیاء، حضرت حر و نماز
ادائیگی حق وراثت اور علماء ۳۳۳
علی ابن الحسین کے چہرے پر موت کی
زردی ۳۳۵
علماء کی ذمہ داری ۳۳۶
کیا حر نمازی تھا؟ ۳۳۷
روایت ۳۳۸
❁ قیام امام حسین اور امت رسول کی اصلاح (اوّل)
دین است حسین ۳۴۰
مسئلہ بیعت اور عوامی قوت ۳۴۱
وصیت نامہ، امام حسین علیہ السلام ۳۴۲
عورت کو سنگسار کی سزا ۳۴۵
❁ قیام امام حسین اور امت رسول کی اصلاح (دوم)
مذہب کی ترویج ۳۴۷
مقصد حسینی ۳۴۸
اصلاح امت رسول ۳۴۹
اخلاق رسول ۳۵۰
بزرگوں کی رسم ۳۵۰
حسین ابن علی اور امر بالمعروف ۳۵۱
مشن علی اکبر ۳۵۲
ملت جعفریہ اور میدان محاذ ۳۵۴
❁ قیام امام حسین اور امت رسول کی اصلاح (سوم)
فکر کربلا کا احیاء ۳۵۶
یزید حاضر ۳۵۸
کردار معصوم ۳۵۹
علی امیر المومنین اور ۲۵ سال ۳۶۰
حسینی کا فریضہ اور افکار کربلا ۳۶۲
وصیت:
امام حسین، محمد ابن حنفیہ کے نام ۳۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

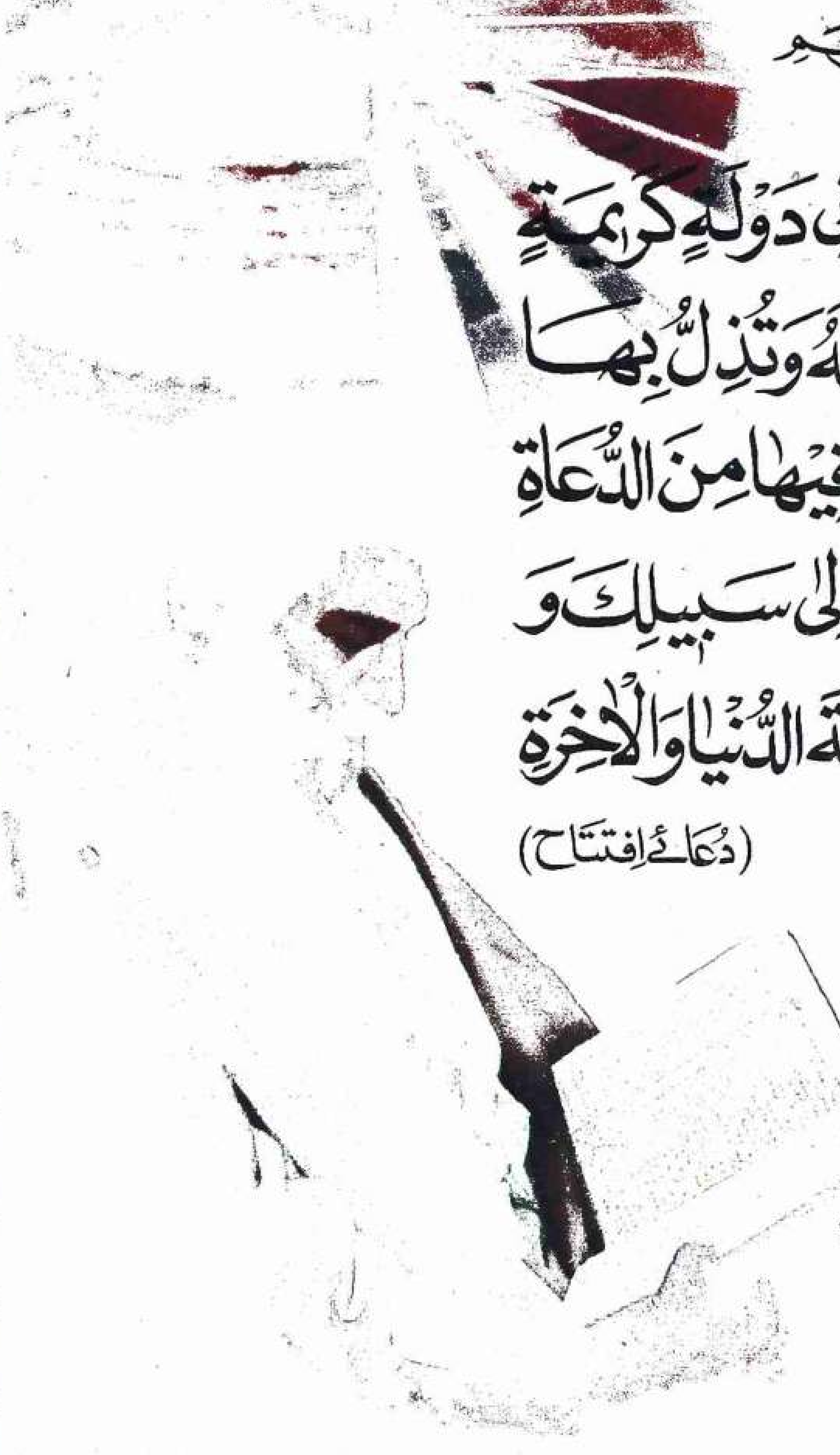

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَرْغَبُ اِلَيْكَ فِي دَوْلَةٍ كَرِيمَةٍ
تُعِزُّ بِهَا الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهُ وَتُذِلُّ بِهَا
النِّفَاقَ وَاَهْلَهُ وَتَجْعَلُنَا فِيهَا مِنَ الدُّعَاةِ
اِلَى طَاعَتِكَ وَالْقَادَةِ اِلَى سَبِيلِكَ وَ
تَرْزُقُنَا بِهَا كَرَامَةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(دُعائے افتتاح)

تعارف: سید محمد تقی نقوی ابن علامہ سید گلاب علی نقوی، یکم جون ۱۹۴۹ء کو ملتان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم جامعہ مخزن العلوم الجعفریہ، شیعہ میانی ملتان میں علامہ سید گلاب علی نقویؒ، نمائندہ ولی امر مسلمین وقائد ملت جعفریہ علامہ سید ساجد علی نقوی، علامہ سید شیر علی نقوی، علامہ سید فضل حسین نقوی، علامہ سید سکندر علی شاہ اور علامہ سید امیر حسین سے حاصل کی، ۱۹۶۸ء میں فاضل عربی کے امتحان میں شرکت کی اور اس مرکز میں ممتاز شاگرد کی حیثیت سے پہچانے گئے، ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۹ء تک جامعہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور ۱۹۷۹ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے حضرت فاطمہ معصومہؑ بنت موسیٰؑ بن جعفرؑ کے جوار میں حوزہ علمیہ قم المقدسہ کی طرف رخ کیا اور وہاں مرجع عالیقدر حضرت آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد فاضل لنکرانی، حجۃ الاسلام محمد تقی ستودہ، حجۃ الاسلام مصطفیٰ اعتمادی اور حجۃ الاسلام سید کاظم حائری سے کسب فیض کیا اور طویل عرصے تک آیت اللہ فاضل لنکرانی کے درس خارج سے استفادہ کرتے رہے اور اب جامعہ مخزن العلوم الجعفریہ، کے پرنسپل کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ علوم آئمہ معصومینؑ کے نور سے تشنگان علم کو سیراب کر رہے ہیں۔ (ماخوذ از: تذکرہ علماء امامیہ پاکستان، فارسی)